ملائکۃ اللہ

Khuda Bakhsh O.P. Library
Patna
Acc No. 13657
Date 27-1-75
Section

Acc
1365

الناشر

الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

دیباچہ

یہ کتاب ظاہری اور باطنی علوم سے پُر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دو تقریروں کا مجموعہ ہے۔ جو آپ نے بتاریخ ۲۷ و ۲۸ دسمبر ۱۹۲۰ء جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ پر قادیان میں ارشاد فرمائیں اور نظارت تالیف و اشاعت کے اہتمام سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئیں۔ موجودہ ایڈیشن اس کا دوسرا مکمل ایڈیشن ہے۔ جسے الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ۔ ربوہ افادہ عام کے لئے شائع کر رہی ہے۔

یہ کتاب دو حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصہ (از صفحہ ۱ تا ۸۶) تزکیہ نفس سے تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسرا حصہ (۸۷ تا ۱۹۶) ملائکۃ اللہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ملائکہ یا فرشتوں پر ایمان لانا اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ ہے لیکن ملائکہ کے غیب میں داخل ہونے کی وجہ سے بہت سی تشریح و توضیح اور افہام و تفہیم کا محتاج ہے۔ اور ان کی حقیقت جس طرح قرآن شریف میں بیان ہوئی ہے۔ قرآن شریف سے پہلے کسی سابقہ آسمانی صحیفہ یا زمینی کتاب میں بیان نہیں ہوئی لیکن قرآن شریف کی ملائکہ کے متعلق تعلیم کو گذشتہ تیرہ سو سال میں کسی شخص نے بھی ایسے طور پر یکجا بیان نہیں کیا جیسے اس کتاب میں کلمۃ اللہ محمود نے بیان کر دیا ہے اور ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ تکمیل اشاعت ہدایت قرآن کا یہی زمانہ تھا اور آخری زمانہ میں رِجَالٌ مِّنْ بَنِیْ فَارِس یعنی مسیح موعود اور اس کی ذریت طیبہ کے لئے ہی ایمان کو دوبارہ آسمان سے واپس لانا مقدر تھا۔ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ

امید ہے کہ اس کتاب کا یہ ایڈیشن بھی اس سے پہلے مکمل ایڈیشن اور دوسرے ایڈیشن کی طرح بہتوں کیلئے مفید ہوگا۔ اور اسکے پڑھنے والوں کے دل پاک ہونگے اور ان کا ملائکہ سے تعلق پیدا ہوگا اور بڑھے گا۔

وَاللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ

خاکسار

(چوہدری محمد شریف سابق مبلغ بلاد عربیہ)
قائمقام انچارج تالیف و تصنیف صدر انجمن احمدیہ

اپریل ۱۹۵۶ء
ربوہ۔ پاکستان

مختصر فہرست مضامین "ملائکۃ اللہ"

(مرتبہ چوہدری محمد شریف، قائمقام انچارج تالیف وتصنیف)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تقریر اوّل (از صفحہ ۱ تا ۸۶)	
۱	تسبیح و تحمید	۱
۲	جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے بعض امور	۲
۳	موجودہ فسادوں کی خبر قرآن شریف میں	۳۱
۴	اصلاح نفس کی اقسام	۳۳
۵	ترک شر	″
۶	اعمال خیر	۴۹
۷	دوسروں کی اصلاح کا حکم	۶۰
۸	ایصال خیر کا روحانی پہلو	۶۵
	تقریر دوم (از صفحہ ۸۷ تا ۱۹۶)	
۹	تسبیح و تحمید	۸۷
۱۰	ملائکہ پر ایمان لانے کی اہمیت	۹۰
۱۱	کیا ملائکہ موجود ہیں؟	۹۵
۱۲	دیگر مذاہب میں ملائکہ کا ذکر	۹۶
۱۳	اسلام میں ملائکہ کے متعلق تعلیم	۱۰۳
۱۴	ملائکہ کی حقیقت	″
۱۵	ملائکہ کے ۱۷ کام	۱۱۷
۱۶	ملائکہ کے وجود کا ثبوت	۱۲۱
۱۷	ملائکہ کی ضرورت	۱۳۵
۱۸	ملائکہ کے وجود پر اعتراضات اور ان کے جوابات..	۱۳۹
۱۹	ملائکہ پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیا؟	۱۴۵
۲۰	ملائکہ کے فیضان کی اقسام	۱۵۰
۲۱	ملائکہ کے نزول کی حقیقت	۱۵۳
۲۲	فرشتہ افضل ہے یا انسان؟	۱۵۶
۲۳	لمۂ ملکی ترقی کرتا ہے۔	۱۶۲
۲۴	شیطان سے کیا مراد ہے؟	۱۶۷
۲۵	لمۂ ملکی اور لمۂ شیطانی کا ثبوت	۱۶۸
۲۶	لمۂ ملکی اور لمۂ شیطانی میں تمیز کرنے کا طریق۔	۱۷۰
۲۷	فرشتہ دل میں کس طرح تحریک کرتا ہے؟	۱۷۵
۲۸	شیطانی تحریک کس طرح ہوتی ہے؟	۱۷۶
۲۹	شیطانی تحریک سے بچنے کا طریق	۱۸۴
۳۰	فرشتہ کی تحریک کو بڑھانے کا طریق	۱۸۷
۳۱	ملائکہ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے دس طریق	۱۸۹
		۱۹۶

(طبع بار اول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ

ملائکۃ اللہ

Prof. Syed ... Ahmad
AKHTAR OREnVI COLLECTION
Donated by
Mrs. Shakila Akhtar, Patna

حضرت فضل عمر سیدنا خلیفۃ المسیح مرزا محمود احمد صاحب ایدہ اللہ احد

کی

وہ تقریریں جو حضور نے دسمبر ۱۹۲۰ء کے سالانہ جلسے

پر فرمائیں

Khuda Bakhsh Library
13657
Acc. No.
27/1/79

مرتبہ

منشی غلام نبی صاحب (بلانوی) ایڈیٹر الفضل

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں حافظ مظفر الدین پرنٹر نے چھاپا اور ناظر تالیف و اشاعت نے شائع کیا

(صفحہ ب بار اول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

یہ وہ پُر از معارف و حقائق تقریریں ہیں۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے دسمبر ۱۹۲۰ء کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر فرمائیں۔ حضور کی نظر ثانی کے بعد اب ان کو شائع کیا جاتا ہے۔ احباب کو چاہیئے۔کہ وہ اس بیش بہا مجموعہ کو بہت جلد خرید لیں۔کیونکہ اس دفعہ پہلے کی نسبت کم تعداد میں چھپوائی گئی ہیں اگر کسی صاحب نے تساہل سے کام لیا۔ تو ممکن ہے۔ ان کو کتاب نہ مل سکے ؎

اس مجموعہ میں ملائکۃ اللہ کے متعلق جو تقریر ہے۔ وہ معارف عجیبہ کا ایک گنجینہ اور معلومات دینیہ کا خزینہ ہے۔ جو لوگ ابھی سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل نہیں ہوئے۔ ان کو دکھا کر لایمسہ الا المطہرون کے مضمون کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے ؎

مادی دنیا سائنس کی ترقی کے خمار میں اندھی ہو کر ملائکہ کے وجود پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہی ہے۔ لیکن جو شخص مخلع بالطبع ہو کر حضور کی تقریر کو پڑھیگا اس پر نہ صرف ملائکہ کا وجود روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے گا۔ بلکہ انکی ان پر ایمان لانے کی ضرورت اور اس کے فوائد بھی اچھی طرح معلوم ہو جائیں گے ؎

اللہ تعالیٰ ہمیں اس مضمون کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ؎

آمین والسلام

خاکسار

رحیم بخش۔ ناظر تالیف و اشاعت قادیان

(ولد مولوی عبدالرحیم درد ایم۔ اے مرحوم و مغفور۔ محمود شریف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تقریر حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

جو حضور نے

سالانہ جلسہ کے موقع پر ۲۷ دسمبر ۱۹۲۰ء کو مسجد نور میں ظہر کے بعد فرمائی

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا

عبدہ و رسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝

مٰلک یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط

المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم غیر

المغضوب علیھم ولا الضآلین ۝

آمین

ان فی خلق السمٰوٰت والارض

واختلاف الیل والنھار لاٰیٰت لاولی الالباب ۝

الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علٰی جنوبھم و یتفکرون فی خلق

السمٰوٰت والارض ج ربنا ما خلقت ھذا باطلا ج سبحٰنک فقنا عذاب

النار ۝ ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ ط وما للظٰلمین من

اَنْصَارٍ ۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۔ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (پ۔ ۶ع)

حضرت مسیح موعود کے بوئے ہوئے بیج کا درخت بن گیا

سب سے پہلے تو میں اللہ تعالٰے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ جس نے اس بیج کو جسے مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دن نہایت سختی اور شدت کے زمانہ میں لوگوں کی خطرناک مخالفت کے باوجود (ایسی حالت میں کہ لوگوں کی صرف دنیاوی سامانوں پر ہی نظر تھی۔ اور خدا تعالٰے کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے) بویا تھا۔ بارآور کیا ہے۔ اور اس سے ایسا درخت پیدا کر دیا ہے۔ جو روز بروز اس کے فضل اور رحم کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ اور بڑھتا جائے گا۔ یہ خدا تعالٰے کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے۔ کہ اس نے ہمیں ناکامی کے غار سے نکال کر کامیابی کے راستہ پر چلا دیا ہے۔

آج سے تیس سال قبل جب حضرت صاحب نے دعوٰے کیا تھا۔ کون شخص تھا۔ جو خیال میں بھی لا سکتا۔ کہ اس کی ایک عظیم جماعت قائم ہو جائے گی؟ مگر خدا کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں۔ اور ہر زمانہ میں یہی ہوتا رہا ہے۔ کہ وہ پتھر جس کو معماروں نے رد کر دیا۔ خدا نے اسی کو کونہ کا پتھر قرار دیا۔ اور اسی پر عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھی۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود پر قسم قسم کے حملے کئے گئے۔ آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں

رنگا رنگ کی ایذائیں پہنچائی گئیں - مگر باوجود مخالفوں کی شرارتوں کے اور باوجود دشمنوں کی ایذا رسانیوں کے ۔ اور باوجود معاندوں کی تکلیفوں کے پھر بھی خدا نے آپ کا سلسلہ قائم کیا - اور قائم کرتا رہے گا - اس وقت تک کہ دنیا اقرار نہ کرے کہ خدا ہے - اور ایسا خدا ہے جو کمزور سے کمزور انسان سے بھی کام لیتا ہے - اور اس کے ذریعہ اپنا جلال اور قدرت دکھاتا ہے ؁

ظلمت سے بچانے پر خدا کا شکر

پھر میں اللہ تعالےٰ کا شکر تسبیح اور تحمید اس لئے کرتا ہوں - کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں اس ظلمت اور تاریکی سے بچایا - جس میں باقی دنیا مبتلا ہے کیا یہ خدا تعالےٰ کے فضلوں میں سے ایک بہت بڑا فضل نہیں ہے - کہ اس وقت جب کہ دنیا طرح طرح کی تاریکیوں میں گرفتار ہے - اور قسم قسم کی ظلمتوں میں پڑی ہوئی ہے - اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہمیں ایسی روشنی عطا کی ہے - کہ ہم پر ان ظلمتوں اور تاریکیوںؔ کا کوئی بھی اثر نہیں ہے - ذرا خیال تو کرو - کہ ایک تاریک رات میں جب کہ لوگ ٹھوکریں کھا رہے ہوں - گڑھوں میں گر رہے ہوں - ایک ایسا سورج چڑھے - جس کی روشنی صرف تمہیں ہی پہنچے اوروں کو نہ پہنچے تو اس وقت تم کس قدر خوش ہوگے ؟ اور کس قدر خدا تعالےٰ کا شکر ادا کروگے - اور خواہ تم کتنا ہی

حاشیہ ؔ لہ شکر اس پر نہیں - کہ ہمیں روشنی پہنچتی ہے - اور دوسروں کو نہیں - بلکہ اس بات پر کہ جب کہ ہر قسم کے سامان مفقود تھے - اس نے فوق العادت طور پر ہمارے لئے روشنی کا سامان مہیا کیا - ورنہ مومن کی یہی خوشی اسی میں ہوتی ہے - کہ وہ نور جو اسے پہنچے - دوسروں تک بھی پہنچ جائے اور وہ کبھی آرام نہیں کرتا - جب تک تمام بنی نوع انسان خدا تعالےٰ کی ہدایت کے سورج کے نیچے نہ آجائیں ؁

شکر کرو۔ یقیناً تم شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ مگر افسوس! بہت ہیں جن پر خدا کا ایسا ہی فضل ہوا ہے مگر انہوں نے اسکو سمجھا نہیں۔ کہ خدا نے اُنپر کتنا بڑا فضل کیا ہے۔

یہ میں نے چھوٹی سی مثال بیان کی ہے۔ کہ سخت تاریکی ہو۔ لوگ ٹھوکریں کھا رہے ہوں۔ اس وقت سورج چڑھے۔ جس کی روشنی تمہیں ہی ملے۔ اور تم بڑے آرام اور اطمینان کے ساتھ چلے جاؤ۔ تو تم کتنے خوش ہو گے؟ اور تمہارا کتنا ایمان بڑھے گا؟ یا ایک جنگ کا میدان گرم ہو۔ سینکڑوں آدمی تمہارے دائیں بائیں گر رہے اور کچلے جا رہے ہوں۔ مگر تمہارے اوپر جو گولی لگے۔ وہ پانی کی طرح بہ جائے۔ اور تمہیں اس سے ذرا بھی صدمہ نہ پہنچے۔ تو بتاؤ۔ اس وقت کس قدر شکریہ کی لہر تمہارے اندر پیدا ہو گی؟

اب بتاؤ۔ خدا نے جو فضل تم پر کیا ہے۔ کیا وہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس روحانی ظلمت اور تاریکی کے زمانہ میں خدا تعالےٰ نے ایک سورج چڑھایا۔ جس کی برکت سے تم رستہ دیکھتے اور ٹھوکروں سے بچ رہے ہو۔ لیکن کیا تم نے کبھی خیال کیا ہے۔ کہ اس خطرناک جنگ میں جس میں شیطانی فوج نے اپنی پوری طاقت سے روحانیت پر خطرناک حملہ کیا ہے۔ اور یکے بعد دیگرے جوان گر رہے ہیں۔ تم پر کوئی شیطانی گولی اثر نہیں کرتی۔ اور تم صحیح و سالم ہو۔ یہ تم پر کتنا بڑا فضل ہوا ہے؟ اس نقشہ کو اپنے دل میں جماؤ۔ اور پھر دیکھو۔ کہ خدا تعالےٰ کا شکر کس قدر تمہارے دل میں پیدا ہوتا ہے؟

یہ ہنسی نہیں۔ یہ کھیل نہیں۔ یہ معمولی بات نہیں۔ ہمیں ضرور خدا تعالےٰ کے آگے شکریہ کے طور پر جھک جانا چاہیے۔ کیوں کہ اگر اس کا فضل نہ ہوتا۔ اس کا رحم نہ ہوتا۔ اس کی بندہ نوازی نہ ہوتی۔ تو اس خطرناک جنگ میں ہمارے محفوظ رہنے کی کوئی بھی وجہ نہ تھی۔ ظاہری علم ہمارے پاس دوسروں سے زیادہ نہیں۔ مال ہمارے پاس نہیں دنیاوی عزت ہمارے پاس نہیں۔ دنیاوی سامان ہمارے پاس نہیں۔ دنیاوی طاقت ہمارے پاس نہیں۔ غرض کوئی بھی سامان ہمارے پاس نہیں

یہ محض اس کا فضل اور اس کا احسان ہی ہے۔ کہ اس نے اس خطرناک موقعہ پر ہمیں بچا لیا ہے۔ اور ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شناخت بخشی ہے۔ پس ہم اس کے لئے جس قدر بھی شکر کریں۔ کم ہے۔

مشکلات کے زمانے میں خدا تعالےٰ کا ڈھارس دینا

اس کے بعد میں اللہ تعالےٰ کا اس بات پر شکر کرتا ہوں کہ اس نے اس مشکلات اور تکالیف کے وقت جب کہ میں نے دیکھا کہ دنیا خطرناک حالات میں مبتلا ہے۔ اس وقت اس نے میرے دل کو ڈھارس دی۔ اور یقین دلایا۔ کہ اس جماعت پر وہ ضرور اپنا فضل کریگا۔

میں بالعموم اپنی رؤیا اور کشوف کا اظہار نہیں کیا کرتا۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ ماموروں کا کام ہے۔ مگر بعض اوقات احباب کا یقین بڑھانے کے لئے اور انہیں تسلی دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ اپنی رؤیا بیان کی جائے۔ اسی لئے خدا نے موجودہ حالات میں مجھے جو بشارت دی ہے وہ سناتا ہوں۔ تاکہ جس طرح خدا تعالےٰ نے اس کے ذریعہ میرا دل خوش کیا ہے۔ اسی طرح تمہارا دل بھی خوش ہو جائے۔

چند دن ہوئے میں نے ایک نظارہ دیکھا۔ جس میں مجھے بتایا گیا۔ کہ بعض لوگوں کو کچھ ابتلاء آئے ہیں۔ اس کو دیکھ کر میری طبیعت بہت گھبرائی۔ اور میں خدا تعالےٰ کے حضور جھکا۔ اور گرا۔ اور کہا۔ کہ خدا تعالےٰ ان پر رحم کرے ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے۔ اور ان کے گناہوں کو مٹا دے۔ اس دعا کے بعد جب کہ جلسہ کے دن قریب تھے۔ بلکہ آ ہی گئے تھے۔ یعنی پرسوں کی بات ہے۔ کہ میں نے دیکھا۔ میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اور ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب جو میرے ماموں ہیں۔ وہ آئے ہیں۔ میں نے ایک لمبے تجربہ کے بعد یہ بات معلوم کی ہے کہ اسماء کے ساتھ رؤیا اور کشوف کا خاص تعلق ہوتا ہے۔ اور مجھے جو خدا تعالیٰ سے قبولیت کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق میں نے دیکھا ہے

کہ ۹۸ (اٹھانوے) فیصدی انہیں کو دیکھتا ہوں - ان کا نام ہے "اسمٰعیل" جس کے معنی ہیں خدا نے سُن لی - جب میں کوئی دعا کرتا ہوں تو یہی مجھے دکھائے جاتے ہیں - ہاں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے - کہ خدا کسی ملک کے ذریعہ بتا دیتا ہے - اور کبھی خود جلوہ نمائی کرتا ہے ؛

تو میں نے دیکھا - کہ وہ آئے ہیں - اور ہشاش بشاش ہیں - اور کہتے ہیں - کہ لوگ آ رہے ہیں - اور وہ اتنے خوش معلوم ہوتے ہیں - اور آنے والوں کا ایمان اتنا ترقی یافتہ ہے - کہ انہوں نے اُن کے چہروں سے دیکھ لیا ہے - جیسا کہ قرآن کہتا ہے - کہ نور ان کے چہروں سے ٹپکتا ہے - جب انہوں نے یہ کہا - کہ لوگ آ رہے ہیں - اور ایمان اور اخلاص کے ساتھ آ رہے ہیں تو اسی وقت جوش سے میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے - کہ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ عَلٰی نھج الصلاح والعفۃ اے اللہ ان کو زیادہ کر ایمان اور اخلاص میں - پھر زیادہ کر ایمان اور اخلاص میں - اور یہ پھر آویں - مگر مٹی کے رستوں پر چل کر نہیں - بلکہ نیکی اور اخلاص اور ترقی کے راستہ پر چل کر آئیں ؛

اس کے بعد آنکھ کھُل گئی - اور اس طرح خدا تعالےٰ نے مجھے تسلی دی - تو میں یقین رکھتا ہوں - کہ خدا تعالےٰ جماعت کے کثیر حصہ کو اور ایسے کثیر حصہ کو کہ شاذ ہی کوئی رہ جائے - اور ممکن ہے - کہ کوئی بھی نہ رہے - اس خطرناک وقت میں جب کہ بڑے بڑوں کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں - محفوظ رکھے گا - اور تقویٰ اور صلاحیت پر ہی چلائے گا - گمراہی کے رستہ پر نہیں چلائیگا - انشاء اللہ ؛

اس کے بعد پیشتر اس کے کہ مضمون شروع کروں - یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالےٰ نے چاہا - تو جیسا کہ میں جلسہ پر دو مضمون بیان کیا کرتا ہوں - اسی طرح اب بھی بیان کروں گا - اور کل علمی مضمون بیان ہوگا - آج میں جماعت کی اخلاقی اور عام حالت کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں - کل دوسرا مضمون جو ۔۔۔ دوسرے دن ہی بیان کیا کرتا ہوں - اور کبھی پہلے دن بھی

بیان کیا ہے۔ بیان کروں گا۔ وہ مضمون گو علمی ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی روحانیت سے تعلق رکھتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں آج کے مضمون کو بیان کروں۔ کچھ باتیں پچھلے سال کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔

مسجد لنڈن

اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت نے جس کام میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ مسجد لنڈن کی تعمیر کا سامان ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ لنڈن عیسائیوں کے ہزاروں شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ اور اس کی شہرت مسیحیت کا مرکز ہونے کے سبب سے نہیں۔ بلکہ اس کی دنیاوی عظمت کے سبب سے ہے۔ مگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اس میں بھی شک نہیں۔ کہ لنڈن عیسائیت کا مرکز ہے۔ اور ایسا مرکز ہے۔ کہ اس کے مقابلہ میں روم بھی جو پوپ کا دارالاقامۃ ہے۔ نہیں ٹھہر سکا۔ لنڈن پراٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائیوں کا مرکز ہے۔ جو دنیا میں بہت بڑے انتظام اور سامان کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں۔ اور روم رومن کیتھولک فرقہ کا مرکز ہے۔ جن کا طرز تبلیغ بالکل جداگانہ ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایسے محو ہیں۔ کہ غیر مذاہب کی کتابیں پڑھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رومن کیتھولک فرقے کے بہت کم پادری ہیں۔ جنہوں نے اسلام پر حملے کئے ہیں۔ مگر پراٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائیوں نے اسلام پر بہت زیادہ حملے کئے ہیں۔ اور دل دکھانے والے حملے کئے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگوں کا مرکز لنڈن ہے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلام پر جارحانہ حملہ کرنے والی مسیحیت کا مرکز لنڈن ہی ہے۔ اور ہماری جماعت کو توفیق ملی ہے کہ اس مرکز میں اسلام کا نشان قائم کرنے کیلئے مسجد کی زمین خریدے۔ ایسی کمزور مالی حالت میں کہ ہماری جماعت کی ہے۔ یہ بہت شکر کا مقام ہے کہ اتنا بڑا کام کرنیکی اُسے توفیق ملی۔

پچھلے سال جلسہ ختم ہونے کے سات آٹھ ہی دن کے بعد میرے دل میں

اس مسجد کی تحریک پڑی - اور اس زور سے پڑی - کہ میں نے سمجھا - کہ ملائکہ نے ہی ڈالی ہے - میں گھر سے نماز کے لئے نکلا اور مسجد میں فوراً یہ خیال آیا - کہ لنڈن میں مسجد بنانی چاہیئے - لیکن لنڈن میں مسجد بنانے کا خیال چونکہ بہت بڑا خیال تھا اس لئے سوال پیدا ہوا کہ کس طرح بنائی جائے - اس کے لئے میں نے یہ خیال کیا - کہ چونکہ ہماری جماعت کے لوگ آگے بہت سا چندہ دیتے ہیں اور چندہ دینا ان کے لئے مشکل ہوگا - اس لئے یہی صورت ہو سکتی ہے کہ قرضہ لے لیا جائے جو باقساط ادا کر دیا جائے - پہلے مجھے پانچہزار کا خیال آیا - لیکن جب میں تحریک کرنے لگا - تو پندرہ ہزار کا خیال آیا - میں نے سمجھا یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے - اسلئے اس رقم کی تحریک کرنی چاہیئے - اس کے متعلق جب میں نے مسجد میں اُن چند آدمیوں کے سامنے جو میرے ارد گرد بیٹھے تھے ذکر کیا - تو اسی وقت بعض نے چندے لکھوانے شروع کر دئے - اور بعض نے کہا کہ ہم قرضہ نہیں دیتے یونہی چندہ دیتے ہیں - پھر جب میں اس کے متعلق مضمون لکھنے لگا - تو دل نے کہا قرضہ کیا لکھنا ہے - ممکن ہے - جماعت پر زور دیں - تو پندرہ ہزار ہی چندہ ہو جائے - اس لئے یہی تحریک ہوئی - کہ چندہ ہو قرضہ نہ ہو - لیکن جب میں مضمون لکھتے ہوئے رقم لکھنے پر پہنچا - تو پندرہ ہزار کی بجائے قلم سے تیس ہزار نِکلا - میں نے سمجھا - یہ بھی الٰہی تحریک ہوگی - مگر دل میں تعجب تھا - کہ اتنا روپیہ کہاں سے آئے گا - میں نے وہ اعلان یہاں کی جماعت کے چند لوگوں کو سُنایا - جو بالعموم تھوڑی تھوڑی تنخواہوں پر تنگی سے گذارہ کرتے ہیں - مگر اسی وقت دو تین ہزار کے درمیان رقم کا اعلان ہو گیا - پھر میں نے گھر جا کر سنایا - تو چند ہی عورتوں نے پانچ سو کے قریب رقم لکھوا دی - پھر شام کو یہاں کے سب لوگوں کو جمع کر کے تحریک کی - تو رقم نو ہزار کے قریب پہنچ گئی - اور دوسرے دن بارہ ہزار سے آگے نکل گئی - تب مجھے یقین ہو گیا - کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی تحریک ہے - اسوقت میں نے اشتہار لکھا - اور خیال آیا - کہ خدا کچھ اور قدرت دکھانا چاہتا ہے - لاہور آدمی بھیجا - اس خیال سے

کہ یہ رقم لاہور تک ہی جمع ہو جائے۔ لاہور کے احمدیوں نے کہا۔ کہ ہم قادیان والوں سے مل کر ۳۰ ہزار کی رقم پوری کر دیں گے۔ چنانچہ لاہور اور قادیان اور گورداسپور کی جماعتوں نے مل کر یہ رقم پوری کر دی۔

انہی دنوں غیر احمدی شور مچا رہے تھے۔ کہ اسلام تباہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ خلافت پر حملہ ہوا ہے۔ اور خلافت کو قائم رکھنے کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے ایک کالج میں جب ان کا چندہ ہوا۔ تو چھ سو طلباء نے دو ہزار چندہ لکھوایا مگر جب ہماری تحریک لاہور پہنچی۔ تو وہاں کے امیر نے احمدی طلباء کو کہا کہ کیا کفر و اسلام میں کوئی فرق نہیں۔ چھ سو طلباء نے دو ہزار چندہ لکھوایا ہے۔ تم ستر طلباء ہی دو ہزار پورا کر دو۔ چنانچہ انہی طلباء نے دو ہزار پورا کر دیا۔ پھر یہ عجیب بات ہے۔ کہ ان چھ سو طلباء کا چندہ تو ادا نہ ہوا۔ مگر ہمارے ستر طلباء نے دو ہزار روپیہ ادا کر دیا۔

پھر اس تحریک کو وسیع کر دیا گیا۔ تاکہ ساری جماعت اس ثواب میں شریک ہو سکے۔ اور اس طرح اس چندہ کی رقم ایک لاکھ کر دی گئی۔ جو رقم اس وقت تک وصول ہو چکی ہے۔ وہ ۹۲ ہزار ہے۔ اور وعدے ملا کر ایک لاکھ سے اوپر ہو جاتی ہے۔

یہ وہ بہت بڑا کام ہے۔ جو اس سال خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت سے کرایا ہے۔ اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے۔ تو وہ ہو کر رہتی ہے۔ رک نہیں سکتی۔ لنڈن مسجد کی جگہ خرید لی گئی ہے۔ جس میں مبلغین کے رہنے کیلئے مکان بھی ہے۔ اب انشاء اللہ مسجد تیار ہو گی۔ اور اس کا اشاعت اسلام پر بہت بڑا اثر ہو گا۔ جو جگہ خریدی گئی ہے۔ وہ بہت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اس کے ارد گرد تاجر بستے ہیں۔ جو اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ پھر مکان ہی نہیں زمین بھی لنڈن جیسے شہر میں موقع کی مل گئی ہے۔ اور سستی مل گئی ہے۔ اور اتنی سستی ہے۔ کہ لاہور جیسے شہر میں بھی اس نرخ پر ایسی باموقع اور اس نرخ پر ملنی مشکل ہے۔

امریکہ میں احمدیہ مشن

دوسری چیز جو اس سال قائم ہوئی۔ وہ امریکہ کا مشن ہے۔ اسی جگہ میں نے گذشتہ جلسہ پر اعلان کیا تھا کہ بیرونی ممالک میں تبلیغی مشن قائم کئے جائیں گے۔ چنانچہ اس سے تھوڑے ہی دن بعد مفتی صاحب امریکہ روانہ ہو گئے۔ مگر امریکہ کی سلطنت نے انہیں ملک میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اور وہ لوگ جو ہماری ہر بات کی مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بہت اچھا ہوا۔ ان کے آدمی کو امریکہ نے روک دیا۔ حالانکہ امریکن گورنمنٹ کو یہ اعتراض نہیں تھا۔ کہ مفتی صاحب احمدی ہیں۔ اس لئے داخل نہ ہوں۔ بلکہ وہ کہتی تھی کہ مفتی صاحب چونکہ اسلام کا ایک ایسا مسئلہ مانتے ہیں جسے ہم پسند نہیں کرتے۔ اس لئے داخل نہ ہوں۔ مگر مسلمان کہلانے والوں نے اس موقع پر یہودیوں والی بات کی۔ کہ ہمارے مقابلہ میں کفار سے دوستی ظاہر کی۔ اور خوش ہوئے۔ کہ انہوں نے ایک اسلامی مسئلہ کی بنا پر ہمارے مبلغ کو روک دیا۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے۔ کہ خدا چاہتا تھا۔ کہ ان کا ہم پر کسی قسم کا احسان نہ ہو۔ کیونکہ ممکن تھا۔ کہ اگر وہ ہمارے ساتھ مل کر امریکہ کے خلاف آواز اٹھاتے۔ اور اس کے بعد مفتی صاحب کو داخل ہونے کی اجازت مل جاتی۔ تو وہ کہتے کہ ہماری وجہ سے ہی ایسا ہوا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ نے انکو ہمارے مقابلہ میں کھڑا کر کے ہمیں اُنکے احسان کا بار اٹھانے سے باز رکھا۔ انہیں دنوں میں سیالکوٹ گیا۔ جہاں میرا لیکچر ہوا۔ اس میں میں نے کہا کہ امریکہ نے ہمارا مقابلہ کیا ہے۔ اور یہ خدا کی حکومت ہے۔ اس مقابلہ میں امریکہ کو ضرور نیچا دیکھنا پڑیگا۔ چنانچہ مفتی صاحب امریکہ داخل ہو گئے۔ اور لطیفہ یہ ہے۔ کہ اب انہیں بعض ایسی قانونی گنجائشیں مل گئی ہیں۔ کہ انہوں نے لکھا ہے اگر اجازت ہو تو میں دوسرا نکاح کر لوں

اس ملک کے متعلق میں نے گذشتہ سے پیوستہ جلسہ پر بیان کیا تھا۔ کہ میں نے رؤیا میں دیکھا۔ کہ حضرت مسیح موعود کہیں سے دوڑے دوڑے آتے ہیں۔ میں نے کہا۔ حضور اندر آئیں۔ فرمایا۔ خدا نے مجھے حکم دیا تھا۔ کہ میں امریکہ جاؤں۔ میں پانچسال امریکہ رہ آیا ہوں۔ میں نے کہا۔ حضور! اب کچھ عرصہ گھر پر ٹھہریں۔ فرمایا نہیں

میں نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے۔ کہ پانچ سال بخارے جاکر رہوں۔ چنانچہ آپ چلے گئے ::

امریکہ کے بعد ہمارا قدم کدھر اُٹھے گا!

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امریکہ کے بعد اب دوسرا قدم ہمارا بخارا کی طرف اُٹھنا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس رؤیاء کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام ملا ہے جو بخارا کے متعلق ہے۔ دو رؤیاء ہیں۔ ایک میں یہ ہے۔ کہ زار روس کا سونٹا حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ بخارا زار روس کا علاقہ تھا۔ اس رؤیاء کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا۔ کہ زار سے اس کا یہ سونٹا چھین لیا گیا۔ اب دوسرا حصہ باقی ہے۔ کہ وہ ہمیں ملے۔ سونٹا کی تعبیر بادشاہت ہے۔ وہ تو زار سے چھن چکی ہے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ زار قتل کر دیا گیا۔ اب حضرت صاحبؑ کو ملنا باقی ہے ::

دوسری رؤیاء یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا :-

"خوارزم بادشاہ جو بُوعلی سینا کے وقت میں تھا۔ اس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے بُوعلی سینا بھی پاس ہی کھڑا ہے۔ اور اس تیر کمان سے میں نے ایک شیر کو بھی شکار کیا ہے" ::

شیر مارنے کی تعبیر بادشاہت فتح کرنا ہے۔ اور جیسا کہ میں ابھی بتا چکا ہوں۔ بخارا کی پہلی بادشاہت تو ٹوٹ چکی ہے۔ اب ہمیں ملنا باقی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے رؤیاء میں شیر کا شکار کیا ہے۔ جس کی تعبیر یہ ہے۔ کہ سلطنت فتح کی گئی ہے۔ اور ہمارا تیر کمان تو دعائیں ہی ہیں۔ انہیں کے ذریعہ ہم فتح کریں گے ::

کہتے ہیں۔ ایک امیر تھا۔ اس کے محلہ میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ اس امیر کے ہاں ساری رات گانا بجانا ہوتا رہتا۔ جس سے محلہ والے بہت تنگ آگئے۔ لیکن چونکہ وہ بڑا آدمی تھا اور بادشاہ سے اس کا تعلق تھا۔ اس لئے کوئی اسے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ ایک دن اس بزرگ نے اسے کہا۔ کہ آپ ساری رات گاتے بجاتے رہتے ہیں۔ کسی وقت بند بھی کیا کرو۔ کہ ہمیں آرام ملے۔ اس نے کہا۔ تُو کون ہے مجھے کہنے والا؟ اس بزرگ نے کہا۔ میں تو کوئی نہیں۔ سارے محلہ والے کہتے ہیں۔ جو کہ بہت تنگ آگئے ہیں۔ اس

نے کہا۔ میں نہیں رُک سکتا۔ بزرگ نے کہا۔ اگر تم نہیں رُکتے تو پھر ہم جبراً روکینگے اس نے کہا۔ میں بادشاہ کی فوج لے آؤں گا۔ پھر کون ہے جو میرا مقابلہ کر سکے؟ بزرگ نے کہا۔ ہم فوج کا بھی مقابلہ کرینگے۔ اس نے کہا کس طرح؟ بزرگ نے کہا سہام اللیل کے ذریعہ یعنی رات کے تیروں کیساتھ اسباب کا اس پر ایسا اثر ہوا۔ کہ اس نے کہا۔ کہ میں آئندہ آپکو تکلیف نہیں دُونگا۔ آپ معاف کریں۔

تورات کے تیروں اور تلواروں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بھی کفار کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ ہم تلوار سے مقابلہ کریں گے۔ اس کے پاس چونکہ تلوار نہیں۔ اس لئے ہمارے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکے گا۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے۔ کہ وہ تلوار جو رات کو چلائی جاتی ہے وہ ایسی ہے کہ اسکے حملہ سے کوئی بچ نہیں سکتا کیونکہ اسی حملہ سے بچاؤ ہو سکتا ہے جو نظر آتا ہے جو نظر نہ آئے۔ اس سے بچنا ناممکن ہوتا ہے۔

سو ہمارے پاس دعا کا تیر کمان ہے۔ اور اسی کو ہم چلائیں گے۔ اور امید ہے کہ خدا تعالےٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رؤیا کا بقیہ حصّہ بھی پُورا کر دے گا۔ اور ہمارے ہاتھ میں زار روس کا سوٹا دے دیگا۔ لیکن چونکہ رؤیاء کے پورا کرنے کیلئے کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے میں دوستوں کو کہوں گا۔ کہ وہ اپنی دعاؤں میں اس بات کو بھی یاد رکھیں۔ کہ خدا تعالےٰ اس کشف کو پورا کرے۔ تاکہ زار٭ روس کا سوٹا ہمارے ہاتھ میں آجائے۔

حاشیہ٭ اس جگہ کسی کو یہ وہم نہ گزرے کہ زار روس تو ایک ظالم بادشاہ تھا اس کا سوٹا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو خدا تعالیٰ کے فرستادہ تھے کیونکر مل سکتا ہے؟ کیونکہ کسی کی حکومت کسی کو ملنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اسکی حکومت بھی اسی قسم کی ہوگی۔ بلکہ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کی قدیم سے سنت ہے اور جیسا کہ وہ صاف طور پر قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ وہ اسی وقت کسی انعام کو واپس لیتا ہے جب کہ وہ حق کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور خراب ہو جاتے ہیں۔ پس زار روس سے حکومت لینے کی وجہ بھی یہ ہے کہ وہ اس ذمہ داری کے ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد تھی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس عصا کے ملنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اب اس ذمہ داری کے اٹھانے کی اہل صرف آپکی جماعت ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ روس کے باشندوں کے احمدی مسلمان ہونے کے بعد وہاں ایک ایسا امن کا دورہ چلیگا کہ باقی دنیا اسکو دیکھ کر رشک کریگی اور وہ حکومت امن و انصاف کی حرز اور محافظ ہوگی۔ انشاء اللہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس سال تبلیغ میں کمی رہی

یہ باتیں جو میں نے آپ لوگوں کو خوشی کی سُنائی ہیں ان کے ساتھ ہی ایک رنج کی بات بھی سناتا ہوں۔ جو میرے لئے بہت ہی تکلیف کا موجب ہوئی ہے۔ آپ لوگوں نے اس سال بہت مال دیئے اور اس قدر دیئے۔ کہ مخالف اخبار نویس حیران ہو گئے۔ اور لکھا کہ نئے سلسلوں کا یہی حال ہوتا ہے جماعت احمدیہ چونکہ نیا سلسلہ ہے اس لئے اس وقت اس میں بھی وہی جوش ہے۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمانوں میں تھا۔ سو الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے دشمن سے بھی اقرار کرا دیا ہے۔ کہ تم لوگوں کا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہی تعلق ہے اور تمہاری نظیر مخالفوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ہی ملتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ تم سے ایک کوتاہی بھی ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی وجوہ ہیں۔ اور چونکہ مسجد کی تحریک کی گئی تھی۔ جو بہت بڑا کام تھا۔ علماء اس کے لئے چندہ جمع کرتے رہے ہیں۔ اور آپ لوگ بھی اس کام میں مشغول رہے ہیں۔ مگر جو شخص سر کو ڈھانکنے کے لئے ستر کی جگہ کو ننگا کر دیتا ہے کون ہے جو اسے کہے کہ غلطی نہیں کر رہا؟ روپیہ دین کی خدمت کے لئے دینا بیشک اچھی بات ہے۔ مگر میں افسوس سے کہوں گا۔ کہ اس کی وجہ سے اس سال تبلیغ میں بہت کمی آ گئی ہے۔ اور پہلے کی نسبت نمایاں فرق پڑ گیا ہے۔ ہر سال پہلے سالوں کی نسبت زیادہ آدمی سلسلہ میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ مگر اس سال صرف بارہ سَو عورتیں اور بچے علیحدہ کر کے داخل ہوئے ہیں۔ اگر عورتوں اور بچوں کو بھی ملا لیا جائے۔ تو چار ہزار کے قریب بن جاتے ہیں۔ لیکن اس طرح پہلے سالوں میں دس ہزار کے قریب تعداد بنتی ہے۔

یہ تم پر قرض ہو گیا ہے۔ اور میں اس کے متعلق تحریک کروں گا۔ کہ مقروض کی طرح تم اس قرض کی ادائگی کی فکر کرو۔ اور اس وقت تک چین نہ لو۔ جب تک اسے ادا نہ کر لو۔

جماعتوں کے امیر

اس کے بعد میں انتظام سلسلہ کے متعلق ایک تحریک کرنی چاہتا ہوں۔ جب میں نے نظارتوں کے قیام کے متعلق رسالہ لکھا تھا تو اس میں بیان کیا تھا۔ کہ ہر جگہ کی جماعتوں کے انتظام کے لئے امیر مقرر

ہونے چاہئیں۔ جس طرح رسول کریمؐ کے زمانہ یا خلفاء کے زمانہ میں ہر ضلع اور ہر شہر میں امیر ہوتے تھے۔ اور احمدی ان سے اپنے معاملات میں مشورہ لیں۔ تاکہ انتظام پراگندہ نہ ہو۔ اس وقت میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ مشورہ دیا تھا۔ اس سال اس کا دو جگہ تجربہ کیا گیا ہے۔ ایک لاہور میں اور دوسرے فیروزپور میں۔ لاہور کی جماعت اخلاص میں بہت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اور تھی۔ مگر انفرادی طور پر وہاں کے لوگوں میں بہت اختلاف تھا۔ اس انتظام سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ خوش ہیں۔ اور ان کے معاملات آسانی اور سہولت سے طے ہوتے ہیں۔ فیروزپور کی جماعت کا انتظام بہت اعلیٰ ہو گیا ہے۔

غرض تجربہ سے یہ طریق بہت اعلیٰ ثابت ہوا ہے اور گو میں اب بھی اس کے متعلق حکم نہیں دیتا۔ مگر یہ بتاتا ہوں۔ کہ شریعت نے اس بات کو پسند کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ انتظام بہت اعلیٰ درجہ کا چلتا ہے۔ پس جو جماعتیں چاہتی ہیں۔ کہ ان کے امیر مقرر کر دیئے جائیں۔ وہ یہاں سے لکھیں۔ کہ وہ اپنے میں سے کس کو اپنا امیر بنانا پسند کرتی ہیں تاکہ ہم انہی میں سے ان کے امیر مقرر کر دیں۔

اخبارات سلسلہ

اس کے بعد میں جماعت کے اخبار اور رسالجات کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ پچھلے سال میں نے ان کے متعلق تحریک کی تھی۔ کہ احباب انہیں خریدیں۔ اس کے ماتحت توجہ کی گئی ہے۔ الفضل اور ریویو کی طرف۔ اور تشحیذ کی طرف بھی کسی قدر توجہ ہوئی ہے۔ مگر ان کو چھوڑ کر اوروں کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ الحکم۔ نور اور فاروق کے خریدار بہت کم ہیں۔ اگرچہ میں ان کے کارکنوں کو بھی کہوں گا۔ کہ ان کی اصلاح کریں۔ اور زیادہ مفید بنائیں۔ مگر تم لوگوں کو بھی کہتا ہوں۔ کہ ان کی خریداری کی طرف توجہ کرو۔

الحکم میں ایک خصوصیت رہی ہے۔ اب اگرچہ اس کا ایڈیٹر بدل گیا ہے۔ لیکن پھر بھی کسی حد تک پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ تاریخ سلسلہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور جماعت میں روح پھونکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس معاملہ میں الفضل بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ اور اور

بھی کوئی نہیں۔ علمی حیثیت سے اس میں پہلی بات نہیں رہی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایڈیٹر ناتجربہ کار اور نوآموز ہے۔ مگر میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اسے اس لحاظ سے بھی کام کرنے کی توفیق دے۔

پھر نور ہے اس کے مضامین مفید ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منشاء تھا۔ کہ سکھوں کو تبلیغ کریں۔ چنانچہ آپ نے ان کے متعلق کتاب "ست بچن" لکھی تھی۔ اس اخبار نے یہ کام کیا ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ ہزاروں سکھ اسلام میں داخل ہوجائیں مگر اس اخبار کی اشاعت کم ہے۔ اور بہت کم ہے۔ میں نے گزشتہ سال کچھ پرچے جاری کرائے تھے۔ اور جن کے نام جاری تھے۔ انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کے متعلق کئی خطوط آئے۔ پچھلے دنوں جب ایڈیٹر صاحب نور ایک سفر پر گئے۔ تو ایک سکھ صاحب نے ان کی معرفت مجھے نذر بھیجی۔ جو اس امر کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ ان کا دل اس اخبار کے ذریعہ سلسلہ کی طرف مائل ہورہا ہے۔

پس ہماری جماعت کو چاہیئے۔ کہ اس کی طرف بھی توجہ کرے۔ مجھے بہت افسوس کے ساتھ معلوم ہوا ہے۔ کہ اس کے کل خریدار ۳۵۰ ہیں۔ اس اشاعت میں پہلے بھی کوئی اخبار نہیں چل سکتا تھا۔ اور اب تو پہلے کی نسبت بہت گرانی ہوگئی ہے۔ اب چلنا بالکل محال ہے۔

پھر میں فاروق کی خریداری کے لئے بھی تحریک کرتا ہوں۔ مگر اخبار والوں کو بھی کہتا ہوں۔ کہ اپنا اپنا حلقہ محدود کرلیں۔ اب تک انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور ایک ہی قسم کی باتیں لکھتے رہتے ہیں۔ اس لئے لوگ کہتے ہیں۔ کہ جب ایک اخبار خرید لیا تو پھر کسی اور کی کیا ضرورت ہے؟ انہیں اپنے اپنے حلقے تقسیم کرلینے چاہئیں تاکہ لوگ سب کو خریدیں۔

کتب اور کتب فروش

رسالوں اور ٹریکٹوں کے متعلق میں یہ کہتا ہوں۔ کہ چونکہ تبلیغ کے لئے لٹریچر کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے جن دوستوں کو خدا تعالےٰ نے علم دیا ہے۔ وہ تبلیغی رسالے لکھیں اور شائع کریں مگر پچھلے دنوں سے یہاں کے کتب فروشوں میں ایک بیہودہ رُوح تاجرانہ طرز

کی نمودار ہوگئی ہے وہ یونہی اور بیہودہ اور فضول رسالے چھاپ دیتے ہیں - پھر ایک دوسرے کی نقل کر کے ایک ہی کتاب یا رسالہ شائع کرتے ہیں - اس قسم کی ایک دوسرے کے خلاف شکایت میرے پاس پہنچی ہے - انہوں نے اپنی اپنی بریت کی ہے - لیکن میرے نزدیک ان کا جرم ثابت ہے - آئندہ انہیں اپنی اصلاح کر لینی چاہیئے - ورنہ اعلان کر دیا جائے گا - کہ ایسے نقال کتب فروشوں کی کتابیں نہ خریدی جائیں - مگر جہاں ایک دوسرے کی نقل ہوتی ہے - وہاں بعض مفید رسالے بھی نکلتے ہیں - اس لئے اُن کی مدد کرنی چاہیئے - مگر اسی حد تک کہ تاجرانہ حیثیت سے وہ کام کرتے ہیں - جماعت کے لحاظ سے نہیں ٭

مفید ٹریکٹوں اور رسالوں سے بہت فائدہ پہنچتا ہے - ہمارے سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب اس قسم کے مفید ٹریکٹ شائع کرتے رہتے ہیں - جن کے ذریعہ کئی ممالک میں تبلیغ ہو رہی ہے - اور فائدہ بھی ہوا ہے - ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا - افریقہ کا ایک خط انہوں نے بھجوایا تھا - جس نے اُن کے ذریعہ بیعت کی ہے ٭

ہمارے خلاف شورش

اس کے بعد میں اس شورش اور غصہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو پچھلے دنوں سے ہمارے خلاف پھیلا ہوا ہے - ہم آدمی ہیں اور آدمیوں میں رہتے ہیں - اور آدمیوں میں ہی رہیں گے - اس لئے ممکن نہیں کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ان معاملات اور حالات سے علیحدہ رہ سکیں - جو دوسروں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں - بعض لوگ اس قسم کے معاملات کے متعلق کہہ دیتے ہیں - کہ ہمیں اُن سے کیا؟ مگر میں کہتا ہوں - کہ یہ ٹھیک نہیں - ہمیں ان معاملات سے تعلق ہے اور جب تک ہم انسان ہیں - اس وقت تک ان باتوں سے علیحدہ نہیں رہ سکتے - جو ہمارے ملک میں ہو رہی ہیں - اگر ملک میں لڑائیاں ہوں گی - تو ان کا اثر ہم پر پڑے گا - اگر بدامنی ہوگی - تو اس کا اثر ہم پر پڑے گا - اگر جہالت ہوگی - تو اس کا بھی اثر ہم پر پڑیگا اور اگر روشنی ہوگی - تو اس کا بھی اثر ہم پر پڑے گا - اس لئے ضروری ہے - کہ ہم ایسے طور پر رہیں - کہ دشمن کا گندہ اثر ہم پر نہ پڑ سکے ٭

ہم گورنمنٹ کی وفاداری کیوں کرتے ہیں؟

پچھلے دنوں سیاست کا بڑا شور

برپا رہا ہے۔ اور لوگ ہمارے خلاف بڑے بڑے منصوبے باندھتے رہتے ہیں۔ حتےٰ کہ دیسی حکام بھی جو ظاہر میں جاکر گورنمنٹ کے حامی ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ گھر میں آکر ہمیں گالیاں دیتے اور طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے ہیں۔ کہ ہم کیوں گورنمنٹ کے وفادار ہیں؟ ہر محکمہ میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو گورنمنٹ سے تنخواہیں پاتے ہیں اور گورنمنٹ کی وفاداری کے دعویدار ہیں۔ مگر ہماری جماعت سے اس لئے دشمنی کرتے ہیں۔ کہ ہم کیوں گورنمنٹ کی وفاداری کرتے ہیں۔ ایسے لوگ محکمہ پولیس میں بھی ہیں۔ مجسٹریٹ بھی ہیں۔ پروفیسر بھی ہیں۔ اور دیگر صیغوں میں بھی ہیں۔ جو ہمارے متعلق شکائتیں کرتے رہتے ہیں۔ کہ اصل میں یہی جماعت گورنمنٹ کی بدخواہ ہے۔ وہ یہ حرکت اس لئے کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہمارے خلاف کوئی ناروا کارروائی کرے۔ اور ہم اس وجہ سے گورنمنٹ سے بددل ہوکر ان کے ساتھ مل جائیں۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہم گورنمنٹ کی وفاداری اس لئے نہیں کرتے۔ کہ ہمیں کوئی خاص رعائتیں حاصل ہیں۔ یا ہم کوئی خاص فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں بلکہ ہم تو اس لئے کرتے ہیں۔ کہ خدا کی طرف سے ہمیں یہی حکم ہے۔

پس ہم گورنمنٹ کی وفاداری کسی فائدہ کی غرض سے نہیں کرتے۔ اور نہ کسی رعایت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور نہ ہم اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔ ہم تو اس لئے اس کی وفاداری کرتے ہیں۔ کہ اگر ہم ایسا نہ کریں گے۔ تو خدا تعالےٰ ہم سے ناراض ہوگا۔ کیونکہ خدا نے حکام کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ورنہ اگر یہ نہ ہوتا۔ اور ہمیں خدا کی ناراضگی کا ڈر نہ ہوتا۔ تو ہم بھی سیاست کے معاملات میں وہ راہ اختیار کرلیتے جسے خود گورنمنٹ بھی جائز قرار دیتی ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ گورنمنٹ ہمیں کیا دے رہی ہے۔ اور کیا دے سکتی ہے؟ جب کبھی ہماری جماعت کو کسی جگہ تکلیف پہنچی ہے۔ اور ہم نے گورنمنٹ کے آفیسروں کو توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے یہی کہہ دیا ہے۔ کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ تو گورنمنٹ ہمیں کیا دے رہی ہے؟ کہ اس کی وجہ سے ہم اس کے وفادار ہیں۔ دراصل ہمارا گورنمنٹ پر احسان ہے۔ اس کا ہم پر کوئی احسان نہیں جس میں اور لوگ حصہ دار نہیں ہیں۔ اگر ہم ریل ڈاک تار وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تو کیا مسٹر گاندھی ان سے فائدہ نہیں اُٹھا رہے؟

اگر ہم گورنمنٹ کے قائم کردہ سکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ تو کیا اور لوگ نہیں پڑھتے؟ تار۔ ڈاک۔ ریل وغیرہ چیزوں سے فائدہ تو خونی اور بمب مارنے والے بھی اٹھا رہے ہیں۔ پھر ہم پر گورنمنٹ کا کونسا خاص احسان ہے کہ ہم اس کی خوشامد کریں؟ کوئی بھی نہیں۔ پیر، دنیا کی کوئی حکومت نہیں جو ہمارا سر اپنی طاقت اور قوت کے زور سے اپنے آگے جھکا سکے۔ مومن کا سر کسی دنیاوی طاقت کے آگے کبھی نہیں جھک سکتا۔ اگر جھکتا ہے تو خدا تعالےٰ کے حکم کے آگے ہی جھکتا ہے چونکہ ہمیں خدا تعالےٰ کا حکم ہے۔ کہ جس حکومت میں رہیں۔ اس میں امن قائم رکھیں۔ اور فتنہ نہ پھیلائیں۔ اس لئے ہم گورنمنٹ کی وفاداری کرتے ہیں۔ نہ کہ گورنمنٹ سے کوئی فائدہ اور نفع حاصل کرنے کی غرض سے۔ اگر ہمیں گورنمنٹ دکھ بھی دے گی۔ تو پھر بھی ہم وفاداری ہی کریں گے۔ اور جب تک اس کے علاقہ میں رہیں گے۔ فتنہ وفساد کی طرف قدم نہ اُٹھائیں گے۔ خواہ وہ ہم پر ظلم ہی کیوں نہ کرے اور ہمیں دُکھ ہی کیوں نہ دے۔ اگر ایسی حالت ہو جائے۔ کہ ہمارا اس کے علاقہ میں رہنا مشکل ہو جائے تو بھی ہم ملک میں فساد نہیں کریں گے۔ بلکہ اس کے ملک کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلے جائیں گے۔ پس ہم خوشامدی نہیں۔ وہ لوگ جو ہم پر الزام لگاتے ہیں اور خود بہادر بننے کا دعوے کرتے ہیں۔ ہم ان سے زیادہ جری ہیں۔ اور ہم نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے۔ کہ جہاں ہمیں دین کے معاملہ میں جانوں اور مالوں کا خطرہ پیش آیا ہے وہاں ہم نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ وہ لوگ جو ہمیں ڈرپوک کہتے ہیں۔ خود ذرا ذرا سی بات پر ڈرتے ہیں۔ لیکن ہمارے آدمیوں کو کابل میں اپنی جانیں دینی پڑیں۔ اور انہوں نے ذرا دریغ نہ کیا۔ ابھی ہندوستان میں ہمارے لوگوں کو مارا پیٹا جاتا ہے۔ ان کی جائدادیں چھینی جاتی ہیں۔ مگر انہوں نے دین کے لئے کسی بات کی پرواہ نہیں کی +

غرض ہم نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ ہم ڈرنے والے نہیں۔ ہم کسی سے خوف کھانے والے نہیں۔ ہم پر کسی کی طاقت اور قوت کا کوئی رعب نہیں۔ پھر ہم پر خوشامدی ہونے کا الزام کس منہ سے لگایا جاتا ہے؟

ہم گورنمنٹ کی مخالفت میں کیوں شریک نہیں ہوتے؟

وہ کیا وجہ ہے۔ جس کی وجہ سے

ہم گورنمنٹ کے خلاف فتنہ و فساد سے الگ رہتے ہیں؟ اور کیوں گورنمنٹ کی وفاداری کرتے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ ہمارے امام نے ہاں اُس امام نے جس نے ہمیں ظلمت و تاریکی سے نکالا۔ اس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے۔ کہ یہ حکومت جس نے اس ملک میں انتظام کر رکھا ہے۔ اس کی اطاعت کرو۔ اس میں انگریزوں کی شرط نہیں۔ بلکہ شرط یہ ہے۔ کہ جس ملک میں رہو۔ اسی ملک کی گورنمنٹ کی اطاعت کرو۔ پس اگر ہم کابل میں رہیں گے تو اسی کی اطاعت کریں گے اور اگر جرمنی میں رہیں گے۔ تو اسی کی اطاعت کرینگے اور اگر فرانس میں رہیں گے۔ تو اسی کی اطاعت کریں گے۔ جہاں جہاں ہماری جماعت ہوگی۔ وہاں جو بھی سلطنت ہوگی۔ اس کی اطاعت کرے گی۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ کہ اگر دنیا مان لے تو تمام دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ اور کوئی جنگ اور لڑائی نہیں اُٹھ سکتی۔

دیکھو جرمنی نے محض اس خیال سے جنگ شروع کی۔ کہ اس نے سمجھا کہ انگریزوں کے ممالک میں بغاوت ہو جائے گی۔ ورنہ اگر اسے یہ یقین ہوتا۔ کہ انگریزوں کی ساری رعایا لڑ کر مر جائے گی۔ مگر اپنی حکومت سے بغاوت نہ کرے گی۔ تو وہ کبھی جنگ نہ کرتا۔ پس جس ملک کے متعلق دشمن کو یہ یقین ہو کہ وہاں کا ہر فرد اپنی گورنمنٹ کا وفادار رہے گا۔ لڑ کر مر جائے گا مگر ہتھیار نہ ڈالے گا۔ وہاں کبھی حملہ کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ ایک گورنمنٹ دوسری گورنمنٹ پر تبھی چڑھائی کرتی ہے۔ جب وہ جانتی ہے۔ کہ اس کے افراد میں وفاداری نہیں رہے گی۔ یہ لالچ اس کو خراب کرتا اور حملہ کرنے کی جرأت دلاتا ہے۔

یہ تعلیم جو حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کو دی ہے۔ کہ جس سلطنت میں کوئی ہو۔ اس کی وفاداری کرے۔ اگر دنیا اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ تو آج امن قائم ہو جائے۔ اور تمام فساد دُور ہو جائیں۔

پھر ہم گورنمنٹ کی اس لئے وفاداری کرتے ہیں۔ کہ ہمیں ایک بہت عظیم الشان کام درپیش ہے۔ اور اسے سرانجام دینے کے لئے امن کی ضرورت ہے۔ دوسروں کو تو

یہ فکر ہے کہ فلاں ملک کسی طرح مل جائے۔ مگر ہمیں یہ خیال ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت آجائے۔ اور جس شخص کے سامنے کوئی بہت بڑا مقصد ہوتا ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا کرتا۔ اور جس شخص نے ایک لمبے سفر پر جانا ہو۔ وہ تھوڑے سے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ مثلاً کسی کا ایک روپیہ گر پڑے۔ اور اسے ریل پر جانا ہو۔ جو آگئی ہو۔ تو کیا وہ روپیہ کی تلاش میں بیٹھ جائے گا؟ اور ریل پر نہیں جائے گا؟ نہیں وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اور اگر بیٹھے گا۔ تو بے وقوف کہلائے گا۔ پس ہمارا کام چونکہ بہت بڑا ہے۔ اس لئے ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ دوسروں کو تو یہ خیال ہے۔ کہ ترکوں کی بادشاہت جا رہی ہے۔ اس کو قائم کریں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ خدا کی بادشاہت سے لوگ نکل رہے ہیں۔ ہم اس کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تو کھلونے کے جانے پر غم و غصہ کا اظہار کر رہے ہیں۔ مگر ہم حقیقت کے جانے پر متفکر ہو رہے ہیں۔ اگر ان میں اسلام کی سچی تڑپ تھی۔ اور اسلام سے فی الواقع انہیں محبت تھی تو جب اسلام مٹ رہا تھا۔ اس وقت وہ کہاں تھے؟ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتابوں میں بار بار لکھا۔ کہ مسلمانو! کچھ ہوش کرو۔ لاکھوں مسلمان عیسائی ہو کر محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے رہے ہیں۔ کوئی فکر کرو۔ مگر انہیں اس وقت قطعاً غصہ نہ آیا۔ اور ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اب کہتے ہیں۔ کہ اسلام کے مٹنے پر ہم ناراض ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اسلام کے مٹنے پر ناراض نہیں ہو رہے۔ بلکہ ترکوں کے مٹنے پر ناراض ہو رہے ہیں۔

پھر دیکھو وہ کہتے ہیں۔ خلافت کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور گائے کا کھانا چھوٹا اس لئے ہم گائے کا ذبح کرنا ترک کر دیتے ہیں۔ تاکہ ہندو ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کی مدد سے خلافت مل جائے۔ ہم کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک چونکہ خدا کی بادشاہت بڑی ہے۔ اور دوسرے جھگڑے چھوٹے۔ اس لئے ہم انگریزوں سے صلح رکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ امن میں ہم خدا کی بادشاہت کو قائم کر سکیں۔ پس انہوں نے نام نہاد خلافت کے لئے ہندوؤں سے صلح کر لی ہے۔ اور ہم نے خدا کی بادشاہت

گے لئے انگریزوں سے صلح کر لی - وہ عراق عرب لینے کے لئے ہندوؤں سے صلح کرتے ہیں - اور خیال کرتے ہیں - کہ ان کے ساتھ ملا کر انگریزوں کو ان علاقوں سے نکال دیں گے - لیکن ہم کہتے ہیں - ہندو اگر اتنے ہی بڑے بہادر تھے - تو انہوں نے ہندوستان کیوں دوسروں کے حوالہ کر دیا تھا - بہر حال کہا جاتا ہے - کہ ہندوؤں سے اس لئے ہم صلح کرتے ہیں - کہ عراق - عرب اور شام خالی کرا لیا جائے - ہم کہتے ہیں چونکہ ہم نے ساری دنیا کو لینا ہے - اس لئے ہم ساری دنیا سے صلح کرتے ہیں کیونکہ ہم خدا کا نام بلند کرنے کے لئے مختلف ممالک میں تبھی جا سکتے ہیں - جب کہ امن قائم ہو اور جہاں امن نہ ہو - وہاں ہم نہیں جا سکتے - پس اس بڑے مدعا کو حاصل کرنے کے لئے ہم ہر قوم سے صلح کرنا چاہتے ہیں - اور صلح کرتے رہیں گے - جب تک کہ ہمارا مدعا پورا نہ ہو جائے - اور خدا کی حکومت قائم نہ ہو جائے - اور جب خدا کی حکومت قائم ہو جائے گی - تب پھر کسی جنگ کی ضرورت ہی نہ رہے گی ؛

موجودہ فسادوں کی خبر قرآن میں

پھر ہم اس لئے صلح کرتے ہیں - کہ امن کے قیام کیلئے ہمیں پہلے سے خبر دی گئی ہے - اور آج نہیں - بلکہ آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم میں اس زمانہ کے فسادوں کا ذکر کیا گیا ہے - اس لئے اس موقع پر ہم وہی کام کرتے ہیں - جو خدا نے بتایا ہے - کہ ہمیں کرنا چاہیئے - خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝

اے مسلم تو کہہ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں پناہ مانگتا ہوں اس سے جو آقا ہے تمام لوگوں کا - مَلِكِ النَّاسِ جو بادشاہ ہے تمام لوگوں کا - اِلٰهِ النَّاسِ جو معبود ہے لوگوں کا ؛

ان آیات میں خدا تعالےٰ کی تین صفات کا ذکر ہے - اور کہا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ پناہ مانگو - یعنی یہ کہو - کہ اے خدا جو رب ہے لوگوں کا - ہم تیری پناہ مانگتے

ہیں - اے خدا جو بادشاہ ہے سب کا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں - اے خدا جو معبود ہے سب کا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں - اور یہ ظاہر بات ہے - کہ جس چیز کی طرف نسبت دیکر پناہ مانگی جاتی ہے - دراصل اسی چیز سے پناہ پانا مقصود ہوتا ہے - مثلاً جب ہم کہتے ہیں - اے کُتّے والے ہمیں بچا - تو معلوم ہوتا ہے - کہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کُتّے سے بچا - یا اگر کسی ایسی جگہ جاتے ہیں - جہاں کسی نے شیر پالا ہو - اور کہیں کہ اے شیر والے دوڑیو - تو معلوم ہوگا - کہ شیر سے بچنے کیلئے کہہ رہے ہیں - اب جب ہم ربّ - ملک اور اِلٰہ کو پناہ مانگتے ہیں - تو معلوم ہوا - کہ ان صفات کا جن چیزوں سے تعلق ہے - ان سے پناہ چاہتے ہیں - پس جب ہم یہ کہتے ہیں - کہ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تو معلوم ہوا - کہ صفت ربّ کے متعلق کوئی تکلیف ہے - اس سے پناہ مانگتے ہیں - اسی طرح جب کہتے ہیں مَلِکِ النَّاسِ تو معلوم ہوا کہ صفت ملک کے متعلق کوئی تکلیف ہے جس سے بچنا چاہتے ہیں - اور جب کہتے ہیں اِلٰہِ النَّاسِ تو معلوم ہوا کہ صفت الوہیت کے متعلق کوئی تکلیف ہے جس سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں ؞

اب دیکھو صفت ربّ - ملک اور اِلٰہ کا کن چیزوں سے تعلق ہے ؟ اور اس کے کون سے ظل ہیں ؟ ربّ کے معنے آقا کے ہیں - اس سے معلوم ہوا - کہ آقا کے متعلق جھگڑے ہونے والے ہیں - اُن سے پناہ مانگنے کی دعا سکھائی گئی ہے - اور یہ جھگڑے دو طرح کے ہوتے ہیں - ایک تو یہ کہ آقا نوکر سے جھگڑے - اور دوسرے یہ کہ نوکر آقا سے جھگڑے - گویا خدا تعالیٰ سے جو سب کا آقا ہے - پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے - کہ یا تو دنیا کے آقا نوکروں کو دکھ دیتے ہیں ظلم کرتے ہیں - تکلیف پہنچاتے ہیں یا نوکر دنیاوی آقاؤں کو تنگ کرتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں ؞

پھر خدا تعالیٰ کی صفت ملکیت سے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے - کہ یا تو دنیاوی بادشاہ رعایا پر ظلم کرتے ہیں - اور دکھ دیتے ہیں - یا رعایا بادشاہ کی بغاوت کرتی ہے - اسی طرح اللہ تم سے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے - کہ اس صفت کے اظلال مولویوں - پادریوں اور پنڈتوں سے جو کہ دین کے وارث کہلاتے ہیں - لوگوں کو دکھ پہنچتا ہے - اس سے پناہ مانگی گئی ہے - یا لوگوں سے ان کو جو دکھ پہنچتے ہیں اُن سے حفاظت چاہی گئی ہے ؞

چھ قسم کے فسادوں کی خبر

اس طرح یہ چھ باتیں ان آیات سے نکلتی ہیں۔ اور ان چھ اقسام کے فسادوں کی خبر اُن میں دی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ ایک زمانہ میں ایک تو یہ فساد ہوگا۔ کہ نوکر آقا کے خلاف سٹرائیکیں کرینگے خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ تم اس فتنہ سے بچنے کے لئے اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگو۔ (۲) یہ کہ آقا اتنے ظالم ہوں گے۔ کہ نوکروں کے حقوق کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ اسلئے تم ایسے آقاؤں کے ظلموں سے بچنے کے لیے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگتے رہو۔ (۳) یہ کہ رعایا بادشاہ کی مخالفت کرے گی۔ اس وقت تم دعا کرو۔ کہ اے خدا اصل بادشاہ تو تُو ہی ہے۔ تُو ہمیں ان فتنوں سے بچا۔ (۴) یہ کہ بادشاہ رعایا پر ظلم کریں گے۔ اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے ہی دعا کرو۔ کہ وہ ان کے ظلموں سے تمہیں بچائے۔ (۵) یہ کہ اس وقت دین کے محافظ اور اللہ تعالےٰ کے اظلال ہونے کے مدعی دین کے علماء فتنے پھیلائیں گے اس کے لئے یہ دعا کرو۔ کہ اے خدا ان مولویوں۔ پنڈتوں۔ پادریوں کے فتنے سے ہمیں بچا۔ (۶) یہ کہ مولوی جو سچی بات بھی کہیں گے۔ اُسے لوگ نہیں مانیں گے۔ اس فتنہ سے بچنے کے لئے بھی دعا کرو۔

تو یہ چھ قسم کے فساد ہوں گے۔ ملازم آقا کے مقابلہ پر کھڑے ہو جائیں گے اور آقا ملازموں پر ظلم کریں گے۔ رعایا بادشاہ کا مقابلہ کرے گی۔ بغاوت پھیلائے گی اور بادشاہ رعایا پر ظلم کریں گے۔ مولوی جھوٹے فتوے دے کر لوگوں سے غلط باتیں منوائیں گے۔ اور لوگ سچی باتوں کا بھی انکار کریں گے اور دہریت کی طرف چلے جائینگے

فتنوں کیوقت مومن کا کام

یہ باتیں بیان کر کے بتایا ہے۔ کہ اس وقت سچے مسلمان کا کیا کام ہوگا؟ یہ کہ خدا تعالیٰ سے پناہ مانگے۔ کہ اے خدا میں نہ تو سٹرائیک کرنے والوں میں سے بنوں اور نہ ایسے آقاؤں میں سے جو ملازموں پر ظلم کرتے ہیں۔ پھر نہ تو میں اس رعایا کی طرح ہو جاؤں۔ جو بغاوت کرتی ہے اور نہ ایسے بادشاہ کی طرح جو رعایا کے حقوق نہیں ادا کرتا ہے۔ پھر نہ تو میں ان کی طرح ہو جاؤں۔ جو تیری عبادت کی بجائے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ اور

نہ ایسا کہ جو سچا واعظ ملے۔ اس کی بھی بات نہ مانوں۔ اور انکار کر دوں ؛

اب دیکھ لو۔ کہ ان فسادوں کے سوا کوئی اور فساد ہے جو اس زمانہ میں ہو رہا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اور پھر ان باتوں کے بیان کرنے میں ترتیب کیسی اعلیٰ درجہ کی رکھی گئی ہے۔ ادنےٰ فسادوں کے بعد بڑے فسادوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے آقا اور نوکر کے تعلق کے متعلق بتایا ہے۔ پھر رعایا اور بادشاہ کے تعلق کے متعلق جو اس سے اعلےٰ ہے۔ پھر عبد اور معبود کے تعلق کا ذکر کیا ہے جو سب سے اعلےٰ ہے ؛

موجودہ زمانہ کے فسادوں کی نوعیت کا ذکر قرآن میں

ان باتوں کے متعلق ہمارا یہی فرض ہے کہ ہم ان میں کوئی حصّہ نہ لیں۔ اور ان سے پناہ مانگیں مگر پیشگوئی یہاں تک ہی نہیں۔ بلکہ آگے بھی بڑھتی ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ یہ وہ زمانہ ہوگا۔ کہ ہر بات کے لئے آرگنیزیشن ہوگی۔ ایک انتظام کے ماتحت یہ فساد ہوں گے۔ لوگ فرداً فرداً ان میں حصّہ نہیں لیں گے۔ بلکہ دوسروں کو بھی اکسائیں گے اور اپنے ساتھ ملائیں گے۔ آقا کی ملازمت ایک نوکر خود ہی نہیں چھوڑیگا۔ بلکہ دوسروں کو بھی کہیگا۔ کہ تم بھی چھوڑ دو۔ اسی طرح آقا دوسرے آقاؤں کو کہے گا کہ اگر میں کسی ملازم کو اپنے کارخانہ سے نکالوں۔ تو تم اسکو نہ رکھنا آقا اپنی مجلسیں بنائینگے اور نوکر اپنی الگ

دوسری پیشگوئی بادشاہ کے فساد کے متعلق تھی۔ اس کے متعلق بتایا۔ کہ ساری دنیا کی رعایا دنیا کے بادشاہوں کے مقابلہ پر مل کر کھڑی ہوجائے گی۔ اب دیکھو ہندوستان میں ہیجل ہے۔ تو ولایت سے لیبر پارٹی کے ممبر یہاں کے لوگوں کی ہمنوائی کے لئے آرہے ہیں۔ اسی طرح بادشاہوں کو دیکھو۔ ان کی انجمن بنائی گئی ہے۔ جس میں یہ کیا جاتا ہے۔ کہ ایک ملک سامنے رکھ کر کہا جاتا ہے۔ اس کو آپس میں بانٹ لیں۔ تاکہ آپس میں کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ تو ادھر رعایا بادشاہوں کے خلاف جو سمجھوتے کر رہی ہے۔ وہ بھی ایک انتظام کے نیچے کر رہی ہے۔ ادھر بادشاہوں کا جتھا بن رہا ہے۔ کہ اگر ایک کو مدد کی ضرورت ہو۔ تو دوسرا اس کا ساتھ دے ؛

پھر اِلٰہِ النَّاس کو لیتے ہیں - اس سے تعلق رکھنے والے فسادی ہوں گے - لیکن یہ نہیں ہوگا، کہ کوئی دہریہ ہو- تو وہ اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے - بلکہ دہریوں کی بھی انجمن ہوگی - اور وہ علی الاعلان کہیں گے - کہ خدا کا غلط عقیدہ لوگوں کے دلوں سے مٹانا ہمارا کام ہے - اب دیکھ لو- اسی ہندوستان میں دیوسماجیوں کی انجمن موجود ہے - پہلے زمانہ میں بھی دہریئے تھے - مگر وہ اپنے خیالات کو الگ الگ ظاہر کرتے تھے - کوئی ان کی انجمن نہ تھی - جو اخبارین اور ٹریکٹ شائع کرتی - مگر اس زمانہ میں ہندوستان میں بھی ان کی انجمن موجود ہے - اور یورپ کے تمام ممالک میں بھی ان کی انجمنیں پائی جاتی ہیں - پھر اسلام کے خلاف لڑنے والوں کی بھی انجمنیں موجود ہیں - اور تو اور مولویوں کو دیکھو - جو کبھی اکٹھے ہو کر نہیں بیٹھتے تھے - مگر اب ان کی بھی کانفرنسیں ہوتی ہیں - پھر پادریوں کی بھی انجمنیں ہیں - ایک مقولہ تھا - کہ

پادری کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے - مگر اب وہ بھی یہی کہتے ہیں - کہ مل کر کام کرنا چاہیئے - یہ بھی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے - جو اس طرح بیان کی گئی ہے - کہ :-

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ ۙ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ
مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪

جس کے دل میں جو خیال پیدا ہوگا - وہ اکیلا اس کے مطابق کام نہیں کریگا - بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ ملائے گا

جس طرح رَبِّ النَّاسِ میں دو فسادوں کا ذکر تھا - ایک آقا کا نوکروں کے متعلق اور دوسرا نوکروں کا آقا کے متعلق - جس طرح مَلِکِ النَّاسِ میں دو فسادوں کا ذکر تھا - ایک بادشاہ کا رعایا کے متعلق اور دوسرا رعایا کا بادشاہ کے خلاف - اور جس طرح اِلٰہِ النَّاسِ میں دو فسادوں کا ذکر تھا - ایک پادریوں - پنڈتوں اور مولویوں کے متعلق اور دوسرا عوام کے متعلق - اسی طرح اس آیت میں کہ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ ۙ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪ یہ بتایا ہے - کہ دونوں فریقوں کی انجمنیں اور کمیٹیاں ہوں گی - صرف ایک فریق کی نہیں - اگر صرف

شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ کا ہوتا۔ اور ساتھ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ نہ ہوتا۔ تو پہلے حصہ کے متعلق ایک فریق کہتا۔ کہ اس میں دوسرے کا ذکر ہے۔ اور دوسرا فریق کہتا۔ کہ اس میں پہلے کا ذکر ہے۔ مگر اس میں بتا دیا گیا۔ کہ دونو فریق کا یہی حال ہوگا۔ کچھ بڑے لوگ ہوں گے اور کچھ چھوٹے۔ وہ فساد جو آقا نوکروں کے خلاف کریں گے۔ وہ بھی انتظام کے ماتحت ہوگا۔ اور وہ فساد جو نوکر آقا کے خلاف کریں گے۔ وہ بھی انتظام کے ماتحت ہوگا۔ پھر وہ فساد جو رعایا بادشاہ کے خلاف کرے گی۔ یا بادشاہ رعایا کے خلاف کرے گا۔ اس میں بھی انتظام ہوگا۔ اسی طرح وہ فساد جو اللہ کے خلاف ہوگا۔ یا وہ جو اللہ کے چھوٹے ظل لوگوں کے خلاف کریں گے وہ بھی انتظام کے ماتحت ہوگا؂

زمانہ موجودہ کے فساد موجودہ زمانہ کے فسادات کے متعلق یہ ایسی صاف اور واضح پیشگوئی ہے۔ کہ اگر دشمن کے سامنے بھی پیش کی جائے گی۔ تو وہ ہکا بکا رہ جائے گا۔ اب دیکھو۔ یہی فساد دنیا میں ہو رہے ہیں یا نہیں؟ کارخانوں کے ملازم ایک دوسرے کو کہتے ہیں۔ کہ سٹرائیکیں کرو۔ اور اپنی انجمنیں بناؤ۔ اسی طرح مالک اپنی انجمنیں بنا رہے ہیں۔ تاجر آقا اپنی انجمنیں بنا رہے ہیں۔ زمیندار آقا اپنی اور اسی طرح دوسرے آقاؤں کی انجمنیں بن رہی ہیں۔ پھر ہر قسم کے ملازم اور نوکر اپنی انجمنیں بنا رہے ہیں۔ اس موقع کے لئے ایک مومن کو خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ تو یہ کہہ کہ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ میں پناہ مانگتا ہوں۔ کہ ان میں سے کسی میں بھی شامل نہ ہوؤں؂

پھر اس وقت بادشاہ رعایا کو تباہ کرنے میں لگے ہوں گے۔ اور رعایا بادشاہوں کے خلاف جوڑ توڑ کر رہی ہوگی۔ اس وقت ایک مومن یہی کہے گا۔ کہ

مَلِکِ النَّاسِ

میں نہ تو ایسی باغی رعایا میں سے بنوں۔ اور نہ ایسے ظالم بادشاہ کی طرح۔ پھر وہ یہ کہیگا کہ نہ تو میں الہ الناس۔ کہ جھوٹے طور پر علم کے ذریعہ لوگوں کو اپنا غلام بناؤں۔ اور نہ ایسا

کہ سچی باتوں کو بھی نہ مانوں۔ اے خدا! ان سب باتوں سے مجھے بچاؤ۔

یہ پیشگوئی ہے۔ جس کے ماتحت ہم کام کر رہے ہیں۔ نہ کہ یونہی کام کرتے ہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل ہمارے لئے یہ کام بتا دیا تھا۔ جواب ہم کر رہے ہیں۔

جو کچھ کہا جائے اُس کا مخاطب اپنے آپ کو سمجھو

اب میں اصل موضوع کو لیتا ہوں۔ جس پر آج مجھے تقریر کرنی ہے۔ مگر اس سے پہلے میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ بعض لوگ کسی ہدایت سے اس لئے محروم رہ جاتے ہیں۔ کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس کے مخاطب ہم نہیں۔ بلکہ دوسرے ہیں۔ اگر ایک مجلس میں کہا جائے۔ کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے۔ یہ بہت بری بات ہے۔ تو بعض لوگ ایسے ہوں گے۔ جن کی اس بات کو سُن کر چیخیں نکل جائیں گی۔ مگر اس لئے نہیں۔ کہ وہ سمجھیں گے کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ کہیں گے۔ دوسرے لوگ ایسے ہیں۔ جو جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ اس وقت غصہ سے اپنے دائیں بائیں دیکھیں گے۔ اور اپنی حرکات سے غم و غصہ کا اظہار کریں گے۔ کہ لوگ کیوں جھوٹ بولتے ہیں۔ لیکن یہ خیال کسی کو نہ آئے گا۔ کہ شائد میں ہی اس نصیحت کا مخاطب ہوں۔ مومن کا یہ کام نہیں ہوتا۔

پس یاد رکھو۔ کہ جب وعظ ہو رہا ہو۔ تو اس کا مخاطب اپنے ہی نفس کو سمجھنا چاہیئے۔ اس موقعہ پر شیطان اس طرح دھوکہ دیا کرتا ہے کہ اس کے مخاطب تم نہیں ہو۔ بلکہ دوسرے ہیں۔ اور اس طرح اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر شیطان یہ کہے۔ کہ جھوٹ اچھی بات ہے۔ اگر تم میں پایا جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ تو اس کی بات کوئی نہیں مانے گا۔ لیکن جب وہ یہ کہتا ہے۔ کہ جھوٹ فی الواقع بہت بُری چیز ہے۔ اور اس سے بچنے کی جو نصیحت کی جا رہی ہے۔ وہ بہت ضروری ہے۔ مگر اس نصیحت کے مخاطب دوسرے لوگ ہیں تم نہیں ہو تو بہت سے لوگ اس نصیحت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ جو کچھ کہا جائے اُسے خوب غور سے سُنیں۔ اور ہر وہ شخص جس کے

کان تک بات پہنچے - وہ سمجھے کہ میں ہی اس کا مخاطب ہوں - کیونکہ اگر وہ یہ سمجھیگا کہ میں نہیں بلکہ اسکے مخاطب دوسرے ہیں - تو اسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا - اور وہ کورے کا کورا ہی رہے گا۔

اپنے اپنے نفس میں غور کرو

اب میں اصل بات کی طرف توجہ کرتا ہوں - ہم لوگ جو احمدی کہلاتے ہیں - اللہ تعالےٰ کے فضل اور احسان کا شکریہ ادا کرتے ہیں - کیونکہ ہم دیکھتے ہیں - کہ ہم میں ایک بات ہے جو غیروں میں نہیں ہے - اس وجہ سے ہم خوش بھی ہوتے ہیں - مگر میں کہتا ہوں - کہ جب حضرت مسیح موعودؑ نے ہم میں نیکی اور تقوےٰ کا بیج بویا تھا - اس وقت سے اب تک ہم نے کتنی ترقی کی ہے - حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے - کہ نبی صرف بیج بویا کرتا ہے - اور آپؑ نے ایسا ہی کیا - اس زمانہ میں لوگ شور مچا رہے تھے - کہ تقوےٰ اختیار کرو - تقوےٰ اختیار کرو - مگر نہ کوئی اُن کی بات سنتا - اور نہ کوئی تقوےٰ اختیار کرتا - لیکن جب حضرت مرزا صاحبؑ نے آکر کہا - کہ تقوےٰ اختیار کرو تو جو سعید لوگ تھے - وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہا - گو اکثر لوگوں نے توجہ نہ کی - پھر آپؑ نے پہلے سے زیادہ بلند آواز کے ساتھ بلایا اس پر کچھ اور لوگ نکل آئے - پھر آپؑ نے اس سے زیادہ بلند آواز سے پکارا - اور اس پر دائیں بائیں - آگے پیچھے - غرض چاروں طرف سے لوگ نکل آئے اور انہوں نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہا - تب خدا تعالےٰ نے تقویٰ کا بیج لیا - اور ان زمینوں میں ڈالا - جو اسکو قبول کرنے کیلئے تیار ہو چکی تھیں - اور پھر اُن کی آبپاشی کی - جب وہ بیج اُگ آیا - تو سنت اللہ کے ماتحت مسیح موعودؑ فوت ہو گئے - اب میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں - کہ وہ بیج ترقی کرکے کس حد کو پہنچ گیا ہے؟ اگر وہ بلند نہیں ہوا اور بڑھا نہیں - تو کیا یہ فکر اور اندیشہ کی بات نہیں ہے؟ کیونکہ جو بیج نہیں بڑھتا وہ خشک ہو جاتا ہے - پس وہ بیج جو حضرت مسیح موعودؑ نے تمہارے قلب میں بویا - دیکھو کہ اس نے کچھ ترقی کی یا نہیں؟ اگر کوئی ترقی نہیں کی - تو بتاؤ - تم نے اس کیلئے کیا کام کیا ہے؟ بیشک تم لوگوں میں اخلاص اور محبت ہے - اور دین

کے لئے قربانی کرنے کی روح بھی ہے۔ جیسا کہ خدائے تعالےٰ نے مجھے یقین دلایا ہے۔ کہ ایک جماعت ہوگی۔ جو حضرت مسیح موعود کے بوئے ہوئے درخت کو بڑھائے گی۔ اور دنیا اس کے نیچے بسے گی۔ مگر ہر شخص اپنے نفس کے متعلق غور کرکے دیکھے کہ وہ بھی ان میں ہوگا یا نہیں؟ اگر وہ نہیں ہوگا۔ تو اسے کیا فائدہ؟ کیا ایک بھوکا اس طرح سیر ہو سکتا ہے؟ کہ اس کے ہمسایہ نے کھانا کھا لیا؟ یا ایک ننگا اس طرح اپنی ستر پوشی کر سکتا ہے کہ اس کے ہمسایہ نے کپڑے پہن لئے؟ یا ایک پیاسا اس طرح اپنی پیاس بجھا سکتا ہے کہ اُسکے ہمراہی نے پانی پی لیا؟ اگر نہیں۔ تو تم اس بات پر خوش نہ ہو۔ کہ بعض تم میں سے نیک اور متقی ہیں۔ اور ان کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہے۔ بلکہ اپنے متعلق دیکھو۔ تمہارا کیا حال ہے؟ تمہارے دل میں جو بیج ڈالا گیا ہے۔ وہ کس حالت میں ہے؟

ابراہیمی سُنّت پر چلو حضرت ابراہیمؑ کی سُنّت کو یاد رکھو۔ جب خدائے تعالےٰ نے انہیں بتایا۔ کہ میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ ادھر بادشاہ سے اس مضمون پر مقابلہ بھی کرا دیا۔ اور زندہ کرنے کی مثال بھی دے دی۔ جب انہیں خدا سے مکالمہ نصیب ہوا۔ تو چونکہ دُور اندیش اور عقلمند انسان تھے۔ سب کچھ سُن کر کہا یہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے کس طرح اطمینان ہو؟ گویا مطلب یہ کہ مجھے زندہ کیجئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اچھا تمہیں زندہ کرینگے۔ اور مثال کے ذریعہ سمجھایا۔ کہ تمہاری قوم چار دفعہ اٹھے گی۔ ایک دفعہ حضرت موسےٰ کے ذریعے۔ دوسری دفعہ حضرت مسیحؑ کے ذریعے۔ تیسری دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور چوتھی دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعے یہ ان کا کمال تھا۔ کہ موقع تاڑ کر خدا تعالےٰ سے اپنی قوم کے لئے یہ وعدہ لے لیا۔ جونہی انہوں نے دیکھا۔ کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم اس طرح قوموں کو زندہ کرتے ہیں۔ اور جاؤ جا کر بادشاہ سے اس کے متعلق بحث کرو۔ تو وہ بحث کرنے چلے گئے۔ اور آکر کہا۔ بحث تو میں کر آیا ہوں۔ مگر مجھے اس سے کیا فائدہ؟ مجھے تو میری قوم کے زندہ کرنے کا وعدہ دیں۔ تب بات ہے۔ خدائے تعالےٰ نے فرمایا۔ اچھا تمہاری قوم کو بھی ہم زندہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے حضرت موسےٰ ہوئے۔ جن کے ذریعہ اُن کی قوم

زندہ ہوئی۔ پھر حضرت عیسٰےؑ ہوئے۔ ان کے ذریعہ قوم زندہ ہوئی۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ انہوں نے قوم زندہ کی۔ اور پھر حضرت مسیح موعودؑ ہوئے انکے ذریعہ قوم زندہ کیگئی یہ چار دفعہ انکی قوم سے زندہ پرندے اڑے۔ اور اڑ کر خدائے تعالٰے کی طرف گئے۔

تو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ زندہ پرندے پیدا ہوئے۔ جو تقوٰی اور طہارت کے پروں سے اڑکر خدائے تعالٰے تک پہنچنے والے ہیں۔ مگر دوسروں کے فائدہ سے تمہیں کیا۔ بیشک مؤمن کا دل چاہتا ہے۔ کہ دوسرے بھی فائدہ اٹھائیں۔ مگر اس کا دل یہ بھی تو چاہتا ہے کہ وہ خود بھی فائدہ اٹھائے۔ بیشک ہماری جماعت میں بعض لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں مگر اُن کی وجہ سے تمہیں کس طرح تسلی ہو سکتی ہے؟ اگر تم متقی اور پرہیزگار نہیں ہو؟ دیکھو حضرت ابراہیمؑ کو باوجود نبوت کے تسلی نہ تھی۔ اور وہ چاہتے تھے۔ کہ جو کچھ ملے لے لیں۔ اور موقع پاکر انہوں نے جو کچھ مل سکتا تھا۔ لے بھی لیا مگر تم اگر متقی بھی نہیں ہو۔ تو تمہیں کیونکر تسلی ہو جاتی ہے؟ اور تم کیوں آئندہ کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتے۔

پس تم ابراہیمی سنت پر چلو۔ اور کبھی تسلی نہ پاؤ۔ بلکہ خدا تعالٰے سے مانگتے ہی رہو۔ اور اس وقت تک لیتے ہی رہو۔ جب تک کہ تمہیں ملتا رہے۔ پس تم وہ رستے تلاش کرو۔ کہ اوپر ہی اوپر اڑتے رہو۔ خدا تعالٰے نے تمہارا نام پرندہ رکھا ہے۔ پھر تم پرندے ہو کر غاروں میں کیوں گھسو۔ حضرت ابراہیمؑ کو خدا تعالٰی نے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ اُلّو پالو۔ بلکہ یہ کہا تھا۔ کہ پاک اور روشنی کو پسند کرنے والے پرندے پالو۔ اور انہوں نے ایسے ہی پرندوں کو پالا تھا۔ پھر تم کیوں اندھیرے کو پسند کرو؟

پس تم اپنی حالتوں پر مطمئن نہ ہو جاؤ۔ بلکہ کوشش کرو۔ کہ خدا تعالٰے ہر روز تمہاری حالت کو اور بلند کرے۔ قرآن کریم نے اس ترقی کے لئے دو رستے بتائے ہیں۔

مؤمن کے دو کام

قرآن نے مؤمن کا یہی کام مقرر نہیں فرمایا۔ کہ وہ آپ اڑے۔ بلکہ یہ کام مقرر کیا ہے۔ کہ وہ آپ بھی اُڑے اور دوسروں کو بھی اڑائے۔ قرآن نے تمہیں چڑیا اور طوطے کی طرح نہیں بنایا۔ بلکہ ایروپلین بنایا ہے۔ تاکہ آپ بھی [illegible]۔ اور دوسروں کو بھی اڑاؤ۔ تمام قرآن کریم سے یہی معلوم ہوتا ہے

غرض قرآن نے مومن کے دو کام بتائے ہیں۔ کہ وہ خود بھی پرندہ بن جائے۔ یعنے خود متقی اور پرہیزگار بن جائے۔ اور دوسروں کو بھی بنائے۔ لوگوں کو کھینچ کر اوپر لے آئے۔ اور خدا تعالیٰ سے ملائے۔ اور یہ لازمی نتیجہ ہے پہلی بات کا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ پر وہی عاشق ہوگا۔ جسے یقین ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ میں تمام خوبیاں ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جن کو کسی چیز میں خوبیاں معلوم ہوتی ہیں۔ وہ دوسروں کو وہ خوبیاں دکھاتے ہیں کوئی تو بدنیتی سے کہ ان کو دوسروں پر فخر حاصل ہو۔ اور کوئی نیک نیتی سے کہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ دیکھو قرآن کریم ادھر تو کہتا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ (۳-۲۶۴) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو ریاء کے طور پر مال خرچ کرتے ہیں۔ مگر ادھر کہتا ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (۹۳-۱۱) کہ لوگوں کو بتا تا کہ خدا کی نعمتوں سے آگاہ کرو۔ یہ ریاء نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے۔ کہ لوگ بھی ان کو دیکھ کر ان کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ غرض ہر قسم کا اظہار ریاء نہیں ہوتا۔ بعض حالات میں ایک بات کا اظہار ریاء ہوجاتا ہے مگر دوسرے حالات میں اسی امر کا اظہار ریاء نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر ایک شخص اچھے اچھے کپڑے اس لئے پہن کر لوگوں میں جاتا ہے کہ وہ اسے بڑا مالدار سمجھیں۔ تو یہ ریاء ہے۔ لیکن اگر یہی شخص عید کے دن یا جمعہ کے دن عمدہ لباس پہن کر نکلے تا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہو۔ یا مثلاً اگر کہیں بخار پھیلا ہو۔ اور کسی کے پاس کونین ہو۔ اور وہ لوگوں کو بتائے کہ میرے پاس کونین ہے۔ تو یہ ریاء نہیں ہوگا۔ اور کوئی نہیں کہے گا۔ کہ یہ اپنی عقلمندی جتا رہا ہے۔ کہ میں نے پہلے سے ہی کونین رکھی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا اس امر کو ظاہر کرنا ضروری ہوگا۔ تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچے ؛

تو مومن کا فرض اپنا ہی کام کرنا نہیں۔ بلکہ دوسروں کا بھی کرنا ہے۔ اب میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں۔ کہ آپ نے ان دونو اقسام کی نیکیوں میں سے کتنا حصہ لیا ہے؟

پہلی باتیں کیوں دوہرائی جاتی ہیں؟

ان باتوں میں سے جو اصلاح نفس کے

متعلق ہیں۔ اور جو دوسروں کی اصلاح کے لئے ہیں۔ بعض ایسی ہیں۔ کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور بعض نئی ہیں۔ ممکن ہے۔ بعض لوگ کہیں۔ کہ پرانی باتیں پھر ان کو سنائی جا رہی ہیں۔ مگر یاد رکھو۔ پرانی چیز وہ ہوتی ہے۔ جس کو استعمال میں لے آئیں۔ اور جب تک اسے استعمال نہ کیا جائے۔ وہ پرانی نہیں ہوتی۔ جو کچھ میں آپ لوگوں کو سنا چکا ہوں۔ جب تک اس پر تمہارا عمل نہ دیکھوں۔ اور جو کپڑے میں پہنانا چاہتا ہوں۔ ان کو تمہارے جسم پر نہ دیکھوں۔ میں ان باتوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ اور بار بار کہتا رہوں گا۔ اگر تم اپنی ضد پر قائم ہو۔ کہ سُن لیا۔ اور عمل نہ کیا۔ تو میں بھی اپنی ضد پر قائم ہوں۔ کہ تمہیں سناتا رہوں۔ وہ لوگ جو ان باتوں کو مانتے نہیں۔ ان کی اور میری لڑائی ہے۔ اور میں دیکھوں گا۔ کہ کس کا استقلال قائم رہتا ہے؟ مگر میں ان کو بتانا چاہتا ہوں۔ کہ فائدہ اسی میں ہے۔ کہ ان کا استقلال قائم نہ رہے۔ اور میرا قائم رہے۔ کیونکہ ان کا استقلال قابلِ فخر استقلال نہیں ہے۔ بلکہ استقلال تو اسے کہا ہی نہیں جا سکتا ؎

کسی شاعر نے کہا ہے۔ معلوم نہیں۔ اس نے تو کس نیت سے کہا ہے۔ مگر مجھے بہت پسند ہے۔ کہتا ہے:۔

؎

وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

یعنے وہ اپنا طریق نہیں چھوڑتا۔ تو ہم کیوں چھوڑیں؟ اور کیوں اپنی حالت بدلیں؟ ہم نے جو حالت بنائی ہوئی ہے۔ اس میں اگر ہم اس سے پوچھیں۔ کہ ہم پر کیوں ظلم کرتے ہو؟ تو وہ سمجھے گا۔ کہ ہمارے ہوش حواس درست ہیں ؎

یہی تمہارا اور میرا معاملہ ہے۔ جب تک تم اپنی حالت کو نہ بدلو گے۔ میں بھی اپنے رنگ کو نہیں بدلوں گا۔ میں اس وقت تک ان باتوں کو کہتا رہوں گا۔ جب تک تم ان پر عمل پیرا نہ ہو جاؤ۔ اور اس لباس کو پہن نہ لو۔ جب تم ایسا کر لو گے۔ تو پھر مجھے نئی باتیں کہنے کا

موقع ملے گا۔

اصلاحِ نفس کی اقسام میں بتا رہا تھا کہ اصلاحِ نفس دو قسم کی ہوتی ہے اور اسلام نے دونو قسم کی اصلاحوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ ایک اپنی اصلاح اور دوم دوسروں کی اصلاح۔ پھر آگے اصلاح کی دو قسمیں ہیں

(۱) بدی کو دُور کرنا۔ اس کو عبادت تزکیہ کہتے ہیں۔

(۲) عبادت فعلیہ جس کا اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔

تو دو قسم کے کام انسان کے ذمہ ہیں۔ ایک ایسے جو اختیار کرنے والے ہیں۔ اور دوسرے ایسے جن کا چھوڑنا ضروری ہے۔

بدظنی سے بچو پہلے میں ان دوسری قسم کے کاموں میں سے بعض کو لیتا ہوں۔ یعنے پہلے میں ترکِ شر کو لیتا ہوں۔ اس میں سے پہلی بات بدظنی ہے۔ بدظنی سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے۔ اور اس سے اتنے فساد پیدا ہوتے ہیں جن کی کوئی حد نہیں۔ مگر اس زمانہ میں بدظنی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ ہر شخص دل میں خواہ مخواہ ہی خیال کر لیتا ہے کہ یوں ہوگا۔ اخبار میں کوئی خبر پڑھتے ہیں۔ تو خیال کر لیتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ کا اس سے یہ مطلب ہوگا۔ یا فلاں شخص کی اس سے یہ غرض ہوگی۔ اگر کسی کا کوئی دوست ہو۔ اور اسے کہے۔ کہ ہمارے گھر چلو۔ تو کہیں گے۔ اس میں اس کا کوئی منشاء ہوگا۔ اور اگر وہ نہ کہے۔ تو کہیں گے۔ آجکل کون کسی کو پوچھتا ہے۔

غرضیکہ ہر بات میں بدظنی کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی زیادہ چندہ دے۔ تو کہیں گے کہ ریاء کے لئے دیتا ہے۔ اور اگر تھوڑا دے۔ تو کہیں گے بخیل ہے۔ خدا کے لئے دینا جانتا ہی نہیں۔ اگر کوئی نماز پڑھے تو کہیں گے۔ صوفی بنتا ہے۔ اور اگر نہ پڑھے۔ تو کہیں گے کافر ہے۔ اگر کوئی کسی سے ہمدردی کرتا ہے۔ تو کہیں گے۔ اس کی کوئی غرض ہوگی۔ اور اگر نہ کرے۔ تو کہیں گے لوگوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔

غرضیکہ جو بھی کوئی کام کرے۔ اس کا بدہی پہلو نکالیں گے۔ اور بدظنی ہی کریں گے

حالانکہ یہ بات بہت گندی ہے۔ کیونکہ اگر سب لوگ بدظنی پر اُتر آئیں۔ تو نیکی قائم ہی نہیں رہ سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ بدظنی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اور جھوٹ تو لوگ دوسروں سے بولتے ہیں مگر یہ ایسا جھوٹ ہے جو اپنے نفس سے بولتے ہیں۔ اور بہت کم لوگ ہیں جو اس سے بچتے ہیں۔ پھر افسوس تو یہ ہے کہ ہماری جماعت میں بھی بہت ہیں جو اس سے نہیں بچتے کوئی سکرٹری پر بدظنی کرتا ہے۔ کہ مال کھا جاتا ہے۔ کوئی پریذیڈنٹ کے متعلق کہتا ہے کہ ظلم کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اگر اسی طرح بدظنی کی گئی۔ تو کسی کو کیا ضرورت ہوگی۔ کہ کام کرے؟ اس طرح بددل ہو کر وہ کام کرنا چھوڑ دے گا۔ اور اس سے سلسلہ کا کام خراب ہوگا۔ بدظنی کرنے والوں کا کیا جائے گا۔ یہاں بھی ایک شاعر کا مصرعہ مجھے یاد آگیا جو کہتا ہے ع

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

ایک شخص جو کام کرے۔ اگر اس کے کان میں اس قسم کی آوازیں آتی رہیں۔ کہ بہت کھاتا ہے۔ اس نے مکان بنوا لیا ہے۔ شادی کر لی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اگلے سال وہ کیا کام کرے گا؟ پھر اس طرح ایک کے متعلق کہا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے کے متعلق بھی کہا جائے گا۔ اور وہ بھی کام چھوڑ بیٹھے گا۔ اس سے ایک طرف تو بدظنی کرنے والا ہلاک ہوگا۔ دوسری طرف جس کی نسبت بدظنی کی جائے گی۔ وہ کام چھوڑ بیٹھے گا۔ اور اس طرح سلسلہ کا کام خراب ہوگا۔ سو اے عزیزو! اس کو بالکل چھوڑ دو۔ کئی لوگ جو ملنے آتے ہیں۔ ایک دوسرے کے متعلق باتیں سناتے ہیں۔ جن کی بنیاد محض بدظنی پر ہوتی ہے۔ اور جن میں محض قیاس اور خیال سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ لوگ ظاہرہ باتوں کی طرف تو توجہ نہیں کرتے۔ دیکھتے ہیں۔ فلاں شخص علے الاعلان نمازوں میں نہیں آتا۔ اس کو کچھ نہیں کہتے۔ دیکھتے ہیں۔ فلاں علی الاعلان عورتوں پر ظلم کرتا ہے۔ اس کو نہیں سمجھاتے اور کئی قسم کے عیب ہیں۔ جو لوگ علے الاعلان کرتے ہیں۔ اور ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ بلکہ بدظنی کرتے ہوئے پوشیدہ سے پوشیدہ عیبوں کو بیان

کریں گے۔ یہ ایک سخت کمزوری اور بُرا فعل ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ (الحجرات)

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ بہت سے گمان جو دل میں آتے ہیں۔ ان سے بچو۔ اور زیادہ تجسس نہ کیا کرو۔ واقعات کو دیکھا کرو۔ اور بدظنی کو چھوڑ دو۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ۔ بس اس سے الگ رہو۔ اور اللہ کا تقوٰے اختیار کرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔

بدظنی کے خطرناک نتائج

بدظنی ایسی خطرناک چیز ہے۔ کہ جو شخص اس کو اختیار کرتا ہے۔ وہ اسی حد تک نہیں رہتا۔ کہ اپنے بھائی پر بدظنی کر کے ٹھہر جائے۔ بلکہ وہ ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ آخر خدا تعالیٰ پر بھی بدظنی کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی پر بدظنی کرتا ہے۔ اس کا دوسرا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ باپ پر بھی بدظنی کرتا ہے۔ اور جو باپ پر کرتا ہے۔ وہ رسولؐ پر کرتا ہے۔ اور جو رسول پر کرتا ہے۔ وہ خدا پر کرتا ہے۔

بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ جب انہیں کہا جائے کہ اپنے بھائی پر بدظنی نہ کرو تو کہتے ہیں۔ کہ وہ ہمارا پیر ہے؟ مگر یاد رکھو۔ جو بھائی پر بدظنی کرتا ہے۔ جب اس کو اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ تو اس کا دل اسی پر تسلی نہیں پاتا۔ بلکہ وہ اور آگے بڑھتا ہے اور ہوتے ہوتے امام وقت یا رسول کو اپنا نشانہ بنا لیتا ہے۔ اور پھر اس پر بھی صبر نہیں کرتا۔ خدا تعالےٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ایسے لوگ مسلمانوں میں موجود تھے۔ جنہوں نے پہلے اپنے بھائیوں پر بدظنی کی اور پھر رسولِ کریمؐ پر کرنے لگ گئے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ

يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ٥ (۹-۵۸)

اے رسول جو مال آتا ہے۔ اس کے متعلق کچھ لوگ بدظنیاں کرتے ہیں۔ کہ اتنا مال جو آتا ہے۔ اس میں سے یہ بھی کچھ لیتا ہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بدظنی کرنے والوں کا اپنا نفس چونکہ گندہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دوسرے کے متعلق بھی خیال کر لیتے ہیں۔ کہ اس کا بھی ایسا ہی ہوگا ۞

میری فطرت میں بدظنی کا مادہ ہی نہیں

میں محض خدا تعالےٰ کے فضل کے اظہار کے لئے نہ کسی اور وجہ سے کہتا ہوں۔ کہ میری فطرت میں بدظنی کا مادہ رکھا ہی نہیں گیا۔ اور بچپن سے میری طبیعت ایسی بنائی گئی ہے۔ کہ بعض باتوں کو میں نے خود دیکھا۔ لیکن مجھے بتایا گیا۔ کہ تمہیں غلطی لگی ہے۔ تو میں نے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ اور اس وقت تک میں یہی سمجھتا ہوں۔ کہ مجھے دیکھنے میں غلطی لگی ہوگی۔ اور اصل میں وہ بات اس طرح نہ ہوگی۔ اس طریق نے مجھے بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ اور وہ یہ کہ اور لوگوں کے دلوں میں تو قرآن پر اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔ مگر مجھے جواب ہی جواب سمجھائے جاتے ہیں۔ اور میری تو یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ اگر کسی آیت کی تشریح کرنے کے لئے اس پر تنقید کرنا ہوتی ہے۔ تو دوسروں سے پوچھتا ہوں۔ کہ اس پر کون کون سے اعتراض پڑتے ہیں؟ یا بڑی کوشش اور محنت سے اعتراض نکالنے پڑتے ہیں ۞

تو فرمایا۔ کہ ایسے لوگ ہیں۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بدظنی کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں اُن کی ذاتی اور نفسانی غرض ہوتی ہے۔ اگر تو ان کو مال میں سے دیدے۔ تو کہتے ہیں۔ بڑا دیانتدار ہے۔ اور اگر نہ دے۔ تو بدظنی کرتے ہیں کہ خود کھا جاتا ہے ۞

بدظنی کتنا بُرا عیب ہے؟

بدظنی یہ بہت بڑا عیب ہے اور خطرناک عیب ہے اور ایسا خطرناک عیب ہے۔ کہ اس کے مرتکب کا خاتمہ آخر خدا تعالےٰ تک پہنچتا ہے۔ یہ مت خیال کرو۔ کہ تم جب اپنے کسی بھائی پر بدظنی

کرتے ہو۔ تو خلیفہ جسے خدا کا بنایا ہوا سمجھتے ہو۔ اس پر نہیں کرو گے۔ جب ایک قدم اٹھاتے ہو۔ تو دوسرا قدم اٹھانا تمہارے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اور جب خلیفہ پر بدظنی کرو گے۔ تو اس سے اگلا قدم رسولؐ پر بدظنی کرنا ہوگا۔ اور جب رسولؐ پر کرو گے تو اس سے آگے خدا تعالیٰ تک پہنچو گے۔ دیکھو وہ لوگ جو ہم سے علیحدہ ہو گئے ان میں اپنے بھائیوں پر بدظنی کرنے کی عادت تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ حضرت صاحب کی نسبت کہہ گذرے۔ کہ آپ جماعت کا روپیہ اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کر لیتے ہیں۔ حضرت صاحب کو آخری وقت میں یہ بات معلوم بھی ہو گئی۔ اور آپ نے مجھے فرمایا۔ کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ لنگر کے لئے جو روپیہ آتا ہے۔ اُسے میں اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کر لیتا ہوں۔ مگر ان کو معلوم نہیں۔ لوگ جو میرے لئے نذروں کا روپیہ لاتے ہیں۔ میں تو اس میں سے بھی لنگر کے لئے خرچ کرتا ہوں چنانچہ میں آپ کے منی آرڈر لایا کرتا تھا۔ اور مجھے خوب معلوم ہے کہ لنگر کا روپیہ بہت تھوڑا آیا کرتا تھا۔ اور اتنا تھوڑا آیا کرتا تھا۔ کہ اس سے خرچ نہ چل سکتا تھا۔

پھر ان لوگوں نے اس بدظنی کا خود اعتراف کیا۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی طرف تو اس بات کو منسوب نہ کیا۔ مگر اس طرح ذکر کیا۔ کہ کہا جاتا تھا۔ کہ مرزا صاحب لنگر کا روپیہ خود خرچ کر لیا کرتے تھے۔ لیکن لنگر کا انتظام جب سے ہمارے پاس آیا ہے۔ مقروض ہی چلا جا رہا ہے۔ اور حضرت صاحب نے مجھے فرمایا تھا۔ کہ اگر میں لنگر کا انتظام ان لوگوں کے سپرد کر دوں۔ تو یہ کبھی اس کے اخراجات کو پورا نہ کر سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اب تک اس بدظنی کا خمیازہ بھگتا جا رہا ہے۔ کہ لنگر کا فنڈ ہمیشہ مقروض رہتا ہے۔

پس بدظنی بہت بڑا گناہ ہے۔ اور خطرناک گناہ ہے۔ اس سے بچو۔

جھوٹ ترک کر دو

دوسری بات جو قابل ترک ہے۔ اور اس کی بھی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔ وہ جھوٹ اور جھوٹی شہادت ہے۔ یہ ایک خطرناک گناہ ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ یہ گناہوں کی کلید ہے۔ رسول کریم

صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا۔ اور اس نے کہا۔ مجھ میں چار ایسے گناہ ہیں۔ جن کو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ ان کے چھوڑنے کا مجھے طریق بتائیے۔ آپ نے فرمایا۔ ایک تو چھوڑ دے۔ تین میں چھڑا دوں گا۔ اس نے کہا۔ بہت اچھا۔ آپ نے فرمایا۔ جھوٹ چھوڑ دے۔ اس نے کہا اچھا۔ میں جھوٹ چھوڑتا ہوں۔ یہ عہد کر کے وہ چلا گیا۔ جانے کے بعد جب اُسے کسی گناہ کے کرنے کا خیال آیا اور وہ یہ سمجھ کر کرنے لگا۔ کہ اس کے چھوڑنے کا تو میں نے وعدہ نہیں کیا۔ تو اُسے خیال آیا۔ کہ اگر اس کے متعلق رسول کریم نے پوچھا تو سچ کہنا پڑیگا۔ کیونکہ جھوٹ کے چھوڑنے کا وعدہ کر آیا ہوں۔ پھر میں کیا جواب دوں گا؟ اس طرح وہ ایک دن اس کے کرنے سے رُک گیا۔ دوسرے دن پھر جب اُسے گناہ کرنے کا خیال آیا۔ تو اسی طرح رُک گیا۔ اور جوں جوں وہ رُکتا گیا۔ اس کی طبیعت میں مضبوطی آتی جاتی۔ حتٰے کہ ایک دن وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور کہا۔ کہ ان گناہوں میں سے میں نے کوئی بھی نہیں کیا۔ اور سب مجھ سے چھوٹ گئے ہیں۔

تو جب کوئی شخص جھوٹ چھوڑ دیتا ہے۔ پھر سب گناہ اس سے چھوٹ جاتے ہیں۔

لوگ جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟

سمجھ میں نہیں آتا۔ لوگ جھوٹ بولتے کیوں ہیں؟ جس آدمی کے متعلق معلوم ہو جائے۔ کہ جھوٹ کا عادی ہے۔ وہ خواہ کوئی بات سُنائے۔ اس کی بات پر تسلی نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بالعموم لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور ایسی ایسی باتوں میں جھوٹ بولتے ہیں۔ جن میں وہ خود بھی سمجھتے ہیں۔ کہ کوئی نفع نہیں ہوگا۔ مثلاً یونہی ایک شخص کہدیگا میں فلاں فلاں جگہ گیا۔ یا فلاں فلاں کام کیا۔ حالانکہ ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ایسے لوگوں کو محض عادت ہوتی ہے۔ کہ خواہ مخواہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے۔ اور اس کا چھوڑنا بھی مشکل کام ہے۔ اس لئے اس کو چھوڑنے کے لئے خاص کوشش کرنی چاہیئے۔

کامیابی جھوٹ نہ بولنے میں ہے

بے شک خالص جھوٹ بہت کم لوگ بولتے ہیں۔ جہاں نقصان کا اندیشہ ہو۔ صرف وہاں ایسا

جھوٹ بولتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ اس طرح ہم نقصان سے بچ جائیں گے۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کامیابی جھوٹ کے نہ بولنے میں ہی ہوتی ہے۔

حضرت صاحبؑ کا ہی واقعہ ہے۔ آپؑ نے ایک پیکٹ میں خط ڈال دیا اس کا ڈالنا ڈاک خانہ کے قواعد کی رو سے منع تھا۔ مگر آپ کو اس کا علم نہ تھا۔ ڈاک خانہ والوں نے آپ پر نالش کر دی۔ اور اس کی پیروی کے لئے ایک خاص افسر مقرر کیا۔ کہ آپؑ کو سزا ہو جائے۔ اور اس پر بڑا زور دیا۔ اور کہا کہ ضرور سزا ملنی چاہیئے۔ تاکہ دوسرے لوگ ہوشیار ہو جائیں۔ حضرت صاحب کے وکیل نے آپ کو کہا۔ کہ بات بالکل آسان ہے۔ آپؑ کا پیکٹ گواہوں کے سامنے تو کھولا نہیں گیا۔ آپ کہہ دیں۔ کہ میں نے خط الگ بھیجا تھا۔ شرارت اور دشمنی سے کہا جاتا ہے۔ کہ پیکٹ میں ڈالا تھا۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ یہ تو جھوٹ ہوگا۔ وکیل نے کہا۔ اس کے سوا تو آپ بچ نہیں سکتے۔ آپؑ نے فرمایا۔ خواہ کچھ ہو۔ میں جھوٹ تو نہیں بول سکتا۔ چنانچہ عدالت میں جب آپ سے پوچھا گیا۔ کہ آپؑ نے پیکٹ میں خط ڈالا تھا؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں میں نے ڈالا تھا مگر مجھے ڈاکخانہ کے اس قاعدہ کا علم نہ تھا اس پر استغاثہ کی طرف سے لمبی چوڑی تقریر کی گئی۔ اور کہا گیا۔ کہ سزا ضرور دینی چاہیئے تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو حضرت صاحبؑ فرماتے ہیں۔ تقریر چونکہ انگریزی میں تھی۔ اس لئے میں اور تو کچھ نہ سمجھتا۔ لیکن جب حاکم تقریر کے متعلق NO, NO (نو۔ نو) کہتا۔ تو اس لفظ کو سمجھتا آخر جب تقریر ختم ہوئی۔ تو حاکم نے کہہ دیا۔ بری۔ اور کہا کہ جب اس نے اس طرح سچ سچ کہہ دیا۔ تو میں بری ہی کرتا ہوں۔

ہنسی میں جھوٹ

پھر لوگ ہنسی مذاق میں جھوٹ بول لیتے ہیں۔ مگر یہ بھی ناجائز ہے۔ اور یہ بھی جھوٹ ہی ہے۔ اس سے بھی بچنا چاہیئے

جھوٹی گواہی

پھر جھوٹ کی خاص قسم جھوٹی گواہی ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں

کہ خدا تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہو تو کوئی اس سے بچ سکتا ہے۔ وہ لوگ جو اور باتوں میں جھوٹ نہیں بولتے۔ وہ بھی اس مرحلہ پر آکر رہ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اسلئے جھوٹی گواہی دے دی۔ کہ فلاں بھائی ناراض نہ ہو جائے۔ مگر اس میں بھی خوب مضبوطی کیساتھ صداقت پر قائم رہنا چاہیئے۔ کئی لوگ ہیں جو اس لئے جھوٹی گواہی دیتے ہیں کہ دوسرے کا منہ رکھیں۔ اور اس کو ناراض نہ ہونے دیں۔ مگر اس سے زیادہ نادان اور بیوقوف کون ہوگا جو دوسرے کا منہ رکھنے کے لئے اپنا منہ کالا کرلے۔ لیکن بہت ہیں جو اس بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ تمہیں چاہیئے کہ خواہ تمہارے ماں باپ کیخلاف گواہی ہو یا بھائی کے خلاف یا اور کسی عزیز اور رشتہ دار کیخلاف تم کبھی اس کو نہ چھپاؤ۔ اور نہ اس میں جھوٹ ملاؤ۔ بلکہ سچ سچ کہدو۔ قرآن کریم میں مومن کی یہ علامت بتائی گئی ہے۔ کہ ماں باپ۔ بہن بھائی۔ جس کے متعلق بھی اسے کوئی گواہی دینی ہو سچی سچی دیتا ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو گواہی کو چھپاتا ہے۔ اس کا دل گنہگار ہو جاتا ہے۔ اور جب دل گنہگار ہو گیا۔ تو سب کچھ خراب ہو گیا۔ یہ بھی بہت بڑا کام ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے ورنہ اس میں بھی بڑھتے بڑھتے انسان رسول اور خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ جو جھوٹی حدیثیں بنی ہیں وہ ایسے ہی لوگوں نے بنائی ہیں۔ جن کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ اور پھر جھوٹ بولنے والے خدا تعالےٰ کے متعلق بھی جھوٹ سے دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ آتا ہے:-

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (۵-۱۰۲)

کہ یہ جو نذریں نیازیں سانڈوں وغیرہ کی دی جاتی ہیں۔ یہ خدا نے مقرر نہیں کیں۔ یہ ان لوگوں نے جو کافر ہیں۔ آپ مقرر کرلی ہیں۔ اور خدا تعالےٰ پر جھوٹا افترا باندھ دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان میں سے اکثر بے وقوف ہیں۔

تو ان لوگوں نے آپ نذریں مقرر کرکے کہدیا۔ کہ خدا نے مقرر کی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جھوٹ بولنے والے خدا تعالےٰ پر جھوٹ بولنے سے بھی باز نہیں رہتے۔

پس چونکہ یہ ایسی بات ہے۔ کہ اس میں انسان بڑھتے بڑھتے خدا تعالےٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے اس کو بالکل چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور یہ ایسے عیوب میں سے

ہے۔ کہ اگر انسان اس سے بچ جائے۔ تو اور سینکڑوں عیوب سے بچ سکتا ہے

سخت کلامی اور درشتی سے کام نہ لو۔

تیسری بات جو قابل ترک ہے۔ وہ سخت کلامی اور درشتی ہے۔ یہ بھی بہت بڑا عیب ہے۔ بہت لوگ ہیں۔ جو اپنے بھائی کے احساسات کا خیال نہیں رکھتے

ذرا ذرا سی بات پر گالی دے دیتے ہیں۔ یا سخت کلامی سے پیش آتے ہیں۔ مثلاً بجائے اس کے کہ مجلس میں آکر کہیں۔ جگہ دیجئے۔ یہ کہہ دیں گے۔ کہ کس طرح لتاں پسار کے بیٹھے ہوئے ہو۔ یعنی پاؤں پھیلا کر کیوں بیٹھے ہو؟ ایسے لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ اگر کسی سے کوئی مطالبہ کرینگے۔ تو سختی سے۔ اور اگر کسی کا کچھ دینا ہوگا۔ تو اس سے بھی لڑینگے۔ ان میں نرمی۔ محبت اور آشتی نہیں ہوگی۔ حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ لڑائی۔ دنگہ اور فساد ایسی ناپسندیدہ باتیں ہیں کہ جہاں یہ ہوتی ہیں۔ وہاں سے خدا تعالےٰ کی برکتیں جاتی رہتی ہیں۔ اور آپؐ نے ان کی برائی یہاں تک بیان فرمائی ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ رات کو باہر نکلے۔ اور دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ آپ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا۔ خدا تعالےٰ نے مجھے لیلۃ القدر کی گھڑی بتائی تھی۔ لیکن تمہاری لڑائی دیکھکر مجھے بھول گئی ہے۔ اب غور کرو۔ ان کی لڑائی کس قدر نقصان دہ ثابت ہوئی۔ کہ نسل درنسل اس کا اثر چلیگا پھر فرمایا۔ اچھا رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ اگر وہ نہ لڑ رہے ہوتے۔ اور رسولِ کریمؐ کو لیلۃ القدر کے متعلق جو بتایا گیا تھا۔ وہ آپ بتا دیتے۔ تو کیسی آسانی ہوتی۔ اور مسلمان اس سے کس قدر فائدہ اٹھاتے؟ اب ہر ایک کیلئے دس راتوں میں جاگنا مشکل بات ہے۔ دو آدمیوں کے جھگڑے نے کتنا نقصان پہنچایا؟

تم کسی پر درشتی اور سختی نہ کرو۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ اس میں دونو کا فائدہ ہے۔ لیکن اگر ایک درشتی کرتا ہے۔ تو دوسرے کو چاہیئے۔ کہ نرمی اختیار کرے۔ اس طرح درشتی کرنے والا خود بخود شرمندہ اور نادم ہوگا۔ اور معافی مانگے گا۔ ورنہ اگر دوسرا بھی درشتی کریگا۔ اور اس طرح بات بڑھیگی۔ تو اس

کا نتیجہ یہ ہوگا۔کہ دونوں کا ایمان جاتا رہیگا۔اور دونو کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

پھر درشت کلامی سے گالیوں پر لوگ اُتر آتے ہیں۔بعض لوگ نمازیں پڑھینگے دوسرے فرائض ادا کریں گے۔دین کے کاموں میں حصہ لیں گے۔لیکن گندی سے گندی ماں بہن کی گالیاں بھی دیں گے۔اور فساد پھیلائیں گے۔اس طرح اپنے آپ کو تباہ کریں گے۔اور دوسروں کو اشتعال دلا کر ان کی بھی عاقبت خراب کریں گے۔تمہیں چاہیئے۔کہ اس تباہ کن فعل سے بچو۔اور نرمی کی عادت ڈالو۔تا کہ خدا تعالےٰ بھی تمہارے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ورنہ اگر تم خدا تعالےٰ کی مخلوق پر درشتی کرتے ہو۔تو تم بھی اپنے آپ کو اس بات کا حقدار بناتے ہو کہ خدا تعالےٰ تم پر بھی درشتی کرے۔درشتی اور سختی۔جوش اور غصہ کی وجہ سے کی جاتی ہے۔مگر تمہارے لئے تو جوش اور غصہ نکالنے کے لئے کافی جگہ ہے۔تم اس کو محفوظ رکھو۔اور ضائع نہ کرو۔جس کو ایک بڑا سفر در پیش ہوتا ہے وہ اپنی روٹیاں کتوں کے آگے نہیں ڈالتا۔بلکہ ضرورت کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔تمہارے آگے بھی بہت بڑا سفر ہے۔تمہیں بھی بہت سی لڑائیاں لڑنی ہیں۔تمہیں بھی جوش اور طاقت کی ضرورت ہے۔پس تم اس کو اس وقت کے لئے محفوظ رکھو۔جب تمہیں کفر سے لڑائی کرنی پڑے۔ورنہ اگر تم نے یونہی جوش ضائع کر دیا۔تو یاد رکھو وقت پر کچھ نہ کر سکو گے۔کیونکہ جس انجن کی بھاپ نکل جاتی ہے وہ گاڑیاں نہیں کھینچ سکتا۔گاڑیاں وہی انجن کھینچتا ہے۔جس کے اندر بھاپ بند رہتی ہے۔پس تم غصہ اور جوش کے دبانے کے عادی بنو۔تا کہ نہ صرف خود ہی چلو۔بلکہ اوروں کو بھی کھینچ کر لے جا سکو۔

دیکھو نرمی ایسی ضروری چیز ہے۔کہ خدا تعالےٰ نبی کو کہتا ہے۔قُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا۔فرعون تمہیں گالیاں دیگا۔تم پر سختی کرے گا۔مگر تم اس سے نرم نرم باتیں کرنا یہ انہیں اس لئے کہا گیا کہ وہ فرعون کے سامنے بطور نمونہ تھے۔اگر وہی سختی کرتے اور درشتی سے پیش آتے۔تو وہ کہتا۔جس انسان کی اپنی یہ حالت ہے۔وہ مجھے کیا فائدہ

دے سکتا ہے۔ مگر ان کی نرمی کو دیکھکر فرعون گھبرا گیا۔ کیونکہ وہ سختی کرتا اور گالیاں دیتا تھا۔ مگر حضرت موسےؑ ہنس کر نرمی سے جواب دے دیتے۔ اس سے وہ گھبرا گیا کہ کوئی طاقت اور قوت ہے جس نے اسے سہارا دیا ہوا ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے۔ کہ سختی اور درشتی نے اس پر ذرا بھی اثر نہیں کیا۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ بجائے اسکے کہ سختی کیوجہ سے فرعون کا رعب حضرت موسےؑ پر پڑتا۔ یہ ہوا۔ کہ انکی نرمی کی وجہ سے فرعون پر ان کا رعب پڑ گیا۔ اکثر لوگ اپنا رعب داب جمانے کیلئے سختی کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی رعب سختی سے نہیں۔ بلکہ نرمی سے پڑتا ہے۔ اس لئے نرمی سے ہی کام لینا چاہیئے۔

نشوں سے پرہیز کرو

چوتھی بات نشوں کا ترک کرنا ہے۔ کئی نشلی چیزیں ہیں۔ جنہیں لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے قوموں کی قومیں ہلاک ہو گئی ہیں۔ چین کے ملک کی اتنی آبادی ہے۔ کہ اپنی وسعت کے لحاظ سے سب سے زیادہ آباد ہے۔ یعنے چالیس کروڑ اس کی آبادی ہے۔ مگر باوجود اس کے جاپان نے جس کی آبادی صرف ۷ کروڑ تھی۔ اسے ایسی خطرناک شکست دی۔ کہ جس کی حد نہیں۔ اور یورپ کی چند ہزار فوج نے چین کا دارالسلطنت فتح کر لیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی کہ چین کے لوگ افیم کھاتے تھے۔ اور پینک میں پڑے رہنے والوں نے لڑنے والوں کے مقابلہ میں کیا کرنا تھا؟

ایک قصہ ہے۔ نہ معلوم کہاں تک صحیح ہے۔ مگر مشہور ہے۔ کہ ایک افیمی پڑا تھا۔ اُسے خیال ہوا۔ کہ کوئی مجھے مارنے لگا ہے۔ اس پر اس نے لٹھ اٹھا کر اپنے ہی اوپر دے مارا۔ اور کہنے لگا۔ مجھے کوئی شخص مار گیا ہے۔ لیکن میں نے بھی اُسے خوب مارا ہے۔

نشہ ایسی بری چیز ہے۔ کہ نشہ کی عادی قوم کوئی کام نہیں کر سکتی۔ زیادہ نشہ والی چیزیں جسمانی نقصان پہنچاتی ہیں۔ اور جو کم نشہ والی ہوتی ہیں۔ ان سے اگر جسم کو نقصان نہ بھی ہو۔ تو روح کو ضرور ہوتا ہے۔

حُقّہ کی کثرت

ہمارے ملک میں ایک عام نشہ والی چیز حُقّہ ہے۔ یوں

تو اس کا نشہ اس طرح نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسری نشہ والی چیزوں کا ہوتا ہے۔ مگر اس کی وجہ سے اعصاب بے حس ہو جاتے ہیں۔ امریکہ سے کوئی کمبخت اسے لایا تھا۔ مگر اب یہ تین سو سال کے عرصہ میں اس قدر پھیل گیا ہے۔ کہ قرآن کریم تیرہ سو سال میں اتنا نہیں پھیلا۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ اس میں نشہ ہے۔ حقّہ پینے والا رمضان میں کہتا ہے۔ کہ میرے پیٹ میں درد پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر میں حقّہ نہ پیوں اور اس طرح رمضان کی برکات سے محروم ہو کر سخت گنہگار بنتا ہے۔ لوگ پہلے تو اس کو اس لئے شروع کرتے ہیں۔ کہ اس سے قبض کھل جاتی ہے۔ مگر پھر انکی ایسی حالت ہو جاتی ہے۔ کہ پاخانہ میں بیٹھ کر تین تین دفعہ چلمیں بھروا تے ہیں۔ ایک شاعر کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ پاخانہ میں بیٹھ کر حقّہ کی نال اپنے منہ میں لے لیتا۔ اور کئی چلمیں پی جاتا۔ بظاہر حقّہ پینے والا سمجھتا ہے۔ کہ اس سے طاقت آتی ہے۔ مگر کیا جو لوگ حقّہ نہیں پیتے۔ وہ پینے والوں سے کمزور ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ہر حقّہ پینے والا شخص پچھلی عمر میں کھانستا ہی رہے گا۔ اور حقّہ پینے والوں کو ہمیشہ کھانسی کا عارضہ لاحق رہیگا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو چیز جسم کو سُن کر دیتی ہے۔ وہ آخر میں اعصاب کو ڈھیلا اور کمزور کر دیتی ہے۔ اور طاقت زوال کی طرف آجاتی ہے۔ حقّہ صحت کے لئے سخت مضر ہے۔ لوگوں نے پہلے یورپ والوں کو تمباکو استعمال کرتے دیکھا۔ اور پھر حقّہ کے رنگ میں اس کی ایجاد کر لی۔ اور یہ اس قدر پھیل گیا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ اوّل رضی اللہ عنہ فرماتے۔ کہ مکّہ میں کوئی شادی ایسی نہیں ہوتی۔ جس میں ہر ایک کے لئے ایک حقّہ نہ رکھا جاتا ہو۔ پھر ہمارے ملک میں بھی پھیلا ہوا ہے۔ اور کئی رنگ میں پھیلا ہوا ہے*

ایک سفر میں ایک پٹھان ہمارے ساتھ تھا۔ ایک جگہ اس کی نسوار کی ڈبی گر گئی۔ وہ ایسا پریشان ہوا۔ کہ راستہ میں جو شخص ملتا۔ بڑی لجاجت سے اس سے پوچھتا۔ کہ تمہارے پاس نسوار ہے؟ حالانکہ پٹھان اور لجاجت کیا؟ مگر وہ ایسا گھبرایا ہوا پھرتا۔ کہ اگر کوئی اُسے مار بھی لیتا اور نسوار دے دیتا۔ تو شاید وہ اسے یہی کہتا۔ کہ میں

تمہارا غلام ہوں۔ پھر ایک سخت گندے شہر میں پہنچ کر جب اس کو نسوار مل گئی۔ تو کہنے لگا۔ اس شہر کو گندا کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سے تو مجھے نسوار مل گئی ہے۔ اس کے نام کے ساتھ تو شریف کا لفظ لگانا چاہیئے۔

اس کے نشہ کی عادت ایسی خطرناک ہوتی ہے۔ کہ بعض دفعہ لوگ اس کی ایسی عادت ڈال بیٹھتے ہیں۔ اس کا چھوڑنا طبی طور پر بھی خطرناک ہو جاتا ہے۔ اور بڑی احتیاط چاہتا ہے۔ ایک دوست نے جب نسوار چھوڑی۔ تو اس کے حلق میں زخم ہو گیا۔ پھر یہ اس لئے بھی بری ہے۔ کہ انسان ہو کر ایسی بیجان چیزوں کی غلامی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایک انسان درختوں کے پتے کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے۔ مگر نشوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور ان کی بدترین غلامی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

یہاں ایک ایسا گندا اسلام کا دشمن تھا۔ جو فخریہ کہا کرتا تھا۔ کہ میں بچپن میں ہی سمجھا کرتا تھا۔ کہ کبھی جھکنا کبھی سر ٹیکنا یعنے نماز پڑھنا ایک فضول بات ہے۔ اور اب تو میں دانا اور عقلمند ہوں۔ اور ان حرکات کی لغویت کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس کے پاس کئی لوگ حقہ پینے کے لئے جا بیٹھتے۔ وہ حضرت مسیح موعود کو برا بھلا کہتا رہتا۔ اور وہ سر جھکائے سنتے رہتے اس سے بدترین غلامی اور کیا ہو گی؟

نشہ والے دوسروں کو نشہ میں کیوں شریک کرتے ہیں؟

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نشے والے دوسروں کو بھی اس چیز میں شریک کرنا چاہتے ہیں جو خود استعمال کرتے ہیں۔ ایک معزز دوست کے ہاں ایک دفعہ انکے بھائی صاحب ملنے کے لئے آئے۔ ایک کمرہ میں انکے بچے اور چند اور احمدی بیٹھے تھے ان صاحب نے افیون کی ڈبیہ نکالی۔ اور سب کے آگے پھرائی۔ جب کسی نے بھی اس میں سے کچھ نہ لیا۔ تو اس نے بڑے افسوس سے کہا۔ کیا کوئی بھی نہیں کھاتا؟

اس قسم کی باتوں کو دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ کہ نشے کے عادی دوسروں کو کیوں یہی چیز کھلانے کی کوشش کرتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی۔ کہ وہ سب کو نشہ لگانا چاہتے ہیں۔ کہ سب جگہ اس نشہ والے موجود ہوں۔ اور جہاں وہ جائیں۔ انہیں

وہ نشہ والی چیز میسر آ سکے۔ گویا وہ اپنے فائدہ کے لئے ساری دنیا کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔

حقہ پینا چھوڑ دو

میں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تم میں سے جو لوگ حقہ پینے کی عادت رکھتے ہیں۔ وہ چھوڑ دیں۔ اور اگر خود نہ چھوڑ سکیں۔ تو اپنے بچوں میں اس عادت کو نہ جانے دیں۔ اوّل تو ہم یہی چاہتے ہیں کہ حقہ کی عمر ان کی عمر سے چھوٹی ہو۔ یعنی وہ اپنی زندگی میں ہی حقہ کا خاتمہ کر دیں۔ لیکن اگر انہیں اتنا ہی عزیز ہے۔ کہ جیتے جی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ تو اپنی عمر کے ساتھ ہی اس کا بھی خاتمہ کریں۔ اور اپنے پیچھے اپنے بچوں میں اسے نہ چھوڑیں۔ لوگ اوّل اوّل تو تھوڑی سی تکلیف سے بچنے کے لئے بچے کو کہتے ہیں۔ حقہ سلگا دو۔ مگر چونکہ یہ نشہ ہے۔ اس کو بھی لگ جاتا ہے۔ اور وہ بھی اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنے بچوں تک اس بری عادت کو ہرگز نہ جانے دو۔ یہ ایک لعنت ہے۔ اور ایسی لعنت ہے۔ کہ روٹی کے لئے نہیں۔ مگر اس کے لئے گندی سے گندی اور ذلیل سے ذلیل مجلس میں جانا پڑتا ہے۔ اوّل تو میں یہی کہوں گا۔ کہ ہر ایک اسے چھوڑ دے۔ ورنہ جن کی عمر تیس سال تک کی ہے۔ وہ تو ضرور چھوڑ دیں۔ اور جن کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان ہے وہ بھی چھوڑنے کی کوشش کریں۔ اور جو اس سے بڑی عمر کے ہیں۔ وہ اگر نہ چھوڑ سکیں تو اپنی اولاد کو ضرور یہ کہیں۔ کہ ؎ من نہ کردم شما حذر بکنید

غیر احمدیوں میں لڑکیوں کے رشتے نہ کرو

پانچویں بات جو اس زمانہ میں ہماری جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ وہ غیر احمدی کو رشتہ نہ دینا ہے۔ جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے۔ وہ یقیناً حضرت مسیح موعودؑ کو نہیں سمجھتا۔ اور نہ یہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا چیز ہے؟ کیا ہے کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بیدین ہے جو کسی ہندو یا کسی عیسائی کو اپنی لڑکی دیدے ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو۔ مگر اس معاملہ میں وہ تم سے اچھے رہے۔ کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے۔ مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دے دیتے ہو۔ کیا اس لئے دیتے ہو؟ کہ وہ تمہاری قوم کا ہوتا ہے۔ مگر جس دن سے کہ تم احمدی ہوئے

تمہاری قوم تو احمدیت ہو گئی۔ شناخت اور امتیاز کے لئے اگر کوئی پوچھے۔ تو اپنی ذات یا قوم بتا سکتے ہو۔ ورنہ اب تو تمہاری قوم۔ تمہاری گوت۔ تمہاری ذات احمدی ہی ہے۔ پھر احمدیوں کو چھوڑ کر غیر احمدیوں میں کیوں قوم تلاش کرتے ہو۔ مومن کا تو یہ کام ہوتا ہے۔ کہ جب حق آجائے۔ تو باطل کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے متعلق میں ایک مثال سُناتا ہوں ؀

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شعروں کا بہت شوق تھا۔ طبائع کو بعض امور سے کچھ مناسبت ہوتی ہے۔ میری طبیعت کو بھی اشعار سے مناسبت ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک علاقہ کے گورنر کو لکھا۔ کہ اس علاقہ کے بڑے بڑے شاعروں کے کلام بھجواؤ۔ اس علاقہ میں دو بڑے شاعر تھے۔ ایک کا نام لبید تھا۔ یہ عرب کے بہت بڑے شاعر تھے اور بڑھاپے کی آخر عمر میں اسلام لائے۔ اور اسلام میں بھی بہت لمبی عمر پائی۔ اور دوسرا ایک اور شاعر تھا۔ گورنر نے ان کو بلا کر کہا۔ کہ قصیدے بنا کر دو۔ کچھ دنوں کے بعد ایک نے تو بنا کر دے دیا۔ مگر لبید جو بہت اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ جب ان کو کہا گیا۔ کہ قصیدہ سناؤ۔ تو انہوں نے اسطرح پڑھنا شروع کیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ
هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

گورنر نے کہا۔ یہ تو قرآن ہے۔ شعر سناؤ۔ انہوں نے پھر بھی آیات پڑھیں۔ تیسری بار پھر کہا۔ تو بھی یہی پڑھا۔ اور کہا۔ جب سے یہ کلام آیا ہے۔ میں شعر کہنا بھول گیا وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے شاعر تھے۔ مگر انہوں نے کہدیا۔ کہ جب سے قرآن سنا ہے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ اسکی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس زمانہ میں شعر فخر و مباہات کیلئے کہے جاتے تھے۔ دین کے لئے بہت کم کہے جاتے تھے۔ اس لئے انہوں نے چھوڑ دئے ؀

جس طرح وہاں قرآن کریم کے آنے پر شعر کہنے چھوڑ دئے گئے تھے۔ اسی طرح اب حضرت صاحب کے آنے پر سب پہلے رشتے چھوڑ دو۔ اور اسی کو اپنا رشتہ دار سمجھو۔ جو حضرت صاحب

کے ذریعہ تمہارا بھائی بنا ہے ؎

حضرت صاحبؑ نے بہت صاف اور واضح طور پر فرمایا ہے۔ کہ غیر احمدیوں کو لڑکی دینا گناہ ہے ہاں لینا جائز ہے۔ پس جب حضرت صاحبؑ لڑکی دینے کو گناہ قرار دیتے ہیں تو پھر تم کس طرح دیتے ہو؟ مگر ایسے ہیں۔ جو دیتے ہیں۔ اور عجیب عجیب عذر پیش کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ وعدہ کیا ہوا تھا۔ اسے پورا کرنا ضروری تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کیا اگر کسی نے مندر کے بُت کے آگے سجدہ کرنے کا وعدہ کیا ہُوا ہو۔ تو اس کے لئے پورا کرنا ضروری ہوگا؟ اگر نہیں۔ تو پھر تمہارے اس وعدہ کے پُورا کرنے کا کیا مطلب؟ بہت لوگ ان وعدوں کو تو پورا نہیں کرتے۔ جو خدا تعالےٰ سے انہوں نے کئے ہوئے ہیں۔ اور فرائض کو پوری دلیری سے توڑتے ہیں مگر وہ بات جسے ان کا دل چاہے۔ اس کے لئے وعدہ کا عذر گھڑ لیتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ سُنایا ہے ایک لڑکا ریوڑیاں کھا رہا تھا۔ اور بڑی حرص سے کھا رہا تھا۔ میں نے اس کو کہا۔ اس طرح کیوں کھاتے ہو؟ اس نے کہا۔ مجھے ریوڑیاں بہت پسند ہیں۔ کیونکہ حضرت صاحبؑ بھی کھایا کرتے تھے۔ میں نے کہا۔ حضرت صاحبؑ تو کونین بھی کھایا کرتے تھے۔ کیا تم بھی کھاتے ہو؟ اس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو اکثر لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے۔ کہ جس بات کے کرنے کو ان کا نفس چاہتا ہے۔ اسے کئی بہانے گھڑ کر کر لیتے ہیں۔ اور جس کو نہ چاہے۔ وہ خواہ کیسی ضروری بات ہو۔ اس کو نہیں کرتے۔ تمہیں غیر احمدیوں کو لڑکی دینے کے معاملہ میں اپنے نفس کی ہرگز اطاعت نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ ہر حال میں حضرت صاحبؑ کے حکم کو ماننا چاہیئے۔

کسی غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھو

چھٹی بات غیر احمدیوں کے جنازے پڑھنا ہے۔ ایسے لوگ ہیں جو جنازے پڑھتے ہیں۔ یہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو۔ کہ تمہارے جنازہ پڑھنے سے مُردہ بخشا جائے گا۔ تو تمہیں معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا تم خیال کرتے ہو کہ تمہارے جنازہ پڑھنے سے وہ غیر احمدی بخشا جاتا ہے؟ یا تم اس بات کے ذمہ دار ہو؟ کہ وہ جہنم سے بچ جائے۔ اگر نہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھتے ہو؟ کیا یہی نہیں کہ تم رشتہ داروں یا تعلق والوں کا منہ رکھتے ہو؟ اور کہتے

ہو اگر جنازہ نہ پڑھا تو انکو کیا منہ دکھائیں گے؟ حالانکہ وہی منہ دکھانا قابل عزت و فخر ہو سکتا ہے جو بے عیب ہو۔ مگر جو کافر کا جنازہ پڑھتا ہے اور خدا کے نبی کو گالیاں دینے اور جھٹلانے والے کا جنازہ پڑھتا ہے۔ اس کا منہ تو چھپانے کے قابل ہے نہ کہ دکھانے کے قابل۔ تم منہ دکھانے کے قابل اسی وقت ہو سکتے ہو۔ جب خدا کے دین کی محبت تمہارے اندر ہو۔ اگر تمہاری ایسی حالت ہو۔ اور میناروں پر چڑھ کر بھی اپنے منہ دکھاؤ۔ تو بھی جائز ہے۔ مگر جب تم خدا کا کوئی حکم توڑتے ہو۔ تو تمہیں غاروں میں گھس کر چھپنا چاہیئے۔ کیونکہ تم علے الاعلان سینکڑوں آدمیوں میں جا کر عملی طور پر کہتے ہو۔ کہ مرزا صاحب کے متعلق جو عقیدہ ہے۔ وہ غلط ہے۔ پس اس فعل سے بچو۔

یہ تو ترک شر کی باتیں تھیں۔ جو میں نے بیان کی ہیں۔ اب دوسرا حصہ لیتا ہوں۔ جو اعمال خیر کرنے کے متعلق ہے۔

نماز باجماعت پڑھو۔

اوّل حکم نماز کا ہے۔ یہ اسلام کا بھی پہلا حکم ہے اور میں نے بھی اس کو پہلے ہی رکھا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو عملی عبادتوں کی جان قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ جس کی نماز نہیں۔ اس کا دین نہیں۔ مگر میں افسوس سے کہوں گا۔ کہ آپ میں سے بہت لوگ ہیں جو اس کی طرف پوری پوری توجہ نہیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ تو احمدیوں میں بہت ہی کم ہوں گے۔ جو بالکل نماز پڑھتے ہی نہ ہوں۔ مگر ایسے ہیں۔ جو گنڈے دار نماز پڑھتے ہیں۔ ایک آدھ نماز پڑھ لیں گے۔ باقی نہیں پڑھیں گے۔ یا شیعوں کی طرح جمع کر کے نمازیں پڑھ لیں گے۔ پھر ایسے ہیں۔ جو گھر میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ نماز ہو گئی لیکن کیا آپ لوگوں میں سے جو لوگ دفتروں میں ملازم ہیں۔ وہ اس طرح کر سکتے ہیں۔ کہ دفتر نہ جائیں؟ اور گھر میں ہی رجسٹرے کر بیٹھ رہیں۔ کہ کام ہی کرنا ہے۔ وہ گھر میں کر لیا ہے۔ اگر اس طرح کوئی کرے۔ تو اس کی ملازمت قائم نہ رہے گی۔ میں پوچھتا ہوں اگر دفتر کا کام گھر میں بیٹھ کر کرنے سے منظور نہیں کیا جاتا۔ تو نماز گھر میں پڑھ لینے سے کیونکر منظور ہو سکتی ہے؟ نماز تو باجماعت ہی ہو گی۔ بے شک مجبوریوں کو مدنظر رکھکر

گھر میں نماز پڑھ لینے کو جائز کر دیا گیا ہے۔ اور اس حالت میں الگ بھی نماز پڑھ لی جا سکتی ہے۔ مثلاً اگر دفتر میں کام کرتے ہوئے نماز کا وقت آ جائے۔ تو بے شک وہاں پڑھ لو۔ مگر جہاں کوئی مجبوری نہیں۔ اس حالت کے متعلق میرا یہی عقیدہ ہے کہ نماز نہیں ہوتی۔ میں چار سال سے نماز باجماعت پڑھنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ اور اب بھی کہتا ہوں۔ اور میں نہیں سمجھتا۔ کہ یہ بات جو پورے وثوق اور پورے یقین کے ساتھ میں سمجھتا ہوں۔ اس کے متعلق مرتے دم تک بھی میرا خیال بدلے۔ وہ سچی اور پکی بات یہ ہے۔ کہ جو شخص مسجد میں جا سکتا ہے۔ مگر نہیں جاتا۔ اور گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے۔ اسکی نماز نہیں ہوتی۔ وہ قیامت کے دن جا کر دیکھے گا۔ کہ کوئی نماز اسے نہیں ملے گی۔ اور کوئی نہ ملے گی۔ وہ حیران ہو کر کہیگا۔ کہ میری باقی نمازیں کہاں گئیں؟ مگر اسے کہا جائیگا کہ باقی نمازیں تم نے پڑھیں کب تھیں؟ تو ایسے لوگ اس وقت حیران ہونگے۔ مگر میں انہیں اب بتاتا ہوں۔ کہ ان کی وہ نمازیں جو بغیر کسی عذر کے وہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ بلکہ گھروں میں پڑھتے ہیں نہیں ہوتیں۔ اور اس وقت ان کا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا اور نہ قبول کیا جائے گا۔ خدا کے حضور ان کی نمازیں نہیں لکھی جاتیں۔ صرف انہی کی لکھی جاتی ہیں۔ جو باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ مجبور ہوں۔ مسجد میں نہ جا سکتے ہوں۔ مثلاً کوئی بیمار ہو یا کہیں ملازم ہو۔ ملازم کو یہ دیکھ لینا چاہیئے۔ کہ اگر اسے کوئی ایسی ملازمت مل سکتی ہے جس میں باجماعت نماز پڑھنے کا موقع ہے۔ تو اسے ترجیح دینی چاہیئے۔ بعض دفعہ ملازموں کو ان کے افسر نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ ایک افسر تھا۔ وہ ایک احمدی کو نماز نہیں پڑھنے دیتا تھا۔ اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ اور دوسری جگہ کر لی۔ دوسری جگہ اسے ایسا انگریز افسر ملا۔ جس نے خود مصلیٰ لا کر دیا۔ اور کہا۔ اس پر میرے سامنے نماز پڑھا کرو۔ تو جو شخص خدا تعالےٰ کے لئے کوئی کام کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ خود اس کا انتظام کر دیتا ہے۔

یہ تو مجبوری کی حالت کے متعلق ہے۔ مگر ایسے لوگ ہیں۔ جو بغیر کسی مجبوری کے سُستی اور کاہلی سے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کیلئے نہیں آتے۔ اُن کی

Khuda ... 13657
Acc. No. 27/1/79

نہ نمازیں ہوتی ہیں۔ اور نہ انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ بتاؤ۔ اس شخص کی نسبت تم کیا کہو گے؟ جس کے مکان کی ایک دیوار گری ہوئی ہو۔ اور وہ کہے کہ رات کو کوئی میرا اسباب لیجاتا ہے کچھ پتہ نہیں لگتا۔ کہ کیوں کرے جاتا ہے؟ اسی طرح اس شخص کی حالت ہے جو نماز تو باجماعت نہیں پڑھتا۔ اور کہتا ہے کہ مجھے تقویٰ و طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ مجھ پر حقائق اور معارف نہیں کھلتے۔ تم لوگ اپنے وقت کا حرج کر کے اور ایک حد تک نقصان بھی برداشت کر کے باجماعت نمازیں پڑھو۔ ہو سکتا ہے۔ کہ بعض لوگ مسجد سے بہت دور ہوں جیسا کہ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ کہ کوئی شہر کے کسی حصہ میں رہتا ہے اور کوئی کسی حصہ میں۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کیوں قریب قریب کے دس پندرہ آدمی مل کر ایک جگہ معین نہیں کر لیتے؟ کہ وہاں جمع ہو کر نماز پڑھ لیا کریں؟ کوئی اس بات کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ کہ سارے کے سارے ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں۔ سو سو گز کا حلقہ بنا لیا جائے اور اس حلقہ میں رہنے والے ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھ لیا کریں۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

نماز کا ترجمہ سیکھو

پھر نماز کا ترجمہ سیکھو۔ اور سمجھ کر پڑھو۔ تا کہ نفع حاصل ہو۔ یہ کوئی مشکل امر نہیں۔ بلکہ بالکل آسان ہے۔ وہ لوگ جو نماز کا ترجمہ نہیں سیکھتے۔ کیا انہیں خیال نہیں آتا؟ کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ کا راستہ پوچھے۔ اور اسے انگریزی میں بتا دیا جائے۔ حالانکہ وہ انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ سمجھتا ہو تو وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح وہ شخص جس کے لئے موقع ہے۔ کہ نماز کا ترجمہ اور معنے پڑھے۔ مگر وہ نہیں پڑھتا۔ وہ بھی نماز کے ذریعہ اس جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ جہاں نماز پہنچاتی ہے۔

پس تم نماز باجماعت پڑھو۔ اور پانچوں وقت پڑھو۔ سوائے اس وقت کے جو دفتر میں آ جائے۔ یا جہاں جماعت کا انتظام نہ ہو سکتا ہو۔ اور سمجھ کر پڑھو۔ تا کہ اس کا تمہیں فائدہ ہو۔ دفتر کا عذر بھی ظہر اور عصر کی نماز کے متعلق ہو سکتا ہے۔ باقی نمازوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر تم ان اوقات میں باجماعت نماز پڑھو گے۔ تو خدا تعالےٰ ایسا تغیر کر دے گا۔ کہ تمہارے افسر مسلمان ہو جائیں گے۔ اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھا کریں گے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اوقات جن میں تم باجماعت نماز پڑھ سکتے ہو۔ ان میں

بھی نہ پڑھو۔ اگر تم ان اوقات میں بھی نماز با جماعت نہیں پڑھتے۔ تو دوسرے اوقات کے لئے خدا تعالیٰ کو کس طرح غیرت آئے۔ کہ تمہارے لئے کوئی سامان کردے؟

روزے رکھو

دوسرا عمل جو اصلاح نفس سے تعلق رکھتا ہے۔ روزہ ہے روزہ بھی انسان کے نفس کو اسی طرح پاک کرتا ہے۔ جس طرح نماز پاک کرتی ہے۔ اور یہ چٹیاں نہیں ہیں۔ جس طرح عیسائی کہتے ہیں۔ کہ شریعت لعنت ہے اس کی مثال تو ایسی ہی ہوگی۔ کہ کسی شخص کو نمونیا ہو۔ ڈاکٹر اسے کہے فلاں نسخہ استعمال کرو۔ مگر وہ روئے اور چلائے۔ کہ نسخہ تو لعنت ہے۔ اسے میں کیوں استعمال کروں؟ کیا اس کے لئے نسخہ لعنت ہوگا؟ یا رحمت؟ کوئی شخص بھی اُسے لعنت نہیں کہیگا۔ اسی طرح شریعت لعنت نہیں بلکہ رحمت ہے۔ چنانچہ نماز کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کہ نماز چونکہ بدیوں سے روکتی ہے۔ اس لئے ہم اس کا حکم دیتے ہیں اسی طرح روزہ کے متعلق فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۲-۱۷۹)

کہ روزہ کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تم متقی ہو جاؤ۔ تو روزہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ اس کے ذریعہ تم گناہوں سے بچ جاؤ گے۔

پس روزہ چٹی نہیں۔ بلکہ متقی بننے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مگر بہت لوگ ہیں۔ جو اسے چٹی خیال کرتے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ بالعموم ایسا سمجھتے ہیں۔ اور ان میں روزہ کا بہت کم رواج ہے۔ اسی طرح میں دیکھتا ہوں۔ کہ جو زمیندار طبقہ کے لوگ ہیں۔ وہ بھی روزہ کی طرف کم توجہ کرتے ہیں۔ اور اسی تلاش میں رہتے ہیں۔ کہ روزے سے بچنے کا فتویٰ مل جائے۔ اور اسی طرح جس طرح حضرت صاحبؑ کے پاس بعض لوگ یہ کوشش کیا کرتے تھے۔ کہ سود کی اجازت مل جائے۔ اور اس کے لئے عجیب عجیب عذرات پیش کیا کرتے۔ حتےٰ کہ ایک شخص نے کہا۔ کہ اگر روپیہ بنک میں نہ رکھیں۔ تو گھر میں چوری ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور بنک میں رکھیں تو سود

ملتا ہے۔ اگر سود نہ لیں تو عیسائیت کی تبلیغ میں خرچ کیا جاتا ہے۔ کیا اسکو بھی نہ لیں آپ نے فرمایا۔ ہم خود نہ لو۔ بلکہ اشاعت اسلام کے لئے دے دو۔ ایک شخص نے حضرت صاحبؑ کی وفات پر کہا۔ واہ مرزیا! مرگیوں پر سود جائز نا۔ ای کیتا ۔

تو شریعت نے جو حکم دیا ہے۔ اُسے کوئی بدل کس طرح سکتا ہے؟ اگر کوئی شریعت کے خلاف فتویٰ دے بھی دے۔ تو بھی شریعت کا حکم نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پس میں روزہ کے متعلق خاص طور پر نصیحت کرتا ہوں۔ اس کی قدر کرو۔ اور اس پر عمل کرو۔

علم سیکھو

تیسری بات علم کا سیکھنا ہے۔ مومن کبھی جاہل نہیں ہو سکتا الف۔ ب۔ ت۔ پڑھا ہوا نہ ہو۔ تو ہو۔ مگر علم سے جاہل نہیں ہو سکتا کیا حضرت صاحب کتابی علم اس زمانہ کے مولویوں سے زیادہ جانتے تھے؟ مولوی تو اُن کے متعلق یہی کہتے تھے۔ کہ منشی ہے لکھنا جانتا ہے۔ علم اس کے پاس کہاں ہے؟ مگر کیا یہ درست نہیں کہ آپ نے ہر علمی مقابلہ میں ان علم جاننے والوں کو شکست دی؟ پھر یہی نمونہ حضرت مولوی صاحبؓ کے زمانہ میں تھا۔ اور پھر اب بھی یہی ہے۔ میں نے کوئی امتحان پاس نہیں کیا۔ ہر دفعہ فیل ہی ہوتا رہا ہوں۔ مگر اب میں خدا کے فضل سے کہتا ہوں۔ کہ کسی علم کا مدعی آجائے۔ اور ایسے علم کا مدعی آجائے۔ جس کا میں نے نام بھی نہ سُنا ہو۔ اور اپنی باتیں میرے سامنے مقابلہ کے طور پر پیش کرے۔ اور میں اُسے لاجواب نہ کر دوں۔ تو جو اس کا جی چاہے کہے۔ ضرورت کے وقت ہر علم خدا مجھے سکھاتا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں ہے جو مقابلہ میں ٹھہر سکے۔ ابھی سورۃ الناس کی تفسیر جو میں نے سُنائی ہے۔ یہ الہام ہی کے ذریعہ مجھے بتائی گئی ہے۔ حضرت صاحبؑ نے لکھا ہے۔ کہ اس میں گورنمنٹ کی وفاداری کی تعلیم دی گئی ہے۔ میں نے بہت غور کیا مگر یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی کہ کس طرح اس میں گورنمنٹ کی وفاداری کی تعلیم دی گئی ہے؟ لیکن اسی جگہ جب میں نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ تو سجدہ میں جاتے ہوئے ایک سیکنڈ میں ساری تفسیر اس طرح میرے قلب میں ملا دی گئی۔ جس طرح شکر دودھ میں ملا دی جاتی ہے۔ اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ یہ اس میں سے بہت مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ ورنہ دنیا کے سارے موجودہ مفاسد کے متعلق اس کی نہایت لطیف تفسیر

بیان کی جاسکتی ہے ؛

پس تم دین کا علم حاصل کرو۔ بے شک دنیا کا علم بھی ضروری ہے۔ مگر دین کا اس کے ساتھ ضرور رہو۔ اب جو لوگ دنیا کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ اپنا حق سمجھ لیتے ہیں کہ مذہبی مسائل پر بھی بولیں۔ لیکن یہ غلط بات ہے۔ تم ظاہری علوم بھی پڑھو۔ مگر اُن کے ساتھ دین کا علم بھی ضرور سیکھو۔ اور اس قدر سیکھو کہ خدا کی طرف سے باتیں سمجھنے کی اہلیت تم میں پیدا ہو جائے ؛

جیسا کہ میں ابھی کہہ آیا ہوں۔ مومن جاہل نہیں ہو سکتا۔ مگر جاہل نہ ہونے سے میری یہ مراد نہیں۔ کہ خط پڑھ سکتا ہے۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی خط نہ پڑھ سکتے تھے۔ مگر ان سے بڑا عالم کون تھا؟ یا کون ہوگا؟ ساری دنیا کے عالم آپ کی جوتیاں اٹھا کر رکھنے کے بھی قابل نہ تھے۔ تم بے شک ظاہری علوم پڑھو۔ مگر دین کا علم ضرور حاصل کرو۔ اور اپنے اندر دین کی باتیں سمجھنے اور اخذ کرنے کا ملکہ پیدا کرو ؛

اس کے لئے ایک تو قرآن کریم سیکھو۔ اور دوسرے حضرت صاحب کی کتابیں پڑھو۔ اور خوب یاد رکھو۔ کہ حضرت صاحب کی کتابیں قرآن کی تفسیر ہیں۔ کل میں ان کے متعلق ایک خاص نکتہ بتاؤں گا۔ آج صرف اتنا ہی کہتا ہوں۔ کہ وہ قرآن کی تفسیر ہیں۔ ان کو پڑھو ؛

خدا کی محبت دل میں پیدا کرو

چوتھی نصیحت میں آپ لوگوں کو یہ کرنی چاہتا ہوں کہ خدا اور اس کی محبت کے مقابلہ میں باقی سب کچھ ہیچ ہے۔ آپ لوگ کہیں گے۔ ہم مسلمان ہیں۔ پھر خدا تعالےٰ اور رسول کریمؐ سے محبت کیوں نہ ہوگی۔ مگر بہت لوگ ہوتے ہیں۔ جن میں حقیقی محبت بہت کم ہوتی ہے ان کا اعتقاد خدا تعالےٰ اور رسول کریمؐ کے متعلق عقلی یا رسمی ہوتا ہے۔ مگر احمدیوں کا ایسا اعتقاد نہیں ہونا چاہیئے۔ تمہارا خدا تعالےٰ سے محبت کا وہ تعلق ہونا چاہیئے۔ جو ماں کو بچہ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کو بھی عقلی کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہ عقلی سے اوپر کا درجہ رکھتا ہے ؛

پس تمہیں اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ سے ایسا محبت کا تعلق ہو۔ کہ جب ان کے خلاف کوئی بات سنو۔ تو یہ نہ ہو۔ کہ عقلی اور رسمی لحاظ سے تمہارے اندر جوش پیدا ہو۔ بلکہ اس طرح جوش اور محبت پیدا ہو۔ جس طرح تمہارے ماں باپ کو جب کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ تو اس وقت ان کی محبت تمہارے دل میں جوش مارتی ہے۔ یہ تو ضروری بات ہے۔ کہ جس کا باپ مارا جائے گا۔ اس کو نقصان پہنچیگا۔ مگر کوئی شخص اس نقصان کی وجہ سے اپنے باپ کے دشمن سے نہیں لڑتا۔ بلکہ اس لئے لڑتا ہے۔ کہ وہ اس کا باپ ہے۔ پس تم ان اعتراضات کا جو خدا تعالیٰ۔ رسول کریمؐ۔ اور مسیح موعودؑ پر کئے جائیں۔ اس لئے اندفاع نہ کرو۔ کہ تمہیں اُن سے عقلی یا رسمی لحاظ سے تعلق ہے۔ بلکہ اس لئے کرو۔ کہ تمہیں ان سے الفت اور محبت ہے اور ان کی محبت تمہارے روں روں میں رچی ہوئی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ تم لوگوں کو گالیاں دینے پھرو یا ان سے لڑنا شروع کردو۔ میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں۔ کہ کسی سے درشتی نہ کرو۔ ہاں میں یہ کہوں گا۔ کہ جب تم خدا یا رسول کریمؐ یا مسیح موعودؑ کے خلاف کوئی بات سنو۔ تو تمہارے سر سے لے کر پاؤں تک ایک شعلہ نکل جائے۔ اور تم جواب دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ تمہارا تعلق ایسا ہونا چاہیئے کہ جس وقت کوئی شخص خدا تعالیٰ یا رسول کریمؐ یا مسیح موعودؑ یا وہ لوگ جو تمہارے لئے واجب الادب ہیں۔ ان کے خلاف کوئی بات سنو۔ تو اس وقت تمہارے جسم میں غیرت اور نفرت کی لہر چلنی چاہیئے۔ اور تمہارا جسم کانپ اُٹھنا چاہیئے۔ پھر جب تم اس لہر اور جوش کو دباؤ گے اور روکے رکھو گے۔ تو تمہیں بہت فائدہ ہوگا۔ اور تم بڑے بڑے کام کر سکو گے۔ یہ نہیں کہ ایسے وقت میں تمہارے اندر غیرت اور حمیت کی لہر ہی پیدا نہ ہو۔ اگر ایسا ہوگا۔ تو یہ بے غیرتی ہوگی۔ جو ذلیل ترین چیز ہے۔

قادیان آؤ

پانچویں بات جو ان چاروں باتوں میں ممد ہوگی۔ وہ قادیان کی آمد ہے۔ اس کے لئے میں نے بارہا کہا ہے۔ اور اب بھی کہتا ہوں۔ کیونکہ یہاں کی آمد میں بے شمار فوائد ہیں۔ اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر کوئی اس پر غور کرے۔ کیونکہ یہ اُن باتوں کے لئے ممد ہے جو میں نے بیان کی ہیں۔

قادیان آنے کا ایک فائدہ

ایک تو اس طرح کہ خدا تعالےٰ نے قادیان کو اسلام کی ترقی کا مرکز بنا دیا ہے - اور یہ قدرتی بات ہے - کہ جو چیز مرکز سے جس قدر قریب ہوگی وہ اس سے جو دور ہوگی - اتنی ہی زیادہ مضبوط ہوگی - وہی لکڑی کمزور ہوگی اور وہی ٹوٹے گی جو مرکز سے دور ہوگی - اور جس کا مرکز سے کم تعلق ہوگا - اسی طرح مرکز سے تعلق رکھنے والا انسان ہلاکت سے بچا رہتا ہے دیکھو وہ بچہ جو ماں کی گود میں ہے - اس کی نسبت ہلاکت سے زیادہ بچا ہوا ہے جو کھیل رہا ہے پھر وہ بچہ جو گھر میں کھیل رہا ہے - اس کی نسبت ہلاکت سے زیادہ بچا ہوا ہے جو گلی میں کھیل رہا ہو اور جو گلی میں کھیل رہا ہے - وہ اس کی نسبت ہلاکت سے زیادہ بچا ہوا ہے - جو گاؤں کے کسی دوسرے حصہ میں کھیل رہا ہے - اور جو گاؤں کے کسی دوسرے حصہ میں کھیل رہا ہے وہ اس کی نسبت زیادہ ہلاکت سے بچا ہوا ہے جو گاؤں سے باہر کھیل رہا ہے ؛

خدا تعالےٰ نے قادیان کو مرکز قرار دیا ہے - اور اسے اُم کہا ہے - پس اس سے جتنا جتنا زیادہ کوئی تعلق رکھے گا - اتنا ہی زیادہ فائدہ اٹھائے گا - اور اتنا ہی زیادہ خطرات سے بچا رہے گا ؛

میں نے اس طرف اپنی جماعت کے لوگوں کو بہت دفعہ توجہ دلائی ہے - اور توجہ ہوئی بھی ہے - مگر غربا میں سے تو ایسے لوگ ہیں - جو چار پانچ چھ دفعہ سال میں یہاں آئیں گے - لیکن امراء نہیں آتے - وہ سمجھتے ہوں گے - ہم بڑے ہو گئے ہیں - ہمیں جانے کی کیا ضرورت ہے مگر یاد رکھو - بچہ کبھی ماں سے بڑا نہیں ہو سکتا - خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو جائے - اگر وہ اپنی ماں کے مقابلہ میں کہتا ہے - کہ میں بڑا ہو گیا ہوں - تو جاہل ہے - نادان ہے - یہ ٹھیک ہے - کہ باہر گیا ہوا دودھ بھی فائدہ دے سکتا ہے - مگر اتنا نہیں جتنا تازہ دودھ - یہی وجہ ہے - کہ نازک اور چھوٹے بچے کے لئے ماں کی چھاتی کا دودھ خدا تعالےٰ نے رکھا ہے - بڑے انسان کو گائے - بھینس کا دودھ بھی فائدہ دے سکتا ہے - مگر چھوٹے بچے کے لئے ماں کا دودھ ہی فائدہ بخش ہو سکتا ہے - تمہاری حالت ابھی چھوٹے بچے کی سی ہے - اس لئے تمہیں

اس جگہ آ کر جسے خدا تعالیٰ نے اُمّ قرار دیا ہے۔ روحانیت کا تازہ بتازہ دودھ پینا چاہیئے ؎

دوسرا فائدہ دوسرا فائدہ یہاں آنے میں یہ ہوگا۔ کہ ایک تو تم ان کاموں میں جو یہاں ہو رہے ہیں۔ مدد دے کر ثواب حاصل کرو گے۔ دوسرے اوروں کو دیکھ کر روحانی باتوں کے حاصل کرنے کی تحریک ہو گی۔ یہاں تاجر بھی رہتے ہیں۔ مگر نمازوں اور درس کے وقت دکانیں بند کر کے چلے جاتے ہیں۔ اور سودے والے شکایت کرتے ہیں۔ تو یہاں دوسروں کو دیکھ کر بھی نیک اور دینی باتوں میں حصہ لینے کی تحریک ہوتی ہے ؎

تیسرا فائدہ تیسرا فائدہ یہ ہے۔ تعلقات مابین میں زیادتی ہوتی ہے۔ ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے واقفیت پیدا ہوتی ہے۔ جلسہ کے دنوں میں یہ بات پورے طور پر حاصل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے دنوں میں جب لوگ آتے ہیں ایک دوسرے کو اپنے حالات اور تکالیف سناتے ہیں۔ تو ایک دوسرے کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ صحابہؓ آپس میں کہا کرتے تھے۔ آؤ ایمان تازہ کریں۔ اور یہ اس طرح کہ ایک دوسرے کے حالات سنتے اور فائدہ اٹھاتے۔ پھر اس طرح ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے اس غرض کے لئے بھی قادیان آنا ضروری ہے ؎

چوتھا فائدہ چوتھا فائدہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو متفرق بھیڑوں کی طرح نہیں بنایا۔ بلکہ ایک انتظام کے ماتحت رکھا ہے۔ ایک شخص کے ہاتھ پر اس نے تمہیں جمع کیا ہے۔ اور وہ خلیفہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو سامنے رہتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے جو سامنے نہیں ہوتا۔ پھر جو زیادہ خط لکھتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ جو کم خط لکھتا ہے۔ پھر جو شخص یہاں آ کر رہتا ہے۔ اسکی روحانیت کو اس سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ جو یہاں نہیں آتا۔ یا کم آتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہر تہجد میں ایک سجدہ قادیان میں رہنے والوں کیلئے دعا کرنے کیلئے مخصوص کیا ہوا۔ یوں تو وہ دوسری دعاؤں میں بھی شامل ہو جاتے ہیں مگر ایک سجدہ میں خاص طور پر ان کے لئے دُعا کی جاتی ہے پھر بعض اوقات مجلس میں بیٹھے

بیٹھے دعا کی تحریک ہوتی ہے۔ اس وقت میں اس طرح دعا کرتا ہوں کہ اول ان کے لئے جو اس مجلس میں بیٹھے ہوں۔ پھر ان کو ساتھ ملا کر جو قادیان میں رہتے ہیں۔ پھر ساری جماعت کے لئے۔ اس میں پھر قادیان والے آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک روحانی اثر ہوتا ہے۔ جو سامنے آنے والے لوگوں پر پڑتا ہے۔ اس کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ مگر یہ تو عام بات ہے۔ کہ جب ڈاکٹر بیمار کے پاس آتا ہے۔ تو بیمار کے چہرہ پر بشاشت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ ڈاکٹر کا اثر اس پر پڑتا ہے اسی طرح دعا کے علاوہ قلب کا ایک اثر ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ بہت سی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور اس اثر کو وہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو مجلس میں آکر بیٹھے۔ اور جو مجلس میں نہیں آتا۔ اس پر یہ اثر نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ حضرت صاحبؑ کے زمانہ میں بعض ایسے لوگ تھے۔ جو قادیان میں رہتے تھے۔ مگر آپؑ کی مجلس میں نہ آتے تھے۔ پھر انہیں کو ابتلاء آیا۔ تو جو شخص مجلس میں نہیں آتا۔ وہ خواہ زبان سے کچھ بھی نہ بولے دل ہی دل کے ذریعہ اثرات میں سے حصہ لے لیتا ہے۔

پانچواں فائدہ

پانچواں فائدہ یہ ہے۔ کہ خود قادیان برکات کا موجب ہے اور بعض مقام ایسے ہوتے ہیں۔ جن کا برکات سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مکہ اور مدینہ کی نمازوں کا اور جگہ کی نمازیں مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ تو مقام سے بھی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ اور ہمیشہ ہوتی ہیں۔ دیکھو۔ مکہ کے لوگ اب گندے ہو گئے ہیں۔ مگر مکہ تو خراب نہیں ہو گیا۔ پیغامیوں میں سے بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ قادیان جا کر کیا لینا ہے؟ مگر وہ نہیں سمجھتے۔ کہ انسان کی برکتوں سے علیحدہ مقام کی بھی برکتیں ہوتی ہیں۔ جو شخص برکت والے انسان سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ برکت والے مقام پر جا کر دوہری برکتیں حاصل کرتا ہے۔ اور جو صرف مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ایک طرح کی برکتیں حاصل کرتا ہے۔ اب اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ نعوذ باللہ قادیان میں کوئی انسان برکت والا نہیں رہ گیا۔ تو بھی قادیان تو برکتوں سے خالی نہیں ہو سکتی۔ گندا انسان اپنا گند

اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ نہ کہ یہاں کی برکتیں بھی لے جا سکتا ہے۔

یہ پانچواں فائدہ ہے قادیان آنے کا۔ یہاں کی نماز۔ یہاں کا روزہ۔ یہاں کی عبادت۔ یہاں کا درس باہر کے مقابلہ میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ یہاں ہی وہ مسجد اقصےٰ ہے۔ جس کی نسبت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ پھر یہاں ہی وہ مسجد ہے۔ جس میں خدا کا مسیح اترا۔ پھر یہاں ہی وہ مسجد ہے۔ جہاں راتوں رات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس تاریکی کے زمانہ میں آکر اترے۔ اس اندھیری رات میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے اور اس جگہ آگئے پس ان برکتوں کی وجہ سے بھی یہ مقام بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے۔

چھٹا فائدہ

چھٹا فائدہ یہ ہے۔ کہ انسان پوری طرح اس وقت تک کوئی کام نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کام کی اہمیت اس کے ذہن نشین نہ ہو۔ باہر رہ کر پتہ نہیں لگ سکتا۔ کہ کس طرح کوئی کام کرنا ہے؟ خواہ کتنا ہی شور ڈالا جائے۔ اور کتنے ہی زور کے ساتھ آگاہ کیا جائے۔ پھر بھی باہر والوں کو پورا پورا پتہ نہیں لگ سکتا۔ یہاں ایک ایک رات میں ایسا کام پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کا خون خشک ہو جاتا ہے۔ مگر اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ جو یہاں رہتا ہو۔

پچھلے ہی دنوں تبلیغ کے رستہ میں ایک روک پیش آگئی۔ اسی سے میری طبیعت خراب ہو گئی۔ عام طور پر مجھے قبض رہی ہے۔ مگر اس کی وجہ سے اسہال شروع ہو گئے اس بات سے باہر کے لوگ بالکل ناواقف ہیں۔ مگر یہاں کے لوگوں میں کسی نہ کسی طرح اس کی بھنک پڑ گئی۔ اور ان پر اس کی اہمیت ظاہر ہو گئی۔

تو یہاں کی ضروریات اور یہاں کے کاموں کی اہمیت وہی سمجھ سکتے ہیں۔ جو یہاں آکر رہیں۔ اور جب یہاں آکر کاموں کی اہمیت سے آگاہ ہوں گے تو ان میں کام کرنے کا جوش اور ولولہ بہت زیادہ پیدا ہوگا۔

ساتواں فائدہ

ساتواں فائدہ یہ ہے۔ کہ بعض باتیں مرکزی امور سے تعلق رکھتی ہیں اور انفرادی کاموں کی برکتیں انکا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ دیکھو انفرادی طور پر ایک سپاہی لڑکر جان بھی دیدیتا ہے۔ مگر ملک اسکی اتنی قدر نہیں کرتا جتنی وزیر جنگ کی کرتا ہے۔ کیونکہ وزیر مرکزی بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ تو باہر جو لوگ کام کرتے ہیں۔ وہ انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر یہاں جو کام کرتے ہیں وہ مرکزی کام کرکے مرکزی برکات سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں ÷

یہاں آنے کی یہ سات برکات ہیں جو نفس کی اصلاح سے تعلق رکھتی ہیں ÷

دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرنا

اپنے نفس کی اصلاح کے بعد دوسری بات دوسروں کو نفع پہنچانا ہے۔ اور یہ چیز بھی دو قسم کی ہے۔ پہلی باتیں تو عمل خیر تھیں۔ اور یہ ایصال خیر ہیں جو دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک جسمانی طور پر اور دوسرا روحانی طور پر۔ جسمانی یعنے جسم کا فائدہ پہنچانا۔ اور روحانی یعنے روح کو فائدہ پہنچانا ÷

جسمانی کی ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ کہ مادی تعلیم بیان کرنے کے لئے وقت نہیں ہے اور یہ زکوٰۃ۔ خیرات اور چندہ دینا ہے۔ جنہیں شریعت نے ضروری قرار دیا ہے ÷

زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ تو ایسی ضروری چیز ہے۔ کہ جو نہیں دیتا وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ :۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (۹-۱۰۳)

اس میں تو رسول کریمؐ کو حکم ہے کہ تو لے۔ اب جب کہ آپ نہیں رہے۔ تو اور کون لے سکتا ہے؟ نادانوں نے یہ نہ سمجھا۔ کہ وہ شخص کا قائم مقام ہوگا۔ جو لیگا۔ لیکن جہالت سے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دینگے۔ ادھر تو لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور ادھر فساد ہوگیا۔ قریبًا سارا عرب مرتد ہوگیا۔ اور کئی مدعی نبوت کھڑے ہوگئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ نعوذ باللہ اسلام تباہ ہونے لگا ہے۔ ایسے نازک وقت میں صحابہؓ نے حضرت

ابوبکر رضہ سے کہا۔ کہ آپ ان لوگوں سے جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے فی الحال نرمی سے کام لیں۔ حضرت عمر رض جن کو بہت بڑا بہادر کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گو میں کتنا ہی جری ہوں۔ مگر ابوبکر رضہ جتنا نہیں کیونکہ میں نے بھی اس وقت یہی کہا۔ کہ ان سے نرمی کی جائے۔ پہلے کافروں کو زیر کر لیں۔ پھر ان کی اصلاح کر لیں گے۔ لیکن ابوبکر رضہ نے کہا۔ ابن قحافہ کی کیا حیثیت ہے؟ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دئے ہوئے حکم کو بدلائے۔ میں تو ان سے اس وقت تک لڑوں گا۔ جب تک کہ یہ لوگ پوری طرح زکوٰۃ نہ دیں۔ اور اگر رسول کریم کے وقت اونٹ باندھنے کی ایک رسی جو دیتے تھے وہ بھی ادا نہ کریں۔ اس وقت صحابہ رض کو پتہ لگا۔ کہ خدا کا بنایا ہوا خلیفہ کس قدر جرأت اور دلیری رکھتا ہے؟ آخر حضرت ابوبکر رضہ نے ان کو زیر کیا۔ اور ان سے زکوٰۃ لے کر چھوڑی ؛

مگر بہت لوگ ہیں۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ جب انہیں کہا جائے۔ تو کہتے ہیں۔ اچھا یہ بھی فرض ہے؟ پھر ایک سال یونہی گزار دیتے ہیں۔ گویا انہوں نے کچھ سُنا ہی نہیں۔ دوسرے سال پھر سُنتے ہیں۔ مگر ایسا ہی سنتے ہیں گویا نہیں سُنا۔ مگر اس طرح وہ اس فرض کی ادائیگی سے بچ نہیں سکتے۔ جو شخص زکوٰۃ کو چھوڑتا ہے۔ اس سے وہی معاملہ جائز ہو جاتا ہے۔ جو کفار سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رض نے جب حضرت ابوبکر رض کو زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق کہا۔ کہ یہ مسلمان ہیں۔ ان سے کافروں والا معاملہ نہ کیا جائے تو حضرت ابوبکر رضہ نے کہا۔ نہیں۔ ان سے کافروں والا ہی معاملہ کیا جائے گا۔ چنانچہ ان کو پکڑ کر غلام بنایا گیا ؛

زکوٰۃ کے متعلق ہم نے ایک رسالہ شائع کیا ہوا ہے۔ تم اسکو پڑھو۔ اور جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ وہ زکوٰۃ دے۔ اور اس رقم کو مرکز میں پہنچاؤ۔ جیسا کہ اس کے متعلق حکم ہے ؛

صدقہ دینا

دوسری چیز صدقہ دینا ہے۔ اس کے متعلق شریعت کا کوئی مقرر حکم نہیں ہے۔ کہ اتنا دیا جائے۔ ہاں یہ ہے کہ بچے ہوئے مال سے اپنے مقدور کے مطابق غریبوں پر خرچ کرو۔ ایمان کی ترقی اور نفس کی اصلاح کیلئے یہ بھی نہایت ضروری ہے۔ اگر کوئی زکوٰۃ دیتا ہے۔ تو اس کو ایمان حاصل ہو گیا۔ مگر اس کا ایمان اس

سے ان کا کام نہیں چل سکتا ۔

پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو دوسرے کا احسان اٹھانا پسند نہیں کر سکتے وہ بھوکے مر جائیں گے۔ مگر یہ گوارا نہیں کریں گے۔ کہ زید کے سامنے جائیں۔ اور اپنی ضروریات کے لئے اس سے کچھ حاصل کریں۔ چونکہ ایسی طبیعت کئی لوگوں کی خدا نے بنائی ہوتی ہے اور ان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت نے یہ رکھا ہے کہ حکومت امراء سے لے اور ایسے لوگوں کو دے۔ تاکہ وہ طبائع جو کسی کا احسان نہیں اٹھانا چاہتیں وہ اس طرح مدد پائیں ۔

صدقہ کے فوائد دوسری چیز صدقہ ہے۔ اس کے بھی کئی فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے ذریعہ طبیعت میں ہمدردی کا مادہ پیدا ہوتا ہے زکوٰۃ دینے والے میں یہ مادہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ تو میں نے حکومت کو ٹیکس دیا ہے۔ اس کے سامنے لینے کے لئے مسکین نہیں آتا۔ بلکہ حکومت آتی ہے۔ اس لئے شریعت نے صدقہ رکھا ہے کہ اس کے سامنے مسکین آئے۔ تاکہ اس میں دوسروں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی وجہ سے شریعت نے صدقہ دینے کا حکم علیحدہ دیا ہے۔ تاکہ انسان پر محبتانہ اور ہمدردانہ اثر پڑے ۔

دوسرا فائدہ اس کا یہ ہے۔ کہ شریعت چاہتی ہے۔ کہ لوگوں کے آپس کے تعلقات مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں۔ اور یہ صاف بات ہے۔ کہ جو انسان کسی کو کچھ دیتا ہے اور جو لیتا ہے۔ ان کا آپس میں اُنس ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ جو کسی بچہ کو پالتے ہیں ان کو جب کوئی تکلیف پہنچے۔ تو وہ بچہ ایسا ہی درد محسوس کرتا ہے جیسا اپنا بچہ۔ لیکن اگر غریب بچوں کو حکومت پالے اور روپے لوگ دیں تو ان میں لوگوں کے ساتھ ایسی محبت نہیں پیدا ہو سکتی ۔

پس دوسرا فائدہ صدقہ کا یہ ہے۔ کہ لوگوں میں محبت اور ہمدردی کا مادہ پیدا ہوتا ہے

تیسرا فائدہ صدقہ کا یہ ہے۔ کہ اس سے خدا تعالےٰ کے قرب کا موقعہ ملتا ہے۔ وہ شخص جو بندھا ہوا کچھ دیتا ہے۔ اس میں ایسی خوشی اور رغبت نہیں پیدا ہوتی۔ جیسی خود بخود دینے والے میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے شریعت نے زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ

دینا ضروری رکھا ہے۔ کہ جب کوئی اس طرح مسکین کی مدد کرے گا۔ اور اس سے خوشی اور فرحت محسوس کرے گا۔ تو اس کے دل میں اُمنگ پیدا ہوگی۔ کہ پھر بھی خرچ کروں ؂

چوتھا فائدہ صدقہ کا یہ ہے۔ جو زکوٰۃ دینے میں اس قدر حاصل نہیں ہوتا۔ کہ مسکین کی دعا ملتی ہے۔ زکوٰۃ میں مسکین نہیں جانتا۔ کہ مجھے حیدرآباد سے بھیجی ہوئی زکوٰۃ سے دیا گیا ہے۔ یا لاہور کی بھیجی ہوئی سے۔ وہ تو یہی کہے گا۔ کہ ناظر بیت المال کا بھلا ہو۔ جس نے مجھے دیا ہے۔ مگر جب کوئی شخص اُسے خود دیتا ہے۔ تو وہ اس کے لئے خاص طور پر دعا کرتا ہے ؂

مخفی اور ظاہرہ طور پر صدقہ دینا

پھر آگے صدقے دو قسم کے ہیں۔ ایک مخفی جس کا لینے اور دینے والے کے سوا کسی کو پتہ نہیں لگتا۔ اور بعض تو ایسے مخفی صدقے ہوتے ہیں کہ ان میں لینے والے کو بھی پتہ نہیں لگتا کہ کس نے مجھے دیا ہے؟ وہ یہی کہہ سکتا ہے۔ کہ اندھیرے میں دینے والے کا بھلا ہو۔ یہ اس لئے رکھا گیا ہے۔ کہ بعض لوگوں میں یہ کمزوری ہوتی ہے۔ کہ جب وہ کسی کو صدقہ دیتے ہیں۔ تو اس پر احسان جتلانے لگتے ہیں۔ شریعت نے خفیہ صدقہ رکھ کر انہیں مشق کرائی ہے۔ کہ جب وہ اس طرح دے کر کسی پر احسان نہیں جتلا سکیں گے۔ تو ظاہر دینے میں بھی نہ جتلائیں گے۔ اور ظاہری صدقہ اس لئے رکھا ہے۔ کہ دوسروں کو بھی دینے کی تحریص ہو۔ اور دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔ یہ صدقے کے فوائد ہیں ؂

چندہ دینے کا فائدہ

تیسری چیز چندہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے۔ کہ بعض ایسے مسلمان ہوتے ہیں۔ جو دین کی خدمت میں اتنا وقت نہیں لگا سکتے۔ جتنا لگانا ان کے ذمہ ہوتا ہے۔ وہ اور کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے چندہ رکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک زمیندار جو بہت زیادہ وقت دنیاوی دھندوں میں لگا دیتا ہے۔ اور بہت تھوڑا وقت خدا کے لئے صرف کرتا ہے۔ چندہ کے ذریعہ اس کی اس کمی کو پورا کیا جاتا ہے ؂

پس چندہ وہ قیمت ہے جو انسان اس کوتاہی کی ادا کرتا ہے۔ جو اس سے ہوتی ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ اس سے پورا حق ادا نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ چندہ دیکر وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوگیا۔ اس سے صرف کمی پوری ہوتی ہے۔ دیکھو اگر کوئی فرض نہ پڑھے۔ اور نفل پڑھ لے۔ تو کیا نماز کی فرضیت سے آزاد ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح جو چندہ دیتا ہے۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ عملی طور پر دین کی خدمت کرنے سے آزاد ہوگیا۔

یہ مال کے ذریعہ دوسروں کو جسمانی فائدہ پہنچانا ہے۔

علمی فائدہ پہنچانا

مگر ایصال خیر کا دوسرا پہلو روحانی بھی ہے۔ یہ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک علمی فائدہ پہنچانا اور دوسرا روحانی یعنے ایک تو وہ جو دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس سے ورے ورے ہی رہتا ہے۔ اور ایک روحانی جو دینی فائدہ ہے۔

بیوی بچوں کو دین سکھانا

پہلی شق کی سب سے ضروری بات بیوی بچوں کو دین سکھانا اور تعلیم دینا ہے۔ اور یہ نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ اب اگر ہم اپنی اولاد کو تعلیم نہ دیں۔ آج سے پچاس سال بعد ہماری ہی اولاد سے ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ جیسے دوسرے لوگ ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں ان قربانیوں اور کوششوں کی کیا ضرورت ہے؟ جو ہم دین کے لئے کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس وقت امریکہ یورپ اور افریقہ سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو اسلام کی طرف تو لائیں۔ مگر اپنی اولاد کو دین نہ سکھائیں۔ تو اس کا کیا فائدہ؟

پس احمدیوں کا فرض ہے۔ کہ اپنے بچوں کی تربیت کریں۔ یہ نظم جو آج سنائی گئی ہے۔ میں نے اپنی بچوں کے لئے لکھی ہے۔ جو اس وقت تربیت کے محتاج ہیں۔ وہ قوم کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ جو اپنی اولاد کی تربیت نہیں کرتی۔ پس جب تک تم اپنی اولاد، بیوی بچوں کو دین نہیں سکھلاتے۔ تمہاری کوششوں کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کپڑا بنا کر پھاڑ ڈالا جائے۔ تم ان کو دین سکھاؤ۔ اور اس طرح سکھاؤ۔ کہ ان میں ایسا رچ جائے۔ کہ ان کیلئے دین کو چھوڑنا زیادہ مشکل ہو۔ بہ نسبت اس کے کہ ان کے گلے پر چھری رکھی جائے

تو اس کے نیچے سے نکلنا - دیکھو ہر شخص یہ چاہتا ہے - کہ اس کا بچہ اس سے بڑا انسان بنے پھر تمہیں یہ کس طرح گوارا ہو سکتا ہے - کہ تمہاری اولاد دین میں تم سے کم رہے - حضرت مسیح موعود نبی تھے - مگر دیکھو خیر خواہوں کی نیت کیسی ہوتی ہے - جب میں نے تشحیذ نکالا - تو ایک دفعہ مسجد میں حضرت خلیفہ اول رضؓ کو کہا گیا - آپ نے تشحیذ پڑھا ہے؟ انہوں نے کہا - پڑھا ہے اچھا لکھا ہے - مگر مجھے پسند نہیں آیا - کیونکہ ہمارے ہاں ٹوڈا ۴۰۰ کی مثال مشہور ہے ۔ میں نہیں سمجھتا تھا - کہ ٹوڈا کیا ہوتا ہے؟ مولوی صاحبؓ نے فرمایا - ٹوڈا اونٹ کا بچہ ہوتا ہے اور مثل ہے کہ اونٹ کی قیمت ۲۰۰ ہو - تو اس کے بچے کی ۴۰۰ ہونی چاہئیے - ہم تو تب سمجھتے - جب تم مرزا صاحب سے بڑھ کر نکلتے - یہ تو ان کا ذوق تھا - مگر ہر شخص جو خیر خواہ ہو - اس کی خواہش ہوتی ہے - کہ ہمارے قائمقام بننے والے ہم سے بڑھ کر ہوں ۔

ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر اس سفر میں کہ جس میں حضرت مسیح موعود فوت ہوئے - ایک دفعہ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کسی ہندو ڈسٹرکٹ سشن جج کی آمد کی خبر دینے آئے - جو بغرض ملاقات آئے تھے - آپ نے اس وقت ان سے کہا - کہ میں بھی بیمار ہوں - مگر محمود بھی بیمار ہے - مجھے اس کی بیماری کا زیادہ فکر ہے - آپ اس کا توجہ سے علاج کریں - تو والدین کو اپنی اولاد کا بڑا فکر ہوتا ہے - مگر تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو احمدی بنانے کا فکر نہیں کرتے - اپنی اولاد کو دین نہیں سکھاتے - نماز کا وقت ہوگا - تو سردی یا کسی اور وجہ سے کہیں گے بچہ نے نماز نہیں پڑھی - تو کیا ہوا؟ حالانکہ بچوں کی تربیت کا زمانہ ان کا بچپن کا ہی زمانہ ہوتا ہے - اور بچپن کی تربیت ہی آئندہ زندگی میں کام آسکتی ہے - کیا تم نے دیکھا نہیں؟ کہ ہمارے ملک میں جن کو شاہ دولا کا چوہا بنایا جاتا ہے - ان کے سروں پر بچپن میں ہی خول چڑھا دیا جاتا ہے - کیونکہ بڑے کا سر چھوٹا نہیں کیا جا سکتا ۔

پس آپ لوگ بچوں کی خاص طور پر تربیت کریں - اور ایسی تربیت کریں - کہ ایمان میں آپ سے بڑھ جائیں - آپ لوگوں کی مثال تو ایسی ہے - جیسے ترکھان لکڑی کو تراش کر کوئی چیز بناتا ہے - مگر بچوں کی ایسی مثال ہے - جیسے کسی چیز کو ڈھالا جاتا ہے - اور ڈھالنے میں کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی - مگر تراشنے میں کچھ نہ کچھ الگ کرنی پڑتی ہے - اور اس میں

محنت بھی زیادہ صرف ہوتی ہے۔ پس تم اپنی اولاد کو دین کے سانچے میں ڈہالنے کی کوشش کرو۔ تاکہ تمہارے بعد ایک مضبوط جماعت پیدا ہو جائے۔ اور جب تم فوت ہونے لگو تو تمہارے دل غمگین نہ ہوں۔ بلکہ خوشی سے بھرے ہوئے ہوں۔ کہ ہم ایسی جماعت کے سپرد دین کی امانت کر رہے ہیں۔ جو اس کی حفاظت کرنے کی اہل ہے ؂

پس کبھی یہ خیال مت کرو۔ کہ بچہ اگر کوئی بُری حرکت کرتا ہے۔ یا دین نہیں سیکھتا۔ تو کوئی حرج نہیں۔ بڑا ہو کر سیکھ لیگا۔ سیکھنے کی عمر دراصل بچپن ہی ہے۔ بہت لوگ کہدیا کرتے ہیں کہ بچہ نے جھوٹ بولا تو کیا ہوا۔ بڑا ہو کر چھوڑ دے گا۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جو بچہ ہونے کی حالت میں جھوٹ بولتا ہے۔ وہ بوڑھا ہونے تک بھی اسے نہیں چھوڑے گا۔ کیونکہ اسے تو جس طرح ڈھلنا تھا۔ ڈھل چکا۔ دیکھو جن بچوں کے سر کو بچپن میں چھوٹا کر دیا جاتا ہے۔ ان کے بڑے ہونے پر سر بڑا نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح جو بچپن میں جھوٹ بولتا ہے یا چوری کرتا ہے۔ وہ بڑا ہو کر چوری چھوڑ نہیں دے گا۔ بلکہ بڑا چور بن جائے گا۔ سوائے اس کے جسے خدا تعالےٰ کاٹ کاٹ کر صاف کر دے ؂

پس اپنے بچوں کی تربیت کرو۔ اور یہ مت خیال کرو۔ کہ نمازیں پڑھنے میں انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ یا روزہ رکھنے میں وہ کمزور ہو جاتے ہیں۔ دین کے احکام پر ان سے عمل کراؤ اور اگر وہ کوئی بری بات کریں۔ تو سمجھاؤ۔ اور بے شک نرمی سے سمجھاؤ۔ لیکن اگر نرمی سے نہ مانیں اور سختی کی ضرورت ہو۔ تو سختی بھی کرو ؂

دوسروں کو تبلیغ کرو

دوسری قسم روحانیت کی تبلیغ ہے۔ یہ بھی نہایت ضروری بات ہے۔ اور کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک دوسروں کو تبلیغ نہ کرے۔ یہ خدا تعالےٰ نے مومن کا فرض رکھا ہے چنانچہ فرماتا ہے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (۳-۱۰۶)

کہ تم سب سے بہتر امت ہو۔ جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اس لئے تمہارا فرض

ہے۔ کہ تم لوگوں کو نیکی سکھاؤ۔ اور برائی سے روکو ﴿

پس جب خدا تعالیٰ نے ہر مومن کا یہ فرض قرار دیا ہے۔ اور پیدا ہی اسی غرض کیلئے کیا گیا ہے۔ تو کس قدر افسوس کی بات ہے؟ اگر اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور پھر کیا فائدہ ہے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا؟ اگر آپ جس غرض کے لئے آئے تھے۔ اس کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی؟ دیکھو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس لئے دنیا میں آئے تھے۔ کہ لوگوں سے اسلام منوائیں۔ اب اگر کوئی دوسروں کو اسلام نہیں منواتا۔ تو اس کا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ماننا کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔ پھر اس کے بغیر مسلمان قوم زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ تبلیغ کرنے کے معنی آگ بجھانے کے ہیں۔ اور کیا تم بتا سکتے ہو؟ کہ اگر کسی کے ہمسائے میں آگ لگی ہو اور وہ اس کو نہ بجھائے تو اس آگ کی لپیٹ سے وہ بچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس اگر تمہارا ہمسایہ یہودی یا عیسائی یا آریہ یا غیر احمدی ہے۔ یا تمہارا بچہ یا بھائی یا اور دوسرے رشتہ دار احمدی نہیں ہیں۔ تو وہ ضرور تمہیں بھی خراب کریں گے۔ اور ان کے کفر کا اثر تمہارے تک بھی پہنچے گا۔ پس کفر ایک آگ ہے۔ اور مومن کا فرض ہے کہ اپنے گھر تک پہنچنے سے قبل ہی اُسے بجھانے کی کوشش کرے اور یہ نہ سمجھے کہ اگر اس کے ہمسائے میں کفر کی آگ جل رہی ہے تو جلتی رہے اس سے اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچیگا۔ تم خاص طور سے لوگوں میں تبلیغ کرنے کی کوشش کرو اور لوگوں کو سلسلہ کی طرف توجہ دلاؤ۔ اگر ہندو اور عیسائی ہیں۔ تو اُن کو اسلام کی طرف لاؤ۔ اور اگر غیر احمدی ہیں تو ان کو سلسلہ کی خصوصیات بتا کر سلسلہ میں لاؤ ﴿

دیکھو تبلیغ کے متعلق یہ نصیحتیں میں بہت دفعہ کر چکا ہوں۔ اور اب بھی مختصر طور پر کہہ دیا ہے۔ کیونکہ وقت بہت ہو گیا ہے ان کو خوب اچھی طرح یاد رکھو۔ اور ان پر عمل کرو۔ آج ہی میں نے آپ لوگوں کو بتایا ہے۔ کہ اس سال تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے تمہارے ذمہ قرضہ ہو گیا ہے۔ اس کی ادائیگی کی فکر کرو۔ اور یہ تمہارے ذمہ قرضہ نہیں۔ بلکہ جرمانہ ہے کیونکہ تم نے سستی سے کام لیا ہے۔ اس کو بہت جلدی ادا کرنا چاہیئے ﴿

اب میں نے تجویز کی ہے۔ کہ جس طرح ضلع وار رقمیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اسی

طرح ضلعوں میں یہ بھی تقسیم کی جائے۔ کہ اتنے اتنے احمدی بنانے کی کوشش کرو۔ اور جس طرح سالانہ جلسہ پر ناظر بیت المال تمہیں بتاتا ہے۔ کہ فلاں جماعت نے اتنا چندہ دیا اور فلاں نے اتنا۔ اسی طرح ناظر تالیف و اشاعت بتایا کرے گا۔ کہ فلاں جماعت نے اتنے احمدی بنائے اور فلاں نے اتنے ؛

اگر یہ باتیں جو میں نے آپ لوگوں کو بتائی ہیں۔ مان لو۔ تو یقیناً یاد رکھو۔ کہ خدا تعالیٰ کے وہ وعدے جو اس نے اپنے مومن بندوں کے متعلق کئے ہیں۔ وہ پورے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے تو وہ وعدے بھی جو معمولی بندوں کے متعلق ہوتے ہیں پورے ہوتے ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص پورا مومن بن جائے۔ تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ وعدے جو مومنوں کے متعلق ہیں پورے نہ ہوں ؛

میں نے حضرت صاحب کا لکھا ہوا ایک نوٹ دیکھا تھا۔ اور اسے چھپوا دیا ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں۔ کہ لوگ کہتے ہیں کہ تو **خدا** کو چھوڑ دے۔ مگر میں کس طرح چھوڑ سکتا ہوں؟ جب کہ سب سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا مجھے آکر جگاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں کسی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بتاؤ ایسے خدا کو میں کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔ تو خدا اپنے بندوں سے بڑی محبت کرنے والا ہے۔ **مسیح موعودؑ** تو بہت بڑا درجہ رکھتے تھے۔ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ جس کو یاد کر کے مجھے عجیب لذت آتی ہے ؛

کچھ دن ہوئے۔ ایک ایسی بات پیش آئی۔ کہ جس کا کوئی علاج میری سمجھ میں نہ آتا تھا اس وقت میں نے کہا۔ کہ ہر ایک چیز کا علاج خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اسی سے اس کا علاج پوچھنا چاہیئے۔ اس وقت میں نے دعا کی۔ اور وہ ایسی حالت تھی۔ کہ میں نفل پڑھ کے زمین پر ہی لیٹ گیا۔ اور جیسے بچہ ماں باپ سے ناز کرتا ہے۔ اسی طرح میں نے کہا۔ اے خدا میں چارپائی پر نہیں زمین پر ہی سوؤں گا۔ اس وقت مجھے یہ بھی خیال آیا۔ کہ حضرت خلیفۃ اوّل رضؓ نے مجھے کہا ہوا ہے۔ کہ تمہارا معدہ خراب ہے۔ اور زمین پر سونے سے معدہ اور زیادہ خراب ہو جائے گا۔ لیکن میں نے کہا۔ آج تو میں زمین پر ہی سوؤنگا۔

یہ بات ہر ایک انسان نہیں کہہ سکتا - بلکہ خاص ہی حالت ہوتی ہے - یہ کوئی چھ سات ہی دن کی بات ہے - جب میں زمین پر سو گیا - تو دیکھا - کہ خدا کی نصرت اور مدد کی صفت جوش میں آئی - اور متمثل ہو کر عورت کی شکل میں زمین پر اُتری - ایک عورت تھی - اس کو اُس سوئی دی - اور کہا اسے مار - اور کہو - جا کر چار پائی پر سو - میں نے اس عورت سے سوئی چھین لی - اس پر اس نے (خدا تعالیٰ کی اس مجسم صفت نے) سوئی خود پکڑ لی - اور مجھے مارنے لگی - اور میں نے کہا - لو مارلو - مگر جب اس نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا - تو زور سے سوئی گھٹنے تک لا کر چھوڑ دیا - اور کہا - دیکھو محمود میں تجھے مارتی نہیں - پھر کہا - جا اُٹھ کر سو رہو - یا نماز پڑھ - میں اسی وقت کود کر چارپائی پر چلا گیا - اور جا کر سو رہا - میں نے اس وقت سمجھا - کہ اس حکم کی تعمیل میں سونا ہی بہت بڑی برکات کا موجب ہے۔

تو خدا تعالیٰ جس سے محبت کرتا ہے - اس کے سامنے سب کچھ ہیچ ہو جاتا ہے - تم اس کے لئے کوشش کرو - کہ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرے - تاکہ اس کی مدد اور نصرت تم کو مل جائے - اور جب اس کی نصرت تمہارے ساتھ شامل ہو جائے - تو پھر ساری دنیا ہے کیا چیز؟ وہ تو ایک کیڑے کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔

مومنوں کے متعلق خدا کے وعدے

اب میں وہ وعدے سناتا ہوں - جو خدا تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ کئے ہیں - ان کو سنو - اور سوچو - کہ خدا تعالیٰ مومنوں پر کیا کیا انعام کرنے کے وعدے فرماتا ہے -

دیکھو انسان کی کیا خواہشات ہوتی ہیں؟ کبھی وہ یہ کہا کرتا ہے - کہ اس کی کمزوریاں

بدیوں کے چھپے رہنے کی خواہش

دور ہو جائیں - اور اس کی غلطیوں پر کوئی آگاہ نہ ہو - اور یہ خواہش ایسی فطرتی ہے - کہ بعض حیوان بھی جو تربیت یافتہ ہوتے ہیں ان میں بھی پائی جاتی ہے - چنانچہ وہ پاخانہ پھر کر اس پر مٹی ڈال دیتے ہیں - تو یہ ایسی فطرتی بات ہے - کہ حیوانوں تک میں بھی پائی جاتی ہے - اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا

وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (۳-۱۹۶)

کہ وہ لوگ جو میرے لئے اپنے رشتہ داروں کو - اپنے مال کو - اپنے وطن کو چھوڑ دیتے ہیں - جو اپنے گھروں سے نکالے جاتے ہیں - میرے دین کو قبول کرنے کی وجہ سے دُکھ دیئے جاتے ہیں میرے دین کے لئے لڑتے اور مارے جاتے ہیں - میں ان کی بدیاں ڈھانپ دوں گا - ان کی غلطیوں کی پردہ پوشی کر دوں گا - کسی کی طاقت نہیں ہوگی - کہ ان کی بدیوں کو دیکھ سکے - بلکہ جیسا کہ صوفیاء نے لکھا ہے - کہ ایسا شخص جس کے گناہوں پر خدا تعالےٰ پردہ ڈال دے اگر اس کے گناہوں کو کوئی دیکھنا چاہے - تو ہلاک کر دیا جاتا ہے ؛

تو جو خدا تعالےٰ کے ہو جاتے ہیں - ان سے اگر غلطیاں بھی ہو جائیں - تو بعض اوقات خدا تعالےٰ ان کو ڈھانپ دیتا ہے - اور بعض دفعہ ان کی غلطیوں کو دور کر دیتا ہے - یہ اتنا بڑا وعدہ ہے - کہ جو خدا تعالےٰ کے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا ؛

پاک ہونے کی خواہش

پھر انسان چاہتا ہے - کہ پاک ہو جائے - اچھی باتیں اس میں پائی جائیں - خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (۳۳-۷۰)

کہ اے لوگو! اگر تم مومن بن جاؤ - اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور پکی بات کہو - تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا - اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال نیک کر دے گا اور تم سے بدی سرزد ہی نہ ہوگی ؛

اس سے ظاہر ہے کہ مومن ترقی کر کے اس حد کو پہنچ جاتا ہے - کہ اس سے جو بات بھی سرزد ہوتی ہے نیک ہی سرزد ہوتی ہے بری نہیں ہوتی ؛

دنیا میں عزت اور رتبہ پانے کی خواہش

پھر انسان چاہتا ہے - کہ اُسے دنیا میں عزت اور رتبہ ملے - خدا تعالےٰ فرماتا ہے - تو مومن بن جا ہم تم کو یہ بھی دے دیں گے - چنانچہ فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰم السجدہ)

ایسے لوگوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ جو انہیں کہتے ہیں۔ کہ ہم اس دنیا میں بھی اور آخرۃ میں بھی تمہارے مددگار ہیں اور تم کو کامیابی ہوگی۔ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔

علم اور فہم حاصل ہونے کی خواہش

پھر انسان علم اور فہم چاہتا ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (۶-۱۲۲)

کہ کیا وہ جو مردہ تھا۔ اور ہم نے اس کو زندہ کیا۔ اور پھر اُسے شمع نورانی دے دی تاکہ ہر تاریکی میں اُسے رستہ مل جائے۔ وہ اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو ظلمت میں پڑا ہو اور اس سے نکل نہ سکتا ہو۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ مومن کو وہ نور دیتا ہے۔ کہ جس کا کوئی مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔

تو انسان علم کو پسند کرتا ہے۔ فرمایا مومن بن جاؤ۔ تو یہ بھی لے لو۔ میں نے بتایا تھا۔ کہ حضرت صاحبؑ کو خدا تعالیٰ نے وہ علم سکھایا۔ کہ کوئی انسان آپ کا مقابلہ نہ کر سکا اب مجھے خدا تعالےٰ نے ایسا علم دیا ہے۔ کہ خواہ کوئی ایسا علم جس کا مجھے پتہ بھی نہ ہو۔ اس کے جاننے والا اس علم کے ذریعہ اگر اسلام پر اعتراض کرے تو خدا تعالیٰ مجھے اس کا ایسا جواب سکھاتا ہے۔ کہ پھر وہ بول ہی نہیں سکتا۔ حضرت صاحبؑ کو ایک ہی علم نہیں سکھایا گیا تھا۔ بلکہ مختلف طرح کے علوم سکھائے گئے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے۔ کہ ایک ہی رات میں مجھے خدا تعالےٰ نے چالیس ہزار الفاظ کا مادہ سکھایا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی انسان آپ کے مقابلہ میں عربی نہیں لکھ سکتا تھا۔

ہر آفت سے بچنے کی راہ

پھر فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (۸-۲۹)

کہ اسے لوگو، اگر مومن ہو جاؤ۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہم تمہیں ہر مصیبت اور ہر تکلیف سے نکلنے کے سامان بتا دیں گے ؏

مومن پر بھی تکالیف آتی ہیں۔ مومن بھی بیمار ہوتا ہے۔ مگر وہ ہلاک نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے کسی برگزیدہ انسان کو قابل نفرت بیماری مثلاً کوڑھ وغیرہ نہیں ہوتی۔ انبیاء میں یہ مرض نہیں ہوتا۔ نہ وہ پاگل یا اور اسی قسم کی ہلاکتوں میں مبتلا کیے جاتے ہیں ؏

دنیا میں رعب و داب حاصل ہونے کی خواہش

پھر انسان دنیا میں اپنا رعب و داب چاہتا ہے۔ اور اس کے لئے بڑی بڑی کوششیں کی جاتی ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ آؤ۔ اس کے حاصل کرنے کا طریق بھی میں بتاؤں۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (۲۴-۵۶)

کہ خدا تعالےٰ مومنوں سے وعدہ کرتا ہے کہ ان میں ایسے بادشاہ اور خلیفے بنائے گا۔ جیسے کہ پہلوں میں بناتا تھا۔ اور وہ صرف ظاہری شان وشوکت ہی نہ رکھتے ہوں گے۔ بلکہ ایسے ہوں گے۔ کہ ان کے ذریعہ دین کی تمکین ہوگی۔ اور ان کے خوف کو اللہ تعالےٰ امن سے بدل دے گا۔ ان پر کسی کا رُعب نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کا لوگوں پر رعب ہوگا ؏

نئی نئی چیزیں حاصل ہونے کی خواہش

پھر انسان کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ اُسے نئی نئی چیزیں ملیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ میں اسکو بھی پورا کردوں گا۔ چنانچہ فرمایا :-

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۳۲-۱۷)

کہ مومن کو ہمیشہ اخفا ہی رہتا ہے۔ خواہ وہ کسی درجہ اور رتبہ پر پہنچ جائے۔ لوگ پرانی چیز کو پسند نہیں کرتے۔ اگر کوئی کپڑا ایک سال تک نہ پھٹے۔ تو کہتے ہیں کہ اس سے جی اکتا گیا ہے۔ یہ پھٹتا ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم کو ایسی نئی نئی چیزیں دی جائیں گی جن کا تم کو اس سے پہلے علم بھی نہ ہوگا۔

دشمن کے تباہ ہونے کی خواہش

پھر انسان کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ اس کا دشمن تباہ ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۔ (۳۳ ؍ ۵۷-۵۸)

وہ لوگ جو خدا اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اور وہ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دکھ دیتے اور ان پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ ان کو ہم جلا کر راکھ کر دیں گے۔

پھر فرماتا ہے:-

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فِیْ جَھَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۔ تَلْفَحُ وُجُوْھَھُمُ النَّارُ وَھُمْ فِیْھَا کٰلِحُوْنَ۔ اَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِھَا تُکَذِّبُوْنَ۔ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَکُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْھَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۔ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِیْھَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ۔ اِنَّہٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔ فَاتَّخَذْتُمُوْھُمْ سِخْرِیًّا حَتّٰٓی اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ وَکُنْتُمْ مِّنْھُمْ تَضْحَکُوْنَ۔ اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّھُمْ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ (۲۳ ؍ ۱۰۳-۱۱۲)

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے عذاب کا عجیب نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتا ہے:- مومنوں کے دشمن جب قیامت کے دن پیش کئے جائیں گے۔ تو ہم کہیں گے۔

لے جاؤ ان کو جہنم میں - اس وقت وہ کہیں گے ہم سے غلطی ہو گئی - یہ بخشی جائے - اور ہمارا یہ قصور معاف کیا جائے - ایسا دردناک عذاب دیکھکر وہ کیوں نہ گھبرائیں گے ؟ کہ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ یا تو ان کی یہ حالت تھی - کہ کہتے تھے ہم ہی حق پر ہیں یا کہیں گے كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ہم تو بڑے گمراہ تھے اس وقت وہ کہیں گے - ایک دفعہ اس سے نکال دیجئے - پھر اگر کریں گے تو نہ بخشنا - خدا تعالیٰ نے اس کا عجیب جواب دیا ہے - اور اس سے ظاہر ہے - کہ مومنوں کو دکھ دینے والوں کو کس قدر سزا دی جائے گی - فرماتا ہے قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ جاؤ اور چلے جاؤ - میں تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا - اور جانے سے بھی یہ مطلب نہیں کہ جہاں چاہو جاؤ - بلکہ جہنم میں جاؤ - اور مجھ سے بات نہ کرو - میں تمہاری بات نہیں سنتا - کیوں رحیم کریم خدا ان کی بات نہیں سنتا ؟ اس لئے کہ فرماتا ہے - اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ کہ کچھ میرے بندے تھے - جو کہتے تھے - ہم ایمان لائے اپنے رب پر اور اپنے رب سے بخشش مانگتے تھے - تم ان میرے پیاروں سے ہنسی اور مخول کرتے تھے ۔

کس قدر غیرت اور محبت ہے - فرماتا ہے - تم نے جو میرے بندوں کا دل دکھایا تو میں تمہاری بات کیوں سنوں ؟

انعام کے کم نہ ہونے کی خواہش

پھر انسان چاہتا ہے - کہ جو انعام ملے - وہ کم نہ ہو - اور چھینا نہ جائے - خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود ۱۰)

جو تمہیں نعمت ملے گی وہ کبھی کٹے گی نہیں - بلکہ اس میں تم بڑھتے ہی جاؤ گے - پھر اس عطا کی خدا تعالیٰ نے تشریح کر دی ہے - کہ غیر مجذوذ ہے - اس کی کوئی حد بندی ہی نہیں - جو کچھ ان کے دل میں خواہش پیدا ہو گی - وہی پوری ہو جائے گی

اور جو کچھ وہ چاہینگے وہی انہیں مل جائے گا - کوئی کہے کہ انسان کی خواہش ہی کس قدر ہو سکتی ہے ؟ خواہ وہ کس قدر بھی خواہش کرے - تھوڑی ہی ہوگی - اس کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم اس کی خواہش کرنے پر نہ رہیں گے بلکہ اپنی طرف سے دیں گے ۔

پھر فرماتا ہے :-

وَ اُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ (۱۴-۲)

وہ لوگ جو مومن ہوں گے - ان کو اعلیٰ مقام پر جگہ دی جائے گی - اور جب وہ اس مقام پر پہنچیں گے - فرشتے ان کے پاس آئیں گے - اور انہیں مرحبا مرحبا کہیں گے یعنے یہ کہ تم سلامتیوں میں رہو ۔

یہ کس قدر اکرام ہے کہ خدا تعالیٰ کے وزراء آکر بندوں کا استقبال کرینگے ۔

اپنے متعلقین کو عزت ملنے کی خواہش

پھر انسان چاہتا ہے کہ نہ صرف اسے عزت حاصل ہو - بلکہ اس کے متعلقین کو بھی عزت ملے - خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَ الَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً وَّ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ؕ (۱۳/۲۲-۲۴)

کہ وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی مرضی چاہنے کے لئے - اور نمازوں کو قائم کیا اور خرچ کیا اس میں سے جو ان کو دیا گیا - پوشیدہ اور ظاہر - اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ بدی کو ہٹا دیا - یہی وہ لوگ ہیں - جن کا آخری گھر جنت ہے - وہ اس میں داخل کئے جائیں گے اور ان کے آباء اور بیویاں اور اولاد کو بھی جنہوں نے ایسا ہی کیا - داخل کیا جائے گا - فرشتے ان کے پاس آئیں گے - اور ان پر سلامتی کہیں گے ۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایک مومن کی اولاد سے جو مومن ہوں گے۔ خواہ وہ نچلے ہی درجہ کے ہوں گے۔ ان کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ پھر کوئی یہ خیال نہ کرے۔ کہ باپ جو اعلیٰ درجہ کا مومن ہوگا۔ اس کو کچھ کم درجہ پر نیچے آیا جائے گا۔ اور اولاد کو کچھ اوپر کرکے اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ بلکہ یہ ہوگا۔ کہ نچلے درجہ والے کو بڑھا کر اوپر لے جایا جائے گا۔ پھر اس بات کو اولاد تک ہی نہیں رکھا۔ بلکہ یہ بھی فرما دیا ہے۔ اگر خاوند بڑے درجہ پر ہوگا۔ اور بیوی چھوٹے درجہ پر۔ تو بیوی کو بھی خاوند کے درجہ پر پہنچا دیا جائے گا۔ اور اگر بیوی بڑے درجہ پر ہوگی اور خاوند چھوٹے درجہ پر۔ تو خاوند کو بڑے درجہ پر لے جا کر بیوی کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔

اب غور کرو۔ یہ کس قدر فضل اور رحم ہے۔ اور کس قدر مومن کے ساتھ رعایت کی گئی ہے۔ مثلاً اگر باپ ۱۰ نمبر کے مقام پر ہوگا۔ اور بیٹا ۳ نمبر کے مقام پر۔ تو بیٹے کو بھی ۱۰ نمبر پر پہنچا دیا جائے گا۔ آگے اس کے باپ کا باپ اگر ۲۰ نمبر پر ہوگا۔ تو ان دونوں کو اس تک پہنچانے کے لئے ۲۰ نمبر پر لیجایا جائے گا۔ اسی طرح ان کے آباء میں سے جو سب سے اعلیٰ درجہ پر ہوگا۔ اسی تک سب کو پہنچا دیا جائے گا۔ یعنی اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے کوئی کافر نہیں ہوگیا۔ تو سب کو آپؐ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر حضرت ابوبکرؓ کی اولاد سے کوئی کافر نہیں ہوگیا۔ تو ان سب کو ان کے پاس لیجایا جائیگا یہی حال تمام مومنوں کا ہوگا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں سے آپؐ کے اوپر کے لوگوں میں سے جہاں تک مومن ہونگے۔ اُن کو بھی کھینچ کر آپؐ تک لے جایا جائے گا۔

اب دیکھو کس قدر بڑا درجہ ایک مومن کو حاصل ہوگا۔ بظاہر تو یہی کہا گیا ہے۔ کہ باپ بیٹے سے یا بیٹا باپ سے ملا دیا جائے گا لیکن یہ سلسلہ آگے دادا تک بھی چلتا ہے اور پھر اسی طرح اس سے آگے۔ تو یہ بہت بڑی رحمت ہے جو مومنوں پر کی جائے گی۔

محبوب کا قرب حاصل ہونے کی خواہش

پھر انسان سب سے زیادہ اس بات کو چاہتا ہے۔ کہ اُسے اپنے محبوب کا قرب حاصل ہو۔ خدا فرماتا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۠ (۹-۷۲)

خدا تعالیٰ کا مومن مردوں اور مومن عورتوں سے وعدہ ہے کہ ان کو ایسے مقامات ملیں گے جن میں باغات ہوں گے اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ باغ بھی ایسے ہوں گے۔ جو ہمیشہ رہنے والے ہونگے اور ان سے بڑھ کر ان کو یہ نعمت ملے گی۔ کہ خدا ان سے راضی ہو جائے گا۔ اور وہ اپنے محبوب سے مل جائیں گے ؛

اپنے نفسوں میں غور کرو۔ کہ کیا یہ انعام پانے کے مستحق ہو؟

ان نعمتوں کو دیکھو۔ جو خدا تعالیٰ نے مومنوں کے لئے بیان فرمائی ہیں۔ اور بتاؤ کوئی نعمت ان سے باہر رہ گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ لوگ ان کو سُن کر خوش ہوئے ہوں گے اور میں بھی خوش ہوا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی تو دیکھو۔ کہ یہ کن لوگوں کے لئے ہیں؟ ان کے لئے جو مومن ہوں گے ؛

میں نے آپ لوگوں کو یہ نعمتیں اس لئے سُنائی ہیں۔ کہ آپ دیکھیں۔ آپ کے نفس میں کوئی ایسی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے یہ تمہیں ملنی چاہئیں۔ ان کو دیکھو۔ اور سوچو کہ کیا ان کو حاصل کرنے کی تم میں اہلیت اور قابلیت ہے؟ اور ان کو پانے کے تم مستحق ہو گئے ہو؟ معمولی سے معمولی انعام بھی کسی کو اسی وقت تک نہیں ملتا۔ جب تک کہ وہ اپنے آپ کو اس کے قابل نہیں بنا لیتا۔ پھر کیا تم اتنے بڑے انعامات کو پانے کے مستحق ہو؟ یہ تو وہ انعام ہیں۔ اور اتنے بڑے انعام ہیں۔ کہ اگر کسی بادشاہ کے سامنے بھی ان کو رکھا جائے۔ تو وہ بھی انہیں دیکھ کر حیران ہو جائے اور ہمارے مخالفین تو جانتے ہی نہیں۔ کہ یہ انعام مل سکتے ہیں۔ مگر خدا نے ہم سے تو ان کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن سوال یہی ہے۔ کہ آیا تم ان کے مستحق بھی ہو گئے ہو؟ اگر نہیں۔ تو پھر تمہیں کون سی خوشی ہے؟ پھر کیا تم نے ان انعامات کے حاصل کرنے کے قابل اپنے آپ کو بنانے کی کوشش کی ہے؟ اگر تم نے ان کو حاصل کرنے کا استحقاق ہی پیدا نہیں کیا۔ اور نہ اس کے لئے کوشش کی۔ تو پھر یاد رکھو

کہ تمہارے لئے نہیں بلکہ ان کے لئے ہے۔ تو اپنے آپ کو ان کا مستحق بنائیں گے۔

تم اپنے نفسوں میں غور کرو۔ اور دیکھو۔ کہ کیا جس طرح تم چندہ دینے میں بہت لیت و لعل کرتے ہو؟ اگر اس طرح سرکاری ٹیکس دینے والے کریں۔ تو ان کو کوئی انعام ملے گا؟ انعام نہیں۔ بلکہ ان سے تو جیل خانے بھرے جائیں گے۔ ہمارے سکرٹری اور کارکن تو چندہ کے لئے تمہارے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔ اور تم کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

پھر اسی طرح نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج اور دوسرے احکام کو دیکھو۔ کہ آیا تم ان کو ایسے رنگ میں پورا کرتے ہو۔ کہ تمہیں انعام مل سکے؟

کیا تم خلافت کی اطاعت اسی طرح کرتے ہو جس طرح سرکار کی؟ یا خلافت کیطرف سے جو آدمی مقرر ہیں۔ ان کے ایسے ہی احکام مانتے ہو۔ جیسے حکام کے؟

بیشک اللہ تعالےٰ رحم کرنے والا ہے۔ اور اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ کہ چھوٹے درجہ کے مومن کو بھی اوپر لے جائے گا۔ مگر رحم بھی حکمت کے ماتحت ہوگا۔ تم اس حکمت کے ماتحت تو اپنے آپ کو لاؤ۔ تم اپنے اندر کم از کم اتنا مادہ تو پیدا کرو۔ کہ اگر تم سے کوئی غلطی ہو جائے۔ اور اس پر ملامت ہو۔ تو اسے برداشت کر سکو۔ مثلاً جو نماز باجماعت کے لئے نہیں آتا۔ اُسے جب آنے کے لئے کہا جائے۔ تو اس کی آنکھیں جھک جائیں۔ اور شرمندگی کے مارے پسینہ آجائے۔ ایسے شخص کے متعلق کہیں گے۔ کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے رحم کا مستحق بنانا چاہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نصیحت کرے اور آگے سے کہا جائے۔ تو کون ہے مجھے نصیحت کرنے والا؟ تو اس کے متعلق یہی کہیں گے کہ وہ اصلاح پانے کا مستحق نہیں ہے۔ تو کم از کم اتنا تو ہو۔ کہ سمجھانے والے سے لڑتے نہ پھرو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ سمجھانے والے لوگوں کو مجلسوں میں شرمندہ کرتے پھریں۔ انہیں خود اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔

پھر بعض لوگ شعائر اللہ کی ہتک کرتے ہیں۔ گناہ اور چیز ہے۔ مگر شعائر اللہ کی ہتک بہت بری بات ہے۔ ایک شخص گناہ کرتا ہے۔ مگر اس پر شرماتا ہے۔ تو اس کی

شرمندگی خدا کے رحم کو کھینچتی ہے۔ مگر ایک اور شخص ہے جو علی الاعلان رشوت لیتا ہے یا سود لیتا ہے یا نماز چھوڑتا ہے۔ یا دو بیویاں کر کے ایک کو معلقہ کرتا ہے۔ تو وہ شعائر اللہ کی ہتک کرنے والا ہے۔ اور ایسا شخص قابل رحم نہیں ہو سکتا۔ ایسے گناہ جو مخفی کئے جائیں۔ اور جن پر شرمندگی لاحق ہو۔ وہ قابل عفو ہوتے ہیں۔ مگر علی الاعلان شعائر اللہ کی ہتک کرنے والے گناہ معاف نہیں کئے جاتے ۔

کفار کے متعلق خدا کے وعدے

پھر جہاں آپ لوگوں نے وہ وعدے سنے ہیں جو خدا تعالےٰ نے مومنوں سے کئے ہیں۔ وہاں یہ بھی تو دیکھو۔ کہ خدا نے کفار کے متعلق کیا کہا ہے۔ اور کس قدر عذاب کے ان سے وعدے کئے ہیں؟ فرماتا ہے:۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۲۱-۲۰/۳۲)

ان آیات میں خدا نے بتایا ہے۔ کہ یہ لوگ اس دنیا میں بھی دکھ پائیں گے۔ اور اگلے جہان میں انہیں بہت زیادہ عذاب دیا جائے گا۔ پھر عذاب کی نوعیت کے متعلق فرمایا:۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَاۤ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ (۲۶-۲۱/۷۸)

کہ جہنم ان کافروں کی انتظار میں گھات لگائے ہوئے ہوگا۔ جو خدا کی باتیں نہیں مانتے تھے۔ ان کو آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور گرم پانی اور پیپ پینے کے لئے دی جائے گی۔

پھر فرماتا ہے۔ جس طرح مومن کے لئے وعدہ تھا۔ کہ جو چیز وہ چاہے گا۔ وہی اُسے مل جائے گی۔ اسی طرح کافر کے متعلق کہتا ہے۔ کہ وہ ہر چیز چھوڑنے کے لئے تیار

ہو جائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْہِ ۙ وَصَاحِبَتِہٖ
وَاَخِیْہِ ۙ وَفَصِیْلَتِہِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْہِ ۙ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ ثُمَّ
یُنْجِیْہِ ۙ کَلَّا ؕ اِنَّہَا لَظٰی ۙ (۷۰-۱۱ تا ۱۵)

مجرم چاہے گا۔ کہ بیٹا۔ بیوی۔ بھائی۔ سارا کنبہ اور ساری چیزیں جو کچھ زمین میں ہوں دیکر میں اس عذاب سے مخلصی پاؤں۔ لیکن اسے نہیں چھوڑا جائے گا ؛

پھر مومن کے لئے یہ تھا۔ کہ فرشتے تکریم کے لئے آئیں گے۔ کافر کے متعلق فرماتا ہے

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۘ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی
وُجُوْہِہِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ (۵۴-۴۸ تا ۴۹)

کہ مجرم جب مارا جائے گا۔ تو جان نکلتے ہی اس کو کوڑے پڑنے شروع ہو جائیں گے۔ اور ذلت کی بھی حالت نہ رہے گی۔ بلکہ اور زیادہ ہوگی۔ جس طرح مردہ بھیڑ کی لاش کو پھینک دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کو لاتوں سے پکڑ کر منہوں کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا ؛

کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ سزا میں آرام کے لئے وقفہ مل جاتا ہے۔ لیکن کافروں کے لئے ایسا نہیں ہوگا۔ ادھر مومنوں کے لئے تو یہ فرمایا تھا۔ کہ ان کا انعام بڑھتا ہی جائے گا۔ ادھر کافروں کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ جب وہ عذاب سے نکلنا چاہیں گے۔ تو پکڑ کر پھر اس میں ڈال دیا جائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْہَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْہَا ۗ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ (۲۲-۲۲)

جب کبھی کافر ارادہ کریں گے۔ کہ عذاب سے نکلیں۔ ان کو لوٹا کر اسی میں ڈال دیا جائیگا۔ کہ اس جلانے والے عذاب کا مزا چکھو ؛

یہاں روحانی اور جسمانی دونوں عذاب کا ذکر ہے۔ کہ ان کے جسم تو آگ میں جلتے ہوں گے۔ مگر ان کے دلوں میں بھی آگ لگی ہوگی ؛

پھر جب عادت ہو جائے۔ تو سزا کی تکلیف اتنی محسوس نہیں ہوتی۔ جتنی ابتداء میں ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو جیل میں زیادہ عرصہ رہتے ہیں۔ انہیں جب نکالا جاتا ہے تو کہتے ہیں۔ ہمارا لوٹا وغیرہ سنبھال رکھنا۔ ہم پھر آکر لیں گے۔ کافروں کے متعلق فرمایا۔ ان کو عادی نہیں ہونے دیا جائے گا۔ بلکہ

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (۴-۵۷)

کہ جب ان کے چمڑے جل جائیں گے۔ تو ہم انہیں نئے چمڑے پہنا دیں گے۔ تاکہ وہ عذاب کو محسوس کر سکیں۔

پھر ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ مجرم چاہتا ہے۔ سزا دے لو۔ مگر راضی ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ (۳-۷۷)

ان کو عذاب بھی ملے گا۔ دکھ بھی پہنچے گا۔ اور خدا ان سے بات بھی نہیں کرے گا۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کی طرف نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔

غرض جس قدر عذاب ہو سکتے ہیں وہ بیان کئے گئے ہیں۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ جو چیز تم اپنے نفس میں پاتے ہو۔ اس پر غور کرو۔ اور دیکھو۔ کہ آیا وہ اس قابل ہے کہ اگر نہ ہو۔ تو اتنے عذابوں میں مبتلا کئے جاؤ۔ اگر وہ چیز تمہارے پاس نہیں۔ جس کے نہ ہونے پر اس قدر عذاب دیئے جائیں۔ اور جس کے ہونے پر اس قدر انعام کئے جائیں۔ تو سوچو۔ کہ تم ہرگز ایمان کے اس مقام پر نہیں پہنچے۔ جس کا نام قرآن کریم میں ایمان رکھا گیا ہے۔

بہت بڑی تبدیلی کرو

ان سب باتوں کو بیان کرنے کے بعد میں تو یہی کہوں گا۔ کہ ایک بہت بڑی تبدیلی کی ضرورت ہے اور اپنے نفس پر موت وارد کرنے کی حاجت ہے۔ تم اپنے نفسوں پر موت وارد کر کے دیکھو تو سہی۔ کہ تمہیں کیا ملتا ہے؟ اور تم سے کہا جاتا ہے۔ تم انعام کے وعدوں اور عذاب کے وعیدوں مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اندر تبدیلی کرو۔ اور تھوڑی تھوڑی بات پر ٹھوکر نہ کھایا کرو۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ کئی لوگ معمولی معمولی باتوں پر ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔

تھوڑا ہی عرصہ ہؤا - ایک جگہ سے دریافت کیا گیا - کہ ہم کس کو ووٹ دیں؟ شہر والوں کو لکھا گیا - کہ مشورہ کر کے لکھیں - کہ کون آدمی مناسب ہے؟ ان کے جواب کی بنا پر ایک شخص کے متعلق سفارش کر دی گئی - مگر گاؤں کے لوگوں نے جن کے ووٹ تھے - اس معاملہ کو دوبارہ پیش کیا - اور کہا - کہ یہ شخص مناسب نہیں - اس پر ان کو اجازت دے دی گئی - کہ جس کو چاہیں - ووٹ دیں - اس پر ایک شخص کا خط آیا - کہ اس وجہ سے سکرٹری کو ابتلا آ گیا - کہ کیوں حکم بدلا گیا ہے؟ میں نے کہا - اس پر ابتلاء کوئی نہیں آیا - کیونکہ ابتلا تو وہ ہوتا ہے کہ جس پر نازل ہو - وہ کہے کہ نہیں آیا - مثلاً جس کے رشتہ داروں کو خدا نے مار دیا - وہ خوش ہو - اور کہے کہ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں - غم کی کونسی وجہ ہے؟ اس کے متعلق کہیں گے - کہ اسے ابتلا آیا - لیکن جو یہ کہے - کہ مجھ پر ابتلا آ گیا ہے - کہ میرے رشتہ دار مر گئے ہیں - اس کو کہیں گے جھوٹا ہے - اسے سمجھنا چاہیئے - کہ اس پر ابتلا نہیں - بلکہ اس کی کسی غلطی کی وجہ سے عذاب آیا ہے پس اپنے ایمانوں کو مضبوط کرو - اور اس نعمت کی قدر کرو - جو مسیح موعود کے ذریعہ تمہیں حاصل ہوئی ہے - کیا تم نہیں جانتے - کہ کتنی صدیاں گذر گئیں؟ کہ لوگ مسیح موعود کا انتظار کر رہے تھے - بڑے بڑے علماء مسیح موعود کو دیکھنے کی حسرت کو لے کر چلے گئے - لیکن تم کو خدا تعالےٰ نے اس کا زمانہ عطا کر دیا ہے تم کو وہ ہادی ملا ہے - جس کی تعریف رسول کریمؐ نے کی ہے - اور جس کی تعریف عرش پر بھی کی گئی ہے - کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ - اگر تو نہ ہوتا - تو میں افلاک کو ہی پیدا نہ کرتا۔

پھر خدا نے اپنے فضل سے تمہارے لئے وہ لوگ مہیا کر دیئے - جو خود قرآن سمجھتے اور تمہیں سمجھا سکتے ہیں - پھر خدا نے تمہیں ایک ایسا دل دیا ہے - جس میں تمہارے لئے تم سے زیادہ درد ہے - ایک زبان دی ہے - جو تمہارے لئے ناصح ہے - ایک ہاتھ دیا ہے - جو تمہیں اُوپر کو اٹھاتا ہے - پس تم اس دل اور زبان اور ہاتھ کی قدر کرو - تمہارے بعد آنے

والے آئیں گے - اور حسرت کریں گے - کہ ان کو یہ نعمت نہ ملی - مگر تم کو ملی ہے - افسوس ہوگا - اگر تم نے اس کی قدر نہ کی - تمہارے لئے آج وہ موقع ہے - کہ تمہارے لئے خوانوں میں قسم قسم کی نعمتیں لگا کر آقا خود تمہارے پاس لایا ہے - اس کی قدر کرو - اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو - تمہارا ایمان پہاڑ کی طرح ہو - کہ بڑی سے بڑی چیز جب اس سے ٹکرائے تو پاش پاش ہو جائے - نہ کہ تھوڑی تھوڑی بات پر کہو - کہ ابتلاء آگیا - مومن کب کہتا ہے - کہ میں ابتلاء میں پڑ گیا؟ ہاں اللہ تعالےٰ کہتا ہے - کہ ہم نے مومن کو ابتلاء میں ڈالا - خدا تعالےٰ انبیاء کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو ابتلاء میں ڈالا - مگر کوئی نہیں جو یہ ثابت کر سکے - کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کہا ہو - کہ مجھے ابتلاء آیا ؎

بہادر بنو تم مضبوط چٹان کی طرح بن جاؤ - اور ایسی مضبوط چٹان کی طرح کہ اگر ساری دنیا کے ہاتھی مل کر بھی ٹکر ماریں - تو وہ پاش پاش ہو جائیں - مگر تم ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلو - تم بزدل نہ بنو - ڈرپوک نہ بنو - تم گورنمنٹ کی اطاعت کرو - مگر اس لئے نہیں - کہ تم اس سے ڈرتے ہو - بلکہ اس لئے کہ اس کی اطاعت کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے گورنمنٹ خواہ تمہاری گردنوں پر تلوار بھی رکھ دے - تو بھی اس کے ڈر کی وجہ سے اس کے آگے ذرا نہ جھکو - کہ تمہارا جھکنا صرف خدا ہی کے حکم کے لئے ہے - اور اس نعمت کی قدر کرو - جو خدا نے تمہیں دی ہے - رسول کریمؐ کے صحابہؓ نے اس نعمت کو سمجھا - اور تم جانتے ہو - کہ وہ کیا سے کیا بن گئے - رسول کریمؐ نے آخری وقت میں کہا - کہ اگر کسی کو مجھ سے کوئی دکھ پہنچا ہو - تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے - ایک صحابیؓ نے کہا - مجھے پہنچا ہے - اور وہ یہ کہ ایک دفعہ آپؐ صفیں سیدھی کر رہے تھے - تو مجھے آپؐ کی کہنی لگی تھی - میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں - آپؐ نے فرمایا - لے لو - صحابیؓ نے کہا - اس وقت میرا جسم

ننگا تھا۔ آپؐ بھی جسم ننگا کریں۔ یہ باتیں سُن کر صحابہ رضؓ پر کیسے اثرات ہوئے ہونگے وہ چاہتے ہوں گے۔ کہ اس شخص کا سر اُڑا دیں۔ مگر رسول کریمؐ نے کپڑا اٹھا دیا۔ یہ دیکھ کر اس صحابی رضؓ نے آپؐ کے جسم مبارک کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ یہی بدلہ ہے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اب رسول کریمؐ کا جسم آنکھوں سے اوجھل ہونے والا ہے۔ اور پھر کہاں مل سکے گا؟ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا لوں:۔

یہ وہ محبت کا جذبہ تھا۔ جو صحابہ رضؓ میں پیدا ہو گیا تھا۔ تم بھی محبت کا ایسا ہی جذبہ پیدا کرو۔ اور اب جس وقت یہاں سے جاؤ۔ تو بدلے ہوئے جاؤ۔ وہ کون سا وقت آئے گا۔ جب ہماری جماعت کے لوگ خدا کی راہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی پرواہ نہ کریں گے۔ تمہارے دل میں کسی دنیاوی طاقت کا خوف اور ڈر قطعاً نہیں ہونا چاہئیے۔ تم حکام کی اطاعت کرو۔ مگر ان کے آگے تمہاری گردنیں نہ جھکیں۔ ان کا ادب اور احترام ہو۔ مگر اس لئے کہ خدا کا حکم ہے۔ نہ کہ ڈر کی وجہ سے۔ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ مگر کسی لالچ اور طمع کی وجہ سے نہیں۔ تمہیں جو کچھ مانگنا ہے۔ خدا سے مانگو۔ اور کسی سے تمہیں کچھ نہیں مانگنا چاہئیے۔ اور نہ خدا کے سوا کسی اور کا دیا ہوا تمہارے کسی کام آ سکتا ہے:۔

میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ وہ چیز جو تمہیں مل سکتی ہے اور جو میرے ذہن میں ہے۔ میری طاقت بیان سے باہر ہے۔ اگر تم بزدلیوں۔ کاہلیوں اور غفلتوں کو چھوڑ دو۔ تو تمہیں وہ نعمتیں مل سکتی ہیں۔ جو تمہارے خیال میں بھی نہیں آ سکتیں۔ اور تم ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے اور تم تو اس کا بھی اندازہ نہیں کر سکتے۔ جو میرے ذہن میں ہے۔ کیونکہ تمہارا دل اتنا وسیع نہیں۔ چونکہ خدا نے مجھ سے کام لینا ہے۔ اس لئے اس نے میرا دل بہت وسیع بنایا ہے۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ وہ کیا نعمتیں ہیں جو تمہیں مل سکتی ہیں:۔

پس تم اس وقت کی جو تمہیں ملا ہوا ہے۔ قدر کرو۔ کبھی بڑے کے بعد چھوٹے لوگ بہتر ہوتے ہیں۔ اگر ان کی بھی قدر نہ کی جائے۔ تو پھر ایک وقت آتا ہے۔ جب کہ چھوٹے بھی نہیں رہتے۔ اب ایسے لوگ ہیں۔ جو تمہیں دین سکھا سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ اُن کی قدر نہ کرو۔ اور وہ بھی نہ رہیں۔ تو تمہیں حسرت اور افسوس سے ہاتھ ملنے پڑیں۔

کوئی احمدی اکیلا نہیں

پس اپنے اندر تغیر پیدا کرو۔ اور کبھی کوئی اس بات سے نہ ڈرے۔ کہ کسی جگہ وہ اکیلا احمدی ہے۔ کوئی احمدی اکیلا نہیں۔ ایک وہ ہے۔ اور ایک اس کے ساتھ اور ہے۔ جو خدا ہے۔ اور جس کے ساتھ خدا ہو وہ ساری دنیا کی پرلیشہ جتنی پرواہ نہیں کرتا۔

پس اپنے دلوں سے ہر قسم کا خوف نکال دو۔ اور کمریں کس لو۔ اور نیتیں کر لو۔ کہ ساری دنیا میں اسلام کو پھیلا کے چھوڑیں گے۔ تم اس ارادہ اور نیت کو لے کر یہاں سے چلو۔ تاکہ وہ آرزوئیں جو تمہارے متعلق میرے دل میں ہیں۔ وہ پوری ہوں۔ اور ان کو پورا ہوتا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔
خدا تعالےٰ تمہارے ساتھ ہو۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

تقریر حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

جو حضور نے

سالانہ جلسہ پر ۲۸ دسمبر ۱۹۲۰ء کو مسجد نور میں فرمائی (بعد ظہر)

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین۝ الرحمٰن الرحیم۝ مٰلک یوم الدین۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین۝ اھدنا الصراط المستقیم۝ صراط الذین انعمت علیھم۝ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین۝

بات یاد رکھنے کا طریق

میں نے پچھلے جلسوں پر بھی آپ لوگوں کو بارہا نصیحت کی ہے۔ اور مشورہ دیا ہے کہ جو لوگ خاص طور پر کسی بات کو یاد رکھنا چاہیں۔ ان کے لئے اس

کا ایک اعلیٰ درجے کا طریق یہ بھی ہے۔ کہ لکھتے جائیں۔ کیونکہ انسانی دماغ کی بناوٹ خدا تعالیٰ نے اس طرز کی بنائی ہے۔ کہ جتنے زیادہ حواس کسی چیز کے معلوم کرنے کے لئے لگائے جائیں۔ اسی قدر وہ زیادہ محفوظ رہتی ہے۔ جس چیز کے دریافت کرنے میں ایک حس کام کرے۔ اس کا اثر دماغ پر بہ نسبت اس کے کم ہوگا۔ جس کے دریافت کرنے میں دو حسیں لگتی ہیں۔ اور جب کوئی شخص کسی بات کو سنتا بھی جائے۔ اور ساتھ ساتھ لکھتا بھی جائے۔ تو اس کی دو طاقتیں خرچ ہوں گی۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ اس کی نظر بھی اس بات پر پڑتی جائے گی۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ اس کی قوت ارادی بہت جوش میں ہوگی۔ اس کے دماغ پر زیادہ گہرا اثر پڑیگا ہاں وہ لکھنا نہیں جو اخباروں والے لکھتے ہیں۔ کیونکہ ان پر لکھنے کا اتنا زیادہ بوجھ ہوتا ہے۔ کہ ان کو یاد نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے چونکہ دوسروں کے لئے لکھنا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی کوشش ہوتی ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے۔ ہر لفظ کو محفوظ کر لیں۔ لیکن دوسرے چونکہ خلاصہ لکھتے ہیں۔ اس لئے وہ اس پر غور کر سکتے ہیں۔ اور جب غور کر لینے کے بعد لکھتے ہیں۔ تو ان کے حافظہ سے وہ بات باہر نہیں جا سکتی۔ اور جوں جوں وہ لکھیں گے۔ ان کی نظر اس پر پڑتی جائے گی۔ اور اس طرح وہ بات ان کے حافظہ میں اور زیادہ محفوظ ہوتی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پرانے بزرگ اس بات کی احتیاط کرتے تھے۔ کہ جب درس دیتے۔ تو سننے والوں کو کاپی اور قلم دوات کے بغیر نہ بیٹھنے دیتے۔ لکھا ہے۔ کہ امام مالک درس دیا کرتے تھے۔ ان کے درس میں امام شافعیؒ آ گئے۔ امام مالک مدینہ میں رہتے تھے۔ اور یہ مکہ سے گئے تھے ان کی عمر بھی چھوٹی تھی۔ یعنی تیرہ سال کی تھی۔ جب دو تین دن اُن کے درس میں بیٹھے۔ اور انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس کاپی اور قلم دوات نہیں۔ تو امام مالک رح نے انہیں کہا۔ لڑکے تو کیوں یہاں بیٹھا کرتا ہے؟

امام مالک رہ کو برا معلوم ہوا۔ کہ جب درس میں آتا ہے۔ تو لکھتا کیوں نہیں۔ امام شافعی رہ کو خدا نے ایسا حافظہ دیا تھا۔ کہ جو بات سنتے یاد ہو جاتی۔ انہوں نے کہا۔ پڑھنے کے لئے آیا ہوں۔ امام مالک رہ نے کہا۔ پھر لکھتا کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا۔ میں جو کچھ سنتا ہوں۔ یاد ہو جاتا ہے۔ امام مالک رہ نے کہا۔ اچھا جو کچھ میں نے پڑھایا ہے۔ سناؤ۔ انہوں نے سنا دیا۔ امام مالک رہ کے دوسرے شاگرد کہتے ہیں۔ کہ ہماری کاپیوں میں غلطیاں نکلیں۔ مگر انہوں نے صحیح صحیح سنا دیا۔

لیکن ایسا ذہن ہر شخص کا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پہلے طریق سے کام لینا چاہیئے۔ جس سے حافظہ کی کمزوری کی تلافی ہو سکے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ سنا جائے۔ اسے اچھے طور پر نوٹ کر لیا جائے۔ اس سے یہ بھی فائدہ ہوتا ہے۔ کہ انسان اسے بار بار دیکھ کر یاد کر لیتا ہے۔

سنتے وقت پوری توجہ کرنی چاہیئے

اس کے بعد میں آپ لوگوں کو ایک اور نصیحت کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ سنتے ہوئے پوری توجہ مضمون کی طرف دینی چاہیئے۔ کیونکہ جو بات علمی ہو۔ اس کا سمجھنا اور یاد رکھنا آسان بات نہیں۔ اس کے لئے جب تک پوری توجہ نہ دی جائے۔ انسان سننے کے بعد ایسا ہی کورے کا کورا اٹھتا ہے۔ جس طرح کا کورا آیا تھا۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے متعلق سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں لیکن چونکہ مثال ہے۔ اس لئے بیان کرتا ہوں :-

آتا ہے۔ کہ رسول کریمؐ کی مجلس میں منافق آتے۔ اور باہر جا کر ایک دوسرے سے پوچھتے۔ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ابھی انہوں نے کیا بات کی تھی۔ وہ گو مجلس میں آتے۔ لیکن سنتے نہ تھے۔ کہ کیا باتیں ہوتی ہیں؟ اس لئے ایک دوسرے سے پوچھتے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جب انسان کسی ایسی مجلس میں

بیٹھتا ہے۔ جس میں دین کی باتیں ہوتی ہیں۔ تو شیطان اس کی توجہ کو کہیں کا کہیں لے جاتا ہے۔ تاکہ انسان ان باتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اور ٹھوکر کھا جائے ۔

بہت لوگ ہوتے ہیں جو مجلس میں تو بیٹھتے ہیں۔ لیکن جو بات سنائی جائے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور بعض اوقات جب ان سے پوچھا جائے۔ کہ کیا کہا گیا ہے؟ تو کہہ دیتے ہیں۔ کہ مزا تو بڑا آیا تھا۔ مگر یاد نہیں رہا۔ کہ کیا کہا گیا تھا؟ ایسے لوگوں کو مزا اس لئے نہیں آتا۔ کہ وہ توجہ سے سُن رہے تھے۔ بلکہ اس لئے آتا ہے۔ کہ دوسرے واہ واہ کہہ رہے اور مزا اٹھا رہے تھے ۔

پس جو کچھ کہا جائے۔ اسے غور سے سنو۔ اور توجہ سے سنو۔ اور جن کے پاس لکھنے کا سامان ہے۔ اور وہ لکھنے کے عادی ہیں۔ وہ لکھتے بھی جائیں۔ ہاں جو لکھنے کے عادی نہ ہوں۔ وہ نہ لکھیں۔ تا ایسا نہ ہو۔ کہ لکھنے لگیں تو بھول جائیں۔ جنہیں لکھنے کی مشق ہے وہ لکھتے جائیں۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں۔ کہ بعض دفعہ بیماری یا کسی اور وجہ سے تقریریں جلدی شائع نہیں ہو سکتیں۔ اور وہ نقوش جو یہاں سے دل پر ہوتے ہیں۔ مٹ جاتے ہیں۔ لیکن جنہوں نے خود لکھا ہو گا۔ وہ اپنے لکھے کو دیکھ کر اپنی یاد تازہ کر سکیں گے ۔

پچھلے سال ایک ایسے اہم مسئلہ پر تقریر ہوئی تھی جو ایمانیات میں داخل ہے۔ مگر ایسے اسباب ہو گئے۔ کہ وہ تقریر جلدی نہ چھپ سکی اور اب چھپی ہے۔ اب اسے جو پڑھے گا۔ اسے نیا مضمون معلوم ہو گا مگر جنہوں نے نوٹ لکھے ہوں گے۔ انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا ہو گا ۔

مضمون کی اہمیت

آج کا جو مضمون ہے وہ بھی بہت اہم ہے اور اسلام کے بنیادی اصول اور ایمانیات میں سے ہے۔ اور نہایت باریک مضمون ہے۔ تقدیر کا مسئلہ مشکل تھا۔ مگر اس طرف عام و خاص کی توجہ چونکہ لگی رہتی ہے۔ اس کا سمجھنا اس توجہ

اور لگاؤ کیوجہ سے آسان تھا۔ مگر یہ مسئلہ وہ ہے۔ کہ باوجود ایمانیات میں سے ہونے کے اس کی طرف لوگوں کو توجہ نہیں۔ تقدیر تو ایسا مشہور لفظ ہے۔ کہ جہاں کسی کو نقصان ہوا یا فائدہ پہنچا۔ اس نے کہہ دیا۔ تقدیر سے ہوا ہے۔ اور چونکہ اس تقریر میں بار بار تقدیر کا لفظ آتا تھا۔ اس لئے اس کی طرف توجہ رہتی تھی۔ اور چونکہ بالعموم لوگ سوال کرتے ہیں کہ تقدیر کیا ہوتی ہے؟ اس لئے بھی اس کے متعلق جو کچھ کہا گیا۔ اسے توجہ سے سننے کی خواہش ہوتی تھی۔ اور چونکہ تقدیر ہر روز سامنے آتی ہے۔ اس لئے بھی اس کی طرف خیال رہتا تھا۔

مگر یہ مضمون جو آج بیان ہوگا۔ اگرچہ ایمانیات میں شامل ہے۔ لیکن بار بار انسان کے سامنے نہیں آتا۔ اور لوگ جانتے ہی نہیں۔ اور سمجھتے ہی نہیں۔ کہ اسے ایمانیات میں کیوں داخل کیا گیا ہے؟ اس لئے اس کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ مسئلہ ملائکہ کا وجود ہے۔

ملائکہ پر ایمان لانا ایمانیات میں داخل ہے

ملائکہ کو خدا تعالےٰ نے ایمانیات میں شامل کیا ہے۔ اور جو شخص ملائکہ پر ایمان نہیں لاتا وہ اسلامی نقطۂ خیال سے چاہے کتابوں پر۔ رسولوں پر۔ اور آخرۃ پر ایمان لائے۔ تو بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ کافر ہی رہے گا۔ اور جس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا کافر ہوگا اسی طرح جبرائیلؑ کا منکر بھی کافر ہوگا۔ اور جس طرح خدا تعالےٰ کی کتابوں کا انکار کرنے والا کافر ہوگا۔ اسی طرح ملائکہ کا انکار کرنے والا بھی کافر ہوگا۔ اور جس طرح حشر و نشر پر ایمان نہ لانے والا کافر ہوگا۔ اسی طرح فرشتوں کو نہ ماننے والا بھی کافر ہوگا۔ مگر افسوس! کہ مسلمانوں نے ملائکہ کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ ملائکہ کیا ہوتے ہیں؟ ان کا وجود کیوں منوایا گیا ہے؟ ان کے ماننے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اس کو نہیں جانتے۔ رسول کریم

اور قرآن مجید کو ماننے کا تو یہ فائدہ ہے۔ کہ اچھی باتوں کی ہدایت ملتی ہے اور ان پر عمل کر کے انسان اعلیٰ روحانی مدارج حاصل کر سکتا ہے۔ قیامت کے ماننے کا یہ فائدہ ہے۔ کہ انسان ڈر کے مارے گناہ چھوڑتا اور نیک عمل کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ قیامت کے دن بُرے کاموں کی سزا ملے گی۔ اور نیک اعمال کا اجر ملے گا۔ خدا تعالےٰ کو ماننے کا بھی فائدہ ظاہر ہے کہ خدا رازق ہے۔ خالق ہے۔ رحیم ہے۔ کریم ہے۔ اس کو مان کر اسکی ان صفات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مگر ملائکہ کیا ہیں؟ جو منوائے جاتے ہیں۔ ان کا کیا فائدہ ہے کہ انہیں مانا جائے؟

ملائکہ کے متعلق عام لوگوں کا ایمان

عام طور پر لوگوں کو جو ملائکہ کے متعلق ایمان ہے۔ اس کی نسبت سوچیں۔ کہ وہ اگر جاتا رہے۔ تو ان میں کیا کمی آجائے گی؟ ہر ایک شخص سوچے۔ کہ اگر میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہوں گا۔ کہ آپ رسول نہیں۔ تو ان کی تعلیم اس سے جاتی رہے گی۔ اگر قرآن کے متعلق کہوں گا۔ کہ خدا کا کلام نہیں۔ تو اس کی تعلیم کو جواب دینا پڑے گا۔ لیکن اگر یہ کہہ دوں کہ فرشتے نہیں۔ تو کیا نقصان ہوگا؟

لوگوں کو ملائکہ کے متعلق جو ایمان ہے۔ وہ ننانوے فیصدی لوگوں میں اتنا ہے کہ اگر اس کی نفی کر دی جائے۔ تو ان کے موجودہ ایمان میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اور ان کے ماننے کی وجہ سے ان کے ایمان میں کوئی زیادتی نہیں ہے۔ حالانکہ ہر ایک ایمانی مسئلہ کے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ بہت بڑا اہم مسئلہ ہے۔ اس کے فائدے بھی بہت بڑے ہیں۔ اور اس کو ترک کرنے کے نقصان بھی بہت بڑے ہیں۔ نہ یہ کہ صرف منہ سے کہہ دیں کہ فلاں بات ہم نے مان لی۔ تو کافی ہو جاتا ہے۔ ورنہ نہ اس کے ماننے سے کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ اور نہ انکار کرنے سے کوئی نقصان۔ اس طرح

تو ہم ہمالیہ پہاڑ پر بھی ایمان لاتے ہیں - مگر چونکہ ہمالیہ پر ایمان لانے سے نہ کوئی نفع ہے - اور نہ اس کا انکار کرنے سے نقصان - اس لئے اسے ایمانیات میں داخل نہیں کیا گیا - مگر ملائکہ پر ایمان لانے کو ایمانیات میں داخل کیا گیا ہے - پس ضروری ہے - کہ ان پر ایمان لانے سے بہت بڑا فائدہ ہو اور نہ ایمان لانے سے نقصان ؛

فرشتوں پر کیوں ایمان لائیں؟

غرض یہ ایک نہایت ضروری سوال ہے - کہ فرشتوں کو کیوں مانیں ؟ ان کا ہمارے ساتھ کیا تعلق ہے - ان سے ہمیں کیا فائدہ پہنچتا ہے ؟ اگر ہمیں ان سے کوئی فائدہ نہیں - تو ان پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے ؟ اگر کوئی کہے - کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فرشتے تعلیم لائے - اس لئے ان پر ایمان لانا چاہیئے - تو کہا جا سکتا ہے - کہ پھر ہمیں ان سے کیا تعلق ؟ اگر انکی معرفت وحی کا آنا ہمیں معلوم نہ ہو - تو ہمارے ایمان اور ہمارے عمل میں کیا کمی آ جائیگی ؛ اگر یہی فرض کر لیا جائے - کہ اللہ تعالےٰ اپنا کلام بلا واسطہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل فرماتا تھا - تو اس سے کیا حرج واقعہ ہوگا ؟ اس سے قرآن کریم میں تو کوئی کمی نہیں آ جائے گی - پھر ہم سے فرشتوں کا وجود کیوں منوایا جاتا ہے ؟ اور اتنے زور سے کیوں منوایا جاتا ہے ؟ کہ اگر نہ مانیں تو مسلمان ہی نہیں رہتے - کافر ہو جاتے ہیں ؛

اس قسم کے خیالات کی وجہ سے یہ مضمون مشکل بھی ہے - اور شاید بہتوں کے لئے پھیکا بھی ہو - اور ان کی توجہ اس طرف قائم نہ رہے - کیونکہ فرشتے ایسی چیز ہیں - جو نظر نہیں آتے - اور ان سے بظاہر کوئی تعلق بھی نہیں معلوم ہوتا - مسئلہ تقدیر بھی مشکل تھا - لیکن جب اس کے متعلق کہا جاتا تھا - کہ خدا نے تقدیر کے ذریعہ کسی کے لئے عذاب نہیں مقرر کر چھوڑا - اور ایسا نہیں ہے - کہ انسان عذاب سے بچ نہ سکے - تو ان خیالات کے باعث

جو تقدیر کے متعلق عام طور پہ پھیلے ہوئے ہیں۔ جو بوجھ نظر آتا تھا۔ وہ اتر جاتا تھا اور اس وجہ سے اس مسئلہ کی طرف توجہ قائم رہتی تھی۔ اور لوگ غور سے سنتے تھے۔ مگر ملائکہ کو چونکہ غیر متعلق چیز سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کی کوئی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی۔ اس لئے شاید توجہ نہ رہے ؀

پھر ملائکہ کے متعلق عام مصنفین نے بھی کچھ نہیں لکھا۔ انہوں نے ان کی کیفیت کو سمجھا ہی نہیں۔ حالانکہ ان سے انسان کو ایسے ایسے فوائد پہنچ سکتے ہیں کہ اگر معلوم ہو جائیں۔ تو بیتاب ہو کر یہی کتابوں کو پڑھیں۔ جن میں ان کا ذکر ہوتا ہے۔ صوفیاء نے ان کے ذکر کو لیا ہے۔ اور اپنی تصنیفوں میں بیان کیا ہے۔ مگر پھر بھی بہت تھوڑا بیان کیا ہے۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اگر کسی انسان نے سب سے زیادہ ان کے متعلق بیان کیا ہے۔ تو مسیح موعودؑ نے ہی بیان کیا ہے۔ اور آپ ہی نے آکر ان کی حقیقت کے راز سربستہ کو کھولا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسیح موعودؑ کے درمیان اور کسی نے نہیں کھولا۔ قرآن کریم نے ان کی حقیقت کو کھولا ہے۔ یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات میں ان کا ذکر ہے۔ باقی صوفیاء کے کلام میں بھی ان کا ذکر ہے۔ مگر بہت کم اور دوسرے مصنفین نے تو ان کا ذکر ہی نہیں کیا۔ معمولی معمولی باتوں کے متعلق تو انہوں نے بیسیوں قصے بیان کر دیئے۔ مگر ملائکہ کی نسبت اس طرح چپ چاپ گذر گئے۔ کہ گویا یہ کوئی چیز ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ ان کی حقیقت بیان کرنا بہت مشکل کام تھا۔ اور ان میں بیان کرنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن اب چونکہ ایسا زمانہ آگیا ہے۔ کہ ہر چیز کی حقیقت کو کھول دیا جائے۔ تاکہ کسی کو کسی مسئلہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ رہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ کہ ملائکہ کی حقیقت سے بھی دنیا آگاہ ہو جائے ؀

آجکل کے مسلمانوں کے وہمی فرشتے

چند ہی دن ہوئے۔ ایک آریہ نے بیان کیا۔ کہ مسلمان اسلام سے بدظن ہو رہے

ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں یہ بات بھی پیش کی ہے۔ کہ سید امیر علی صاحب نے جو مسلمان ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ فرشتے ایک وہمی چیز ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج کل کے مسلمان کہلانے والوں کے ذہن میں جو فرشتے ہیں۔ وہ وہمی ہی ہیں۔ کیوں کہ انہیں کچھ پتہ نہیں ہے کہ فرشتے کیا ہیں؟ ان پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کے کیا فوائد ہیں؟ مگر میں نے جیسا کہ ابھی بتایا ہے۔ جو بات بھی ایمان میں داخل ہے۔ وہ لغو نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بہت بڑے فوائد ہیں۔

پس چونکہ یہ ایک ایسا مضمون ہے۔ کہ جس سے عام لوگوں کو لگاؤ نہیں۔ اس لئے اس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے

نئی تعلیم کی وجہ سے ملائکہ پر بہت اعتراض کئے جاتے ہیں مگر ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو ثابت کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ جس طرح اور بہت سی چیزوں کو ثابت کیا جاتا ہے جو نظر سے غائب ہوتی ہیں۔ اور ہم ملائکہ کے متعلق ایسے ثبوت دے سکتے ہیں کہ ہر شخص ان کو سمجھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ تعصب کی پٹی اسکی آنکھوں پر نہ بندھی ہو۔

کیا ملائکہ نہیں ہیں؟

آج کل نئی تعلیم کے اثر سے بالعموم مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے۔ کہ ملائکہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو قوت پیدا ہوتی تھی۔ اسی کا نام ملائکہ رکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ جو نام جبرائیل

یا میکائیل رکھ دیئے گئے ہیں - ان کی غرض یہ ہے - کہ لوگوں میں چونکہ ان کا خیال پھیلا ہوا تھا - اور یہ نام رائج تھے - اس لئے اپنی باتوں کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے ان کے نام لے دیئے گئے ہیں ؛

مگر ہم دیکھتے ہیں - کہ ملائکہ کا وجود اس زور کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے - کہ خدا تعالےٰ کے بعد اگر کثرت کے ساتھ کوئی مسئلہ پایا جاتا ہے - تو ملائکہ کا ہی ہے - وحشی سے وحشی قوموں کے حالات سے بھی پتہ لگتا ہے - کہ وہ ملائکہ کو مانتے تھے - بہت سے مذاہب ایسے ہیں - جن کی تعلیمیں اب دنیا میں باقی نہیں جاتیں - مگر ان کے آثار قدیمہ سے ملائکہ کا پتہ لگتا ہے - اور جو مذہب موجود ہیں - ان میں تو نہایت صفائی کے ساتھ اُن کا ذکر پایا جاتا ہے ؛

دیگر مذاہب میں ملائکہ کا ذکر!

چنانچہ قدیمی مذاہب میں سے سب سے زیادہ زرتشتی مذہب میں بیان کیا گیا ہے - اس مذہب کے لوگوں نے جس صفائی کے ساتھ ملائکہ کے متعلق بیان کیا ہے - (اگرچہ انہوں نے اس بیان میں غلطیاں بھی کی ہیں -) مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اتنا مسلمانوں نے نہیں کیا - ان لوگوں نے ملائکہ کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ؛

ان کے بعد دوسرے درجہ پر یہودی ہیں - یہ چونکہ تازہ ہی مذہب ہے - اور کوئی بہت زیادہ زمانہ اس پر نہیں گزرا - اور اس کی حفاظت بھی ایک حد تک ہوتی رہی ہے - اس میں بھی ملائکہ کے متعلق بہت سی تعلیم موجود ہے - انکے بعد ہندو ہیں - ان کا مذہب اگرچہ بہت قدیم کا ہے مگر ان میں بھی ملائکہ کو تسلیم کیا گیا ہے - گو آجکل یہ لوگ نئی اور تشریحیں کردیں - اسی طرح چین کے لوگوں کی جو پرانی کتابیں ہیں - ان میں

بھی ملائکہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ پھر مصر اور یونان کے آثار قدیمہ میں بھی ملائکہ کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ اور ایسی وحشی قومیں جن کے نام کا بھی پتہ نہیں لگتا۔ ان کے آثار اور ضرب الامثال سے بھی ملائکہ کا پتہ لگتا ہے۔ کسی جگہ تو یوں ذکر ہے۔ کہ پروں والی ایک مخلوق ہے۔ جو انسان کو سزا دیتی ہے۔ اور کسی جگہ اس قسم کی تصویریں ملتی ہیں۔ جو کئی کئی ہزار سال کی ہیں۔ کہ پروں والی تصویریں اوپر سے نیچے کی طرف آ رہی ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے پتہ لگتا ہے۔ کہ ان میں بھی ملائکہ کا خیال پایا جاتا تھا۔

پس تمام اقوام میں ملائکہ کے خیال کا پتہ لگتا ہے۔ سب سے زیادہ زرتشتیوں میں۔ ان سے اتر کر یہودیوں میں۔ ان سے اتر کر ہندوؤں میں۔ اور دوسری پرانی اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور عیسائیوں میں بھی۔ حتّٰے کہ پولوس نے بحث اٹھائی ہے۔ کہ ان کی عبادت جائز ہے۔ یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ایسی تعلیم تھی۔ جس کا اثر تمام قلوب پر تھا۔ اور جس طرح خدا تعالےٰ کے متعلق ہر ایک قوم کے ایمان کو دیکھ کر انسان رہ جاتا ہے۔ کہ شروع سے تمام لوگ خدا تعالےٰ کو مانتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ ثبوت ہے خدا تعالےٰ کی ہستی کا۔ اسی طرح جب وہ قومیں جن کے تمدن آپس میں نہیں ملتے۔ جن کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ وہ ساری کی ساری ملائکہ کی قائل پائی جاتی ہیں۔ تو یہ ملائکہ کے ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

زرتشتی مذہب میں ملائکہ کا ذکر

زرتشتیوں میں یہ عجیب بات پائی جاتی ہے کہ ان میں فرشتوں کے جو نام آئے ہیں۔ اور وہ نام جو مسلمانوں میں ہیں۔ آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ اور ان کے کام بھی آپس میں ملتے ہیں۔

ان کا خیال ہے۔ کہ خدا دو ہیں۔ ایک تاریکی کا اور ایک نور کا۔ نور کے خدا کی یہ منشاء ہے۔ کہ ظلمت کے خدا کو کمزور کر دے۔ اور کہتے ہیں

ایک وقت آئے گا۔ جب ظلمت کا خدا کمزور ہو جائے گا۔ نیکی کے خدا کو یزدان اور بدی کے خدا کو اہرمانہ۔ اور بالعموم اہرمن کہتے ہیں۔ یعنی تاریکی کا آدمی۔ اس نام سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کے معنے شیطان تھے۔ خدا نہ تھے۔ لیکن وہ کہتے ہیں۔ کہ خدا کے مقابلہ میں یہ بدی کا خدا ہے۔ اور یہی بدیاں کرتا ہے۔

زرتشتیوں کی مذہبی زبان اوستا میں بڑے دو فرشتوں کو امیشیا کہتے ہیں جو کہ امیشیا سے نکلا ہے۔ جس کے معنے غیر فانی کے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ فرشتے غیر فانی ہوتے ہیں۔ جس طرح انسانی روح فنا سے محفوظ رکھی گئی ہے۔ اسی طرح ان کو بھی ہمیشہ کی زندگی عطا کی گئی ہے۔

زرتشتیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ فرشتے تمام نیکیوں اور مذہب کا سرچشمہ ہیں۔ اور اصولاً خدا تعالےٰ کے مظاہر ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ فرشتے ہزاروں سال کی ترقی کے بعد اپنے موجودہ درجہ تک پہنچے ہیں۔ اور وہ فرشتوں کی نسبت خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ لاثانی موتی ہیں۔ جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ لیکن ہمیں نفع رساں ہیں۔ وہ جواھر نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ یہ ان کی ہتک ہوگی۔ وہ پھول نہیں جو درختوں پر لٹکے ہوں۔ بلکہ وہ ستاروں کی طرح ہیں۔ جو سورج کے گرد گھوم رہے ہوں۔ وہ خدا کیلئے زینت نہیں۔ بلکہ اس کی ذات کے مظہر ہیں۔

زرتشتی کتب میں سب سے بڑے فرشتہ کا نام دوہوماناح لکھا ہے اُسے وہشتا ماناح بھی کہتے ہیں۔ یعنے سب سے بہتر فرشتہ۔ دوہوماناح کے معنے نیک دل یا اصلاح کرنے والے فرشتہ کے ہیں۔ اور عبرانی اور عربی میں جبر کے معنے بھی اصلاح کے ہیں۔ پس دونو ناموں کی مطابقت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوہوماناح درحقیقت جبریل کا ہی نام ہے۔

زرتشتی کتب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسانی دماغ کو روشنی اسی

فرشتہ کی وساطت سے آتی ہے۔ بلکہ زرتشت نے خدا تعالےٰ سے دعا کی تھی۔کہ نور اور الہام کی روشنی سے وہ ووہومانا ح کو دیکھے۔اور آخر وہ فرشتہ اسے ملا۔تمام نیک تحریکیں اس فرشتہ کی طرف سے آتی ہیں۔ اور جو لوگ اس فرشتہ کی تحریکات کو قبول نہیں کرتے یہ فرشتہ ان کو چھوڑ دیتا ہے ؎

دوسرا فرشتہ زرتشتیوں کے نزدیک آشا ہے۔ یعنی تقویٰ کا فرشتہ ہے۔ ظاہری اشیاء میں سے آگ آشا کے سپرد ہے۔کیونکہ نور آگ سے پیدا ہوتا ہے۔اور تقوٰے نور سے پیدا ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ میکائیل ہے۔کیونکہ میکائیل دنیاوی ترقی کا فرشتہ ہے اور دنیاوی ترقی کا نشان آگ ہے ؎

ان دونو فرشتوں کے علاوہ وہ پانچ بڑے فرشتے اور مانتے ہیں۔ اور چھوٹے فرشتوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔اور بڑے فرشتوں کے سپرد تمام انتظام ہے۔ اور ان کا خیال ہے۔کہ فرشتے ہمیشہ انسان کے دل پر نیک اثر ڈالتے رہتے ہیں۔تاکہ شیطان اس میں نہ گھس سکے۔ اور کہتے ہیں۔پیدائش خدا کی طرف سے ہے۔اور موت شیطان کی طرف سے۔اس وجہ سے وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔کہ چونکہ پیدائش خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔اس لئے انسان نیک ہی پیدا ہوتا ہے۔اور فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔مگر شیطان اس کو برائی سکھاتا ہے۔اگر انسان اس کی بات مان لے۔تو فرشتے اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔کہ اب یہ شیطان کا بندہ ہوگیا ہے ؎

پھر ان کا خیال ہے۔کہ خدا اور شیطان کا مقابلہ ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ ایرانی النسل ایک نبی پیدا ہوگا۔اور اس کا نام میسیو زربھی ہوگا۔یعنی مسیح مبارک کے نام سے ایک نبی آئے گا۔جو زرتشت کی

اولاد سے ہوگا۔ مگر ظاہری اولاد سے نہیں۔ کیوں کہ لکھا ہے۔ کہ وہ اس بیوی سے ہوگا۔ جس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ٭

اس کے زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ ہوگی۔ وہ خدا تعالےٰ سے التجا کرے گا۔ کہ جنگ بہت مہیب ہے۔ تُو فرشتے نازل کر۔ اس پر خدا تعالیٰ فرشتے نازل کریگا۔ شیطان مقابلہ کرتا کرتا آخرکار تھک جائے گا۔ اس وقت وہ نبی اس پر فرشتوں کی مدد سے آخری حملہ کریگا۔ اور خطرناک جنگ ہوگی۔ جس میں شیطان کو شکست ہوگی۔ اور وہ پکڑا اور مارا جائیگا۔ اس کے بعد امن ہو جائے گا۔ اور یہ دنیا بہت پھیل جائے گی اس لئے کہ کوئی آدمی مر نہیں سکیگا۔ کیونکہ شیطان جو مارنے سے تعلق رکھتا ہے۔ خود مرگیا ہوگا ٭

معلوم ہوتا ہے۔ یہ باتیں ایک نبی کی کہی ہوئی ہیں۔ کیونکہ سچی نکلی ہیں۔ اور پوری ہو رہی ہیں۔ میسیو زر بھی (مسیح مبارک) آیا۔ اور انہی نشانات کے ساتھ آیا۔ جو بیان کئے گئے۔ پھر یہ بات اور نبیوں نے بھی کہی ہے۔ کہ ایک آخری جنگ۔ شیطان کے ساتھ ہوگی۔ چنانچہ اب ہو رہی ہے۔ کئی کئی طریقوں سے کوشش کی جارہی ہے۔ کہ لوگوں کو سچے مذہب سے پھرایا جائے اور لوگ خدا کو چھوڑ دیں۔ اس کے مقابلہ میں لوگوں کو خدا سے ملانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ ایک نہایت خطرناک جنگ ہے ٭

پھر فرشتے آسمان سے مانگنے والی بات بھی درست نکلی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک کشف ہے۔ کہ آپؑ نے خدا سے ایک لاکھ فرشتے مانگے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پانچ ہزار کافی ہیں۔ ایک لاکھ زیادہ ہیں۔ چونکہ قرآن کریم میں زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر آیا ہے۔ اس لئے اتنے ہی دیئے گئے۔ ان سے زیادہ نہ دیئے گئے۔ غرض یہ بات بھی سچی نکلی ٭

زرتشتیوں میں فرشتوں کے اعمال کے متعلق بڑی تفصیلیں آتی ہیں۔ گو انہوں نے ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔ مگر ان کی کتابوں میں ایسے مضامین

پائے جاتے ہیں۔ کہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر اسلام کو چھوڑ کر کسی مذہب نے ملائکہ کا بیان کیا ہے۔ تو وہ زرتشتی مذہب ہی ہے ؎

یہودی مذہب میں ملائکہ کا ذکر

پھر یہودیوں میں بھی ملائکہ کی تعلیم پائی جاتی ہے وہ جبرائیل کو آگ کا فرشتہ کہتے ہیں۔ مگر ان کو غلطی لگی ہے۔ کیونکہ یہی نام زرتشتیوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر وہ اسے کلام لانے والا فرشتہ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ نام ان میں پہلے کا پایا جاتا تھا۔ اور یہودیوں میں بعد میں آیا ہے۔ اور ان کی ایران سے جلا وطنی کے بعد آیا ہے۔ اس لئے چونکہ جن یہودیوں سے یہ نام لیا ہے۔ ان میں اس کو رحمت کا فرشتہ اور کلام لانے والا مانا جاتا ہے۔ اس لئے اسے آگ کا فرشتہ کہنا غلط ہے۔ پھر بائیبل میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اسے رحمت کا فرشتہ قرار دیا گیا ہے۔ طالمود میں آتا ہے۔ کہ دانیال نبی کے زمانہ میں جن لوگوں کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ ان کو بچانے والا جبرائیل ہی تھا ؎

چنانچہ لکھا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم کو لوگ آگ میں ڈالنے لگے تو جبرائیل نے خدا تعالےٰ سے کہا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں اس کو بچاؤں۔ خدا تعالےٰ نے کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں۔ تمہیں اس کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ابراہیمؑ بھی زمین میں ایک ہی ہے۔ اور میں بھی ایک ہی ہوں۔ اس لئے میں ہی اُسے بچاؤں گا۔ یہ وہی بات ہے۔ جو ہمارے ہاں ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے لگے۔ تو جبرائیلؑ ان کے پاس آیا۔ اور کہا۔ مجھ سے کچھ مانگ لو۔ انہوں نے کہا۔ تم سے میں کچھ نہیں مانگتا۔ اس نے کہا۔ پھر خدا سے مانگو۔ انہوں نے کہا۔ خدا سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا وہ خود نہیں دیکھتا۔ کہ میری کیا حالت ہے؟

طالمود میں آتا ہے۔ کہ جبرائیل کو خدا نے کہا۔ کہ تو نہیں میں ابراہیمؑ

کو بچانے کے لئے جاؤں گا۔ مگر میں تیری اس نیکی کو ضائع نہیں کروں گا آئندہ ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ایک کو بچانے کے لئے تجھے اجازت دُونگا چنانچہ دانیالؑ کے وقت جب لوگ آگ میں ڈالے گئے۔ تو اس وقت خدا نے جبرائیلؑ کو ان کے بچانے کی اجازت دی۔ اور اس نے انہیں بچایا ؛

غرض یہودیوں میں بھی شروع سے لے کر آخر تک فرشتوں کا ذکر چلتا ہے۔ اور انہیں خدا کا بیٹا کہا گیا ہے ؛

ہندو مذہب میں ملائکہ کا ذکر

اسی طرح ہندوؤں میں بھی فرشتوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ورونہ وغیرہ نام آتے ہیں۔ عام لوگ ان کو ایسی روحیں سمجھتے ہیں۔ جن کی پوجا کرنی چاہیئے۔ مگر دراصل یہ فرشتے تھے۔ جو خدا کا کلام لاتے تھے۔ کیونکہ وہومانہ اور ورونہ کا کام ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ وہومانہ کا تعلق بھی سورج سے بتاتے ہیں اور ورونہ کا بھی سورج سے ہی۔ مگر غلطی سے یہ سمجھا جانے لگا۔ کہ چونکہ سورج سے ان کا تعلق ہے۔ اس لئے سورج خدا ہے۔ اور اس طرح سورج کو خدا ماننے لگ گئے ؛

اس میں شک نہیں۔ ان کا تعلق سورج سے ہے۔ جیسا کہ اسلام میں سورج کا تعلق جبرائیل سے بتایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی لکھا ہے۔ کہ اس کا تعلق سورج سے ہے۔ جبرائیلؑ کا تعلق رسول کریمؐ سے ہے۔ اور رسول کریمؐ کو قرآن میں سورج کہا گیا ہے ؛

حضرت مسیح موعودؑ پر جو کفر کے فتوے لگے۔ ان میں ایک بات یہ بھی لکھی گئی تھی۔ کہ آپؑ فرشتوں کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت صاحبؑ نے توضیح مرام اور آئینہ کمالات اسلام میں فرشتوں کے متعلق بحث کی ہے۔ اور قرآن کریم سے آپؑ نے ثابت کیا ہے کہ ملائکہ کا تعلق اجرام سماوی سے ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے ان کے اثرات دنیا پر پڑتے ہیں

جس پر علماء نے یہ شبہ پیدا کر کے کہ آپ فرشتوں کے منکر ہیں اور ستاروں کی "تاثیرات" کے قائل ہیں۔ آپ پر کفر کا فتوےٰ لگایا ہے۔

یہ ستاروں کا مضمون ایک علیحدہ مضمون ہے۔ میں اس وقت اس کے متعلق کچھ بیان کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس طرح بحث کہیں کی کہیں نکل جائے گی۔ سردست میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ سب مذاہب میں فرشتوں کا خیال پایا جاتا ہے۔ اور اسلام میں بھی جہاں سینکڑوں شرک کی باتوں کا رد کیا گیا ہے۔ وہاں فرشتوں کے عقیدہ کو قائم کیا گیا ہے۔ اور اس قدر زور کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ کہ اگر ان کو نہ مانا جائے تو انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اور اسلام کا سب مذاہب پر یہ احسان ہے۔ کہ جس طرح نبیوں پر جس قدر اعتراض پڑتے ہیں ان کو اسلام نے دور کیا ہے۔ اسی طرح فرشتوں پر جس قدر اعتراض پڑتے ہیں۔ انکو بھی دور کیا ہے۔ زرتشتیوں اور یہودیوں کا خیال ہے۔ کہ فرشتے بھی شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ اور انہی کی تقلید میں مسلمانوں نے ہاروت اور ماروت دو فرشتوں کے متعلق یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ انہیں شیطان کے پھندے میں پھنس جانے کی وجہ سے اس وقت تک بابل کے کسی کوئیں میں الٹا لٹکایا ہوا ہے۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرشتے ایک ایسی مخلوق ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ آتا ہے:۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ (۶۶-۶)

اب جب کہ یہ معلوم ہو گیا۔ کہ فرشتوں کا خیال ایک ایسی بات ہے جس کے متعلق سب قوموں کا اتفاق ہے۔ تو ہر ایک سنجیدہ آدمی کو چاہیئے۔ کہ سوچے۔ یہ کوئی بہت ہی بڑی اور اہم بات ہوگی۔ تبھی سب مذاہب کی کتب میں ان کا ذکر ہے۔ اور قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنا پرانا خیال ہے۔ کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں بھی پایا جاتا تھا۔ حضرت نوحؑ کے مخالفین کا قول اللہ تعالےٰ نقل فرماتا ہے۔ کہ:۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ (۲۳-۲۵)

یعنی حضرت نوح کے منکروں کے سرگروہوں نے کہا - یہ شخص تو تمہارے جیسا ایک آدمی ہے جو تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے - اور اگر خدا کا منشاء ہوتا تو وہ فرشتہ اتارتا - ہم نے تو ایسی بات پہلے بزرگوں کے حق میں نہیں سنی (یعنی ان میں رسول آیا کرتے تھے) ؛

رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے :-

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (۱۵-۸)

کیوں نہیں تو ہمارے پاس فرشتے لاتا اگر تو سچا ہے ؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لوگوں میں بھی ملائکہ کا خیال پایا جاتا تھا ؛

اس مختصر سے ذکر کے بعد میں اسلامی تعلیم کی طرف آتا ہوں - اور بتاتا ہوں - کہ اسلام نے ملائکہ کے متعلق کیا تعلیم دی ہے ؟

ملائکہ کی حقیقت

پہلی بات یہ ہے - کہ ملائکہ مخلوق ہیں یا نہیں ؟ کیوں کہ جو درجہ دیا گیا ہے - اس سے خیال پیدا ہوتا ہے - کہ فرشتے مخلوق نہیں چنانچہ اسی وجہ سے عیسائیوں کو دھوکہ لگا ہے - اور انہوں نے سمجھ لیا ہے - کہ روح القدس مخلوق نہیں - بلکہ خدا کا حصہ ہے - اور اس کو بھی خدا بنا دیا ہے - لیکن اسلام کہتا ہے - فرشتوں کا غیر مخلوق ہونا جھوٹ ہے - وہ مخلوق ہیں - چنانچہ فرشتوں کے مخلوق ہونے کا ثبوت قرآن کریم سے ملتا ہے - خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِکَۃَ اِنَاثًا وَّھُمْ شَاھِدُوْنَ ۝ (۳۷-۱۵۱)

کیا جب ملائکہ پیدا کئے گئے ۔ اس وقت یہ وہاں موجود تھے ؟ کہ کہتے ہیں فرشتے لڑکیاں ہیں ؟

اس سے معلوم ہوا ۔ کہ خدا تعالےٰ نے ملائکہ کو پیدا کیا ہے ۔ ہاں یہ اور بات ہے ۔ کہ وہ فنا ہوں گے یا نہیں ؟ جس طرح ارواح انسانی محفوظ رکھی جائیں گی ۔ اسی طرح ملائکہ بھی فنا نہیں کئے جائینگے ۔ یا سب فنا ہو جائیں گے ۔ یا بعض فنا ہو جائیں گے ۔ بعض باقی رکھے جائیں گے ۔ یہودیوں کا خیال ہے ۔ کہ جب الہام ہوتا ہے ۔ تو ہزاروں فرشتے اس حرکت سے جو الہام کے الفاظ کے بیان سے پیدا ہوتی ہے ۔ پیدا ہوتے ہیں ۔ مگر پھر ساتھ ہی ہلاک ہو جاتے ہیں ۔ مگر زرتشتی فرشتوں کو غیر فانی ہستی سمجھتے ہیں ؛

دوسری بات ملائکہ کے متعلق یہ یاد رکھنی چاہیئے ۔ کہ یہ ایسی روحانی مخلوق ہیں ۔ کہ بندہ کو ان آنکھوں سے اپنے اصلی جسم میں نظر نہیں آسکتے اور اگر ان آنکھوں سے نظر آئیں گے ۔ تو اپنے اصلی وجود کے سوا غیر وجود میں ہونگے ۔ گویا فرشتوں کو دیکھنے کے لئے یا تو یہ ظاہری آنکھیں نہیں ہونگی بلکہ روحانی آنکھوں کی ضرورت ہوگی ۔ اور اگر ان آنکھوں سے دیکھا جائے گا ۔ تو فرشتے اپنے اصلی جسم میں نہیں ہوں گے ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَلَوْ جَعَلْنٰہُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰہُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝ (۶-۸ +)

یہ لوگ کہتے ہیں ۔ کہ فرشتہ کیوں نہیں اترتا ۔ لیکن اگر فرشتہ آجائے ۔ تو آدمی کی شکل میں ہی آئے گا ۔ تب یہ دیکھ سکیں گے ۔ اور جب انسان کی شکل میں آئے گا ۔ تو پھر بات مشتبہ رہیگی ۔ کہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی ۔ اور جو شبہ یہ اب پیدا کر رہے ہیں ۔ پھر بھی قائم رہیگا ۔ کہ یہ کلام خدا کا نہیں بلکہ انسانی بناوٹ ہے ۔ پس فرشتہ تو ہم تب بھیجتے ۔ جب اس کا کوئی فائدہ بھی ہوتا ۔ لیکن چونکہ ان

آنکھوں سے لوگ فرشتے کو دیکھ نہیں سکتے۔ اور اگر دیکھیں تو انسان کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور اس پر وہ پھر اعتراض کرینگے۔ اس لئے فرشتہ نازل نہیں کیا جاتا۔
پس فرشتوں کا وجود نہانی ہے ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔

تیسری بات ان کے متعلق یہ یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ وہ ایسی مخلوق ہیں۔ کہ نہ نر ہیں نہ مادہ۔ اس بات کا پتہ اس آیت سے لگتا ہے جو میں نے پہلے پڑھی ہے۔ کہ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ (۳۷-۱۴۱) یہاں خدا تعالےٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ وہ تو مرد ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے۔ کہ یہ کہتے ہیں فرشتے لڑکیاں ہیں۔ ان کو کیا پتہ ہے۔ کہ وہ کیا ہیں؟ کیا یہ۔ اس وقت موجود تھے؟ جب خدا نے فرشتوں کو بنایا۔ خدا تعالےٰ نے فرشتوں کے مادہ ہونے سے تو انکار کر دیا۔ مگر ساتھ یہ نہیں فرمایا۔ کہ وہ نر ہیں۔ پس ان کو نر یا مادہ کہنا غلط ہے۔ یہ تو مادہ چیزوں میں ہوتا ہے۔ روحانی چیزوں میں نر و مادہ نہیں ہوتا یہ نہیں کہ مرد کی روح نر ہو اور عورت کی مادہ۔ نر اور مادہ تو ظرف کی حالت ہے ان میں جو چیز ہے وہ ایک ہی ہے۔

چوتھی بات ملائکہ کے متعلق یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ان کے تین درجے ہیں۔ وہ سارے کے سارے ایک قسم کے نہیں ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (۴۰-۸)

اس آیت سے تین قسم کے فرشتوں کا پتہ چلتا ہے۔ دو قسم کے فرشتوں کا دلالت النص سے اور تیسری قسم کے فرشتوں کا اشارۃ النص سے۔ کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ ایک تو وہ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور ایک وہ فرشتے ہیں جو عرش کے گرد رہتے ہیں۔ یعنی ایک تو وہ فرشتے ہیں جن کے

ذریعہ سے احکام الٰہی جاری ہوتے ہیں۔ اور ایک وہ فرشتے ہیں جو ان کے نواب اور ان کے احکام کو نچلے طبقہ تک لیجانے والے ہیں۔ اور اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور طبقہ فرشتوں کا ہے جو ان عرش کے گرد رہنے والے فرشتوں سے بھی نیچے کا ہے۔ اور احادیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض فرشتے مختلف اشیاء پر مقرر ہیں۔ پس وہ حَمَلَةُ الْعَرْش اور مَنْ حَوْلَهُ کے سوا تیسری قسم کے فرشتے ہیں۔ زرتشتیوں میں بھی اس مسئلہ کا کسی قدر کچھ پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ سات فرشتے ہیں۔ جو دنیا کا کام چلاتے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ قیامت کو آٹھ فرشتے خدا کے تخت کو اٹھائے ہوئے ہونگے۔ تخت سے مراد چاندی سونے کا تخت نہیں۔ بلکہ وہ اعلیٰ صفات مراد ہیں۔ جن سے خدا تعالےٰ کی الوہیت روشن ہوتی ہے۔ اگلے جہان میں وہ آٹھ ملائکہ کے ذریعہ سے ظاہر ہوگی۔ مگر اس دنیا میں جیسا کہ استدلال سے ثابت ہوتا ہے۔ سات فرشتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

تو ایک وہ فرشتے ہیں۔ جو خدا کا عرش اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو ان سے ادنےٰ ہیں۔ مگر خدا تعالےٰ کے مقرب ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں جیسے اسسٹنٹ ہوتے ہیں۔ اصل کام ان کے سپرد نہیں ہوتا۔ وہ ان کے مددگار ہیں اور تیسرے وہ جو ادنےٰ درجہ کے ہیں۔

پس تین قسم کے فرشتے ہیں:۔

(۱) وہ جو خدا کی صفات ظاہر کرنے والے ہیں۔

(۲) وہ جو ان کے مددگار اور خدا کے مقرب ہیں۔

(۳) وہ جو مختلف چھوٹے چھوٹے کاموں پر متعین ہیں۔ اور ان کی تعداد کی تعیین ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (۳۲-۷۴)

ان کا اندازہ کوئی انسان کر ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ جیسا کہ نبیوں کے کلام سے

ثابت ہوتا ہے۔ ہر کام کا علیحدہ فرشتہ ہوتا ہے ÷

پانچویں بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ملائکہ ایسی مخلوق ہے۔ جو بدی کر ہی نہیں سکتی۔ انسان میں تو یہ مادہ ہے کہ انبیاء جتنے کہ خدا کا بھی انکار کر دیتا ہے۔ اور ایسے لوگ ہوتے ہیں جو خدا کو گالیاں دیتے ہیں۔ مگر قرآن سے پتہ لگتا ہے۔ کہ ملائکہ ایسی مخلوق ہے۔ کہ اس میں بدی کی قوت ہی نہیں ہے۔ اور انسان کی نسبت ان کا دائرہ عمل محدود ہوتا ہے۔ انسان حدود کو توڑ دیتا ہے۔ مگر ملائکہ کے لئے جو حدود مقرر ہیں۔ ان کو نہیں توڑ سکتے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ٥ (۶۶-۷)

کہ ملائکہ اللہ کے حکم کو نہیں توڑتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے

چھٹی بات یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ ملائکہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں ایسا مادہ ہے کہ خدا کے احکام کو پورے طور پر بجا لاتے ہیں۔ کسی حکم کی خلاف ورزی کرنا اور بات ہوتی ہے۔ اور اس کو پورے طور پر نہ کرسکنا اور بات۔ مثلاً ایک کمزور شخص کو کہا جائے۔ کہ فلاں چیز اٹھاؤ لیکن وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اٹھا نہ سکے۔ تو یہ نہیں کہا جائے گا۔ کہ اس نے حکم کی خلاف ورزی کی۔ ہاں ایک ایسا شخص جو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔ وہ اگر اٹھانے سے انکار کر دے۔ تو یہ خلاف ورزی ہوگی۔ فرشتوں کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان میں ایسی قابلیت ہوتی ہے۔ کہ جو کام انہیں کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اسے وہ من حیث الاعمال کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یعنی سب میں اس کے کرنے کی طاقت موجود ہوتی ہے۔ انسانوں کی طرح نہیں ہوتے۔ کہ بعض آدمیوں میں حکم پورا کرنے کی طاقت ہوتی ہے اور بعض میں نہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے :- وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ٥ (۱۶-۵۲) ÷ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے وہ بجا لاتے ہیں۔ انسان کی یہ حالت نہیں ہوتی

وہ بعض اوقات چاہتا ہے کہ ایک کام کرے لیکن کر نہیں سکتا۔ مثلاً وہ چاہتا ہے کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ لیکن وہ بیمار ہو۔ تو ایسا نہیں کر سکتا۔

ساتویں بات ملائکہ کے متعلق یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ ارد گرد کے اثرات کو قبول نہیں کرتے۔ باقی مخلوق زبردست سے زبردست ہو تو بھی اثر قبول کرتی ہے۔ ہاں یہ ہوتا ہے۔ کہ بعض اثرات کو قبول کرتی ہے اور بعض کو نہیں بھی قبول کرتی۔ مثلاً انبیاء ہیں۔ یہ نیکی کے اثر کو قبول کرتے ہیں۔ یا لڑائی ہوگی اور وہ اس میں شامل ہوں۔ تو بشریت کے لحاظ سے ان پر بھی اثرات پڑیں گے لیکن نبی برے اثرات سے محفوظ ہوتے ہیں۔ مگر فرشتے ہر رنگ میں محفوظ ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ (۶۶-۷)

ملائکہ کی صفت یہ ہے۔ کہ وہ غلاظ شداد ہوتے ہیں۔ دوسری کوئی چیز ان پر اثر نہیں ڈال سکتی۔ ہاں ان کو جس چیز پر اثر ڈالنے کے لئے کہا جائے۔ اس پر ضرور ڈال دیتے ہیں۔ یہ طاقت انسان میں نہیں ہوتی۔ بعض باتوں میں ہوتی ہے۔ اور بعض میں نہیں ہوتی۔ یعنے بعض صفات میں انسان بھی ایسا ہوتا ہے مگر من کل الوجوہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (۴۸-۲۹)

کہ مومن بھی اشداء ہوتے ہیں۔ مگر کفار پر۔ آپس میں وہ ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح فرماتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (۹-۷۴)

اے نبی! کفار اور منافقین کا مقابلہ کرو۔ مگر ان کا اثر نہ قبول کرو۔ تو مومنوں میں یہ بات ہوتی ہے۔ کہ وہ دوسروں پر اپنا اثر ڈالتے بھی ہیں۔ اور ان کا

اثر قبول بھی نہیں کرتے۔ مگر بعض امور میں، اور ملائکہ من کل الوجوہ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ کبھی اثر قبول نہیں کرتے ہیں ؂

آٹھویں بات یہ ہے۔ کہ ان کی تعداد انسان کے لئے غیر محدود ہے چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے :۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (۷۴-۳۲) ملائکہ کی تعداد خدا ہی جانتا ہے۔ اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا ؂

نویں بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ان میں افسر ماتحت بھی ہوتے ہیں۔ یہی نہیں۔ کہ ایک بڑا ہے اور دوسرا چھوٹا۔ مگر اپنے اپنے کام اور جگہ پر سب مستقل ہیں۔ بلکہ وہ افسر اور ماتحت کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ تو خدا تعالےٰ فرماتا ہے :۔

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ (۳۲-۱۱)

کہدے کہ تمہاری روح قبض کریگا موت کا فرشتہ جس کے سپرد تمہاری جان نکالنے کا کام کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے :۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ (۶-۹۳)

یعنی اور کاش کہ تو دیکھے اس گھڑی کو جب کہ ظالم موت کی تکلیف میں ہوں گے۔ اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو ان کی طرف دراز کئے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ آج کے دن تم رسوائی کا عذاب دیئے جاؤ گے بسبب تمہارے اللہ تعالےٰ کے متعلق نادرست باتوں کے کہنے کے اور بسبب اس کے نشانات سے تکبر کر کے اعراض کرنے کے۔ اسی طرح فرماتا ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ۔ (۴-۹۹)

یعنے ضرور وہ لوگ کہ جن کی ملائکہ روح قبض کریں گے ایسے حال میں کہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوں گے۔ ان سے ملائکہ کہیں گے۔ کہ تم کس خیال میں ٹھہرے ہوئے تھے؟

اب ان تینوں آیتوں کو ملا کر دیکھو۔ کہ اول الذکر آیت میں تو یہ بتایا گیا ہے۔ کہ سب انسانوں کی جانیں نکالنے کا کام صرف ایک ہی فرشتہ کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور دوسری دو آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جان بہت سے فرشتے نکالتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مؤکل تو ایک فرشتہ ہے مگر آگے اس کے نائب بہت سے فرشتے ہیں۔ جو اس کی اطاعت میں اس کام کو بجا لاتے ہیں۔ اور جب موت کے انتظام میں افسری ماتحتی کے سلسلہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تو دوسرے امور کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ تمام امور جو فرشتوں کے ذریعہ سے ہوتے ہیں وہ چند بڑے فرشتوں کے سپرد ہیں۔ اور آگے ان کے ماتحت ایک شمار سے باہر جماعت کام کرتی ہے۔

دسویں بات یہ ہے۔ کہ فرشتوں میں انسان کی طاقتوں کے مقابلہ میں محدود طاقتیں ہوتی ہیں۔ ملائکہ ایک ہی حالت میں رہتے ہیں۔ لیکن انسان بہت ترقی کر سکتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (۲/۲۹، ۳۰)

اللہ نے آدم کو سارے نام سکھا دیئے۔ اور پھر ملائکہ کے سامنے ان چیزوں کو

جن کے نام سکھائے تھے۔ پیش کیا۔ اور پوچھا۔ کہ مجھے ان کے نام بتاؤ۔ اگر تم حق پر ہو۔ انہوں نے کہا۔ کہ تو پاک ہے۔ ہمیں کچھ علم نہیں۔ مگر اتنا ہی جتنا کہ تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ ضرور تو بہت جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے کہا کہ وہ نام بتائے اور انہوں نے بتا دیئے۔

اس جگہ ضمنی طور پر میں اس سوال کا جواب دے دیتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ نے خود کیوں نام نہ بتا دیئے؟ آدمؑ سے کیوں کہلوائے؟ سو اس میں یہ حکمت تھی کہ اگر خدا تعالیٰ بتاتا۔ تو ان میں ساری صفتیں آ جاتیں۔ حضرت آدمؑ کو کہا گیا۔ کہ تُو بتا۔ یعنی تیری طرف یہ دیکھ لیں۔

غرض ملائکہ کی طاقتیں انسان سے محدود ہوتی ہیں۔ مگر باوجود اس کے ملائکہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم اور منشاء کے ماتحت کرتے ہیں کسی قسم کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔

گیارھویں بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ملائکہ میں ارادہ ہے۔ مگر بہت محدود۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گھوڑے کے گلے میں لمبا رسّہ ڈال کر ایک کیلے سے باندھ دیا جائے۔ کہ حرکت کرتا رہے۔ لیکن اس حلقہ سے باہر نہ جا سکے۔ ملائکہ بھی ایک مرکز کے گرد حرکت کرتے رہتے ہیں۔ اور اس حد سے باہر نہیں جا سکتے۔ وہ حد یہی ہے کہ:۔

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۶۶-۶)

اس حد سے باہر نہیں جا سکتے۔ فرشتوں کے ارادہ کا پتہ زمین سے بھی لگتا ہے۔ کہ وہ حضرت آدمؑ کے متعلق کہتے ہیں:۔

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (۲-۲۸)

یہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا ہے۔ کہ ہمیں سمجھائیے کہ آدمؑ دنیا میں فساد کرے گا۔ اور خون بہائے گا۔ اس کا کیا انتظام ہوگا؟ یہ سوال کرنا بتاتا ہے

کہ ایک حد تک ان میں ارادہ ہوتا ہے - جو نہ تو بدی تک جاتا ہے - اور نہ نیکی سے آگے گزر جاتا ہے - مگر اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پوچھا - کہا جا سکتا ہے - ممکن ہے کہ خدا نے الہام کیا ہو - کہ پوچھو تو انہوں نے پوچھا ہو - اول تو یہی بات غلط ہے - کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کے کہنے پر پوچھا - کیونکہ آگے خدا تعالےٰ فرماتا ہے ان کنتم صٰدقین اگر تم یہ سوال کرنے میں سچے ہو - تو اسماء بتاؤ - اس سے معلوم ہوا - کہ ان کا سوال خدا کے حکم کے ماتحت نہ تھا - پھر حدیثوں میں ہم ایسی باتیں پڑھتے ہیں - جن سے فرشتوں کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے - جیسا کہ آتا ہے :-

ایک شخص ایک عالم کے پاس گیا - اور جا کر کہا - میں نے اتنے گناہ کئے ہیں کیا میں توبہ کر سکتا ہوں ؟ اس نے کہا - تمہاری توبہ قبول نہیں - اس نے اُسے قتل کر دیا - اور پھر ایک اور شخص کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوا - تاکہ اس کے پاس توبہ کرے - مگر راستہ میں ہی مر گیا - اس پر جنت والے فرشتوں نے کہا - کہ ہم اسے جنت میں لے جائیں گے - کہ یہ توبہ کی نیت کر چکا تھا - اور دوزخ والے فرشتوں نے کہا - کہ ہم اسے دوزخ میں لیجائیں گے - کہ یہ توبہ کرنے سے پہلے مر گیا - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ ملائکہ میں ارادہ ہوتا ہے ؛

پھر اس آیت سے بھی پتہ لگتا ہے - خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ٥ (۳۸-۶۹)

مجھے کیا معلوم تھا اس بحث کا حال جب فرشتے آپس میں بحث کر رہے تھے - اس سے معلوم ہوا - کہ وہ ایک دوسرے سے بحث بھی کر لیتے ہیں - پس ان میں ارادہ پایا جاتا ہے - مگر نہایت محدود ؛

بارھویں بات ملائکہ کے متعلق یہ معلوم ہوتی ہے - کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں - کیونکہ قرآن میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ

اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَکْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۳۴-۴۰)

اور جس دن کہ اللہ ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ پھر ملائکہ سے کہے گا۔ کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ کہینگے۔ تو پاک ہے۔ ان سے ہمارا کیا واسطہ ہے۔ ہمارا دوست تو تو ہے۔ یہ لوگ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان لاتے تھے ؛

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرشتوں کو علم غیب نہیں۔ کیوں کہ اگر انہیں علم غیب ہوتا۔ تو وہ عبادت سے لاعلمی ظاہر نہ کرتے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اللہ تعالٰی نے یونہی سوال کیا تھا۔ کیوں کہ ایسے موقعہ میں بلاوجہ سوال بھی ایک قسم کا جھوٹ بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی ذات پاک ہے، دوم پچھلی کتب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض لوگ فرشتوں کی عبادت کے بھی قائل تھے ؛

پس معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض فرشتے بوجہ عدم علم کے اس امر سے انکار کر دیں گے۔ کہ بعض انسان ان کی عبادت کرتے تھے۔ بعض حدیثوں سے بھی یہ بات وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ فرشتے عالم الغیب نہیں ہوتے رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔ ایک شخص مومن کہلاتا اور مومنوں والے کام کرتا ہے۔ اس کے کاتب فرشتے جب اس کے عمل لے کر خدا تعالٰی کے حضور میں پیش کرنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ مثلاً وہ نماز پڑھتا ہے اور وہ اس عمل کو اس کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ تو آسمان سے آواز آتی ہے۔ کہ اسے واپس لے جاؤ۔ اور جا کر اس کے منہ پر مارو۔ یہ نماز اس نے میرے لئے نہیں پڑھی ؛ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ملائکہ کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا۔ تو وہ ایسی نماز کو لے ہی کیوں جاتے۔ جو قابل قبول نہ تھی ؟ ؛

تیرھویں بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ الگ الگ چیزوں کے الگ الگ فرشتے ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضؓ نے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ یا رسول اللہ آپ کو اُحد کے دن سے زیادہ بھی کبھی تکلیف پہنچی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ یوم عقبہ کو جب کہ مکہ والوں کے انکار کو دیکھ کر میں نے عبد یالیل کی قوم کی طرف توجہ کی۔ مگر انہوں نے توجہ نہ کی اور میری بات کو رد کر دیا۔ اس پر میں سخت غمگین ہو کر بلا کسی خاص جہت کو مدنظر رکھنے کے یونہی ایک طرف کو نکل کھڑا ہوا۔ راستہ ہی میں میں نے ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا۔ جس میں جبرائیلؑ مجھے نظر آئے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تیری قوم کی بات کو سُن کر اور ان کی مخالفت کو دیکھ کر پہاڑ کے فرشتہ کو حکم دیا ہے۔ کہ جو تو اسے حکم کرے۔ وہ کرے۔ اس پر پہاڑ کے فرشتہ نے مجھے سلام کیا۔ اور کہا۔ کہ آپ چاہتے ہیں۔ کہ میں اخشبین کو (مکہ کے گرد کے دو پہاڑ) ان پر برابر کر دوں۔ یعنی ان میں زلزلہ پیدا ہو کر وہ لوگ ہلاک ہو جائیں۔ میں نے کہا۔ کہ نہیں۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ ان کی اولاد نیک پیدا ہو جائے۔ جو ایک خدا کی پرستش کرنے لگے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جبرائیلؑ نے رسول کریم صلعم سے یہ کہا۔ کہ خدا نے پہاڑ کے فرشتے کو حکم دیا ہے۔ کہ آپؐ کی مدد کرے۔ اپنے متعلق نہیں کہا۔ کہ میں مدد کے لئے آیا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ پہاڑ کا فرشتہ الگ تھا۔ اور الگ الگ چیزوں کے علیحدہ علیحدہ فرشتے مقرر ہوتے ہیں۔

چودھویں بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ملائکہ مختلف صفات الٰہیہ کے مظہر ہوتے ہیں۔ بعض کسی ایک طاقت کے اور بعض ایک سے زیادہ طاقتوں کے مظہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ
اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۳۵-۱)

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور جو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ جن میں سے بعض دو بعض تین اور بعض چار صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور اللہ ان میں زیادتی بھی کرتا ہے جتنی چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ؛

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ مختلف فرشتے مختلف صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ اور کوئی تھوڑی صفات کے اور کوئی زیادہ صفات کے اور یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ جس زمانہ کے لئے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ اتنی ہی استعداد کے فرشتے بھیجے جاتے ہیں۔ انہی فرشتوں کو لوگوں کے پاس بھیجا جاتا رہا۔ جن میں ان لوگوں کے مطابق استعداد ہوتی تھی۔ اور جب دنیا پورے درجہ تک پہنچ گئی۔ تو اس وقت خدا تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو اپنی کامل صورت میں بھیجا۔ جس کے متعلق رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔ کہ اس کے چھ سو پر ہیں۔ جو کامل کتاب لے کر آیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جبرائیلؑ خدا کی چھ سو صفات کے مظہر ہیں۔ یہ کہنا غلطی ہے کہ خدا کی صفات تو تھوڑی ہیں۔ پھر یہ چھ سو صفات کے کیونکر مظہر ہوئے؟ خدا تعالےٰ کی بے شمار صفات ہیں۔ اور چھ سو تو صرف وہ ہیں۔ جو انسان کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہیں ؛

حضرت مسیح موعود نے ایک نہایت لطیف بات لکھی ہے۔ جو یہ ہے کہ قرآن کریم کا علم رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جبرائیل سے زیادہ تھا اور یہ بالکل درست بات ہے۔ وجہ یہ کہ اور ملائکہ بھی آپؐ کی تائید میں تھے اور وہ رسول کریمؐ کی دوسری صفات کے فرشتے تھے ؛

تو معلوم ہوا۔ کہ ملائکہ مختلف صفات کے مظہر ہوتے ہیں اور اَجْنِحَۃ کے معنے پَر نہیں۔ بلکہ صفات کے ہیں جو ان میں پائی جاتی ہیں ؛

یہ تو وہ باتیں ہیں۔ جن سے ملائکہ کے متعلق اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کیسی مخلوق ہیں۔ اس بیان سے بعض کو ملک کے لفظ کے ساتھ

اس کی کچھ کچھ صفات کا پتہ بھی لگ گیا ہوگا - اب میں ان کے کام بتاتا ہوں :

ملائکہ کے کام

ملائکہ کا ایک کام جو بہت بڑا ہے - وہ یہ ہے - کہ وہ کلام الٰہی لاتے ہیں - چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (۲۲-۷۶)

اللہ تعالےٰ ملائکہ اور انسانوں سے رسولوں کو چُنتا ہے - اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کا ایک کام خدا کا کلام پہنچانا ہے :

دوسرا کام - ملائکہ کا جان نکالنا ہے - جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

قُلْ یَتَوَفّٰىکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ٥ (۳۲-۱۱)

کہ تمہاری روح قبض کرتا ہے موت کا فرشتہ جس کے سپرد تمہاری جان نکالنے کا کام کیا گیا ہے - پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے :

تیسرا کام فرشتوں کا یہ بھی معلوم ہوتا ہے - کہ وہ شریر لوگ جو نبیوں کا مقابلہ کرتے ہیں - ان پر عذاب لاتے ہیں - وہ فرشتے جب شریروں سے ملتے ہیں - تو ان میں ایسی میگنیٹک طاقت پیدا ہوتی ہے کہ شریر جل جاتے ہیں - جیسے پٹرول کے پاس آگ جلاؤ - تو اُسے آگ لگ جاتی ہے - اسی طرح شریر پٹرول کی طرح ہوتے ہیں - اور ملائکہ آگ کی طرح - جب ان کے ساتھ لگتے ہیں تو شریر جل جاتے ہیں - اور جب وہ ان کے پاس آتے ہیں - تو انہیں تباہ کر دیتے ہیں - چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ

اَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ (۶-۱۵۹)

کیا یہ اس بات کی انتظار کرتے ہیں۔ کہ ملائکہ آجائیں۔ اگر وہ آگئے۔ تو ادھر وہ آئیں گے۔ ادھر یہ تباہ ہو جائیں گے۔ وہ ان کے لئے چنگاری ہیں۔ اور یہ ان کے سامنے بارود ؂

چوتھا کام ملائکہ کا یہ ہے۔ کہ مومنوں کی مدد کرتے ہیں۔ کافروں کے لئے تو وہ چنگاری ہیں۔ کہ ادھر وہ قریب ہوئے۔ اور ادھر وہ جلے۔ لیکن مومن ان سے مدد لیتے اور وہ انہیں مدد دیتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝

(۴۱ - ۳۰ تا ۳۱)

وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر وہ اس بات پر قائم ہو جاتے ہیں۔ کوئی چیز انہیں اس سے پھیرا نہیں سکتی۔ ان پر ملائکہ اترتے ہیں۔ اور کہتے ہیں تمہیں بشارت ہو جنت کی۔ تم ڈرو نہیں۔ ہم تمہارے مددگار ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور جنت میں جو کچھ تم چاہو گے۔ وہی تمہیں ملے گا ؂

اس سے معلوم ہوا۔ کہ بعض فرشتوں کا کام مومنوں کی مدد کرنا ہے ؂

پانچواں کام یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ علاوہ اس کے کہ فرشتے جب نظر آجائیں۔ تو وہ کفار اور مشرکین کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ایک کام ان کا یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ ہر ملک جو انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ نبی اور اس کی جماعت کا رعب انسان کے دل پر ڈالتا رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ (۳-۱۲۵)

کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں۔ کہ تین ہزار ملائکہ تمہاری مدد کو آ جائیں تین ہزار ملائکہ کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ اس موقع پر دشمن کی فوج اتنی ہی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اعلےٰ درجہ کے فرشتے نہیں تھے۔ بلکہ وہ تھے جو ہر انسان کے ساتھ ایک ایک لگا ہوا ہے۔ کیونکہ فرمایا۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔ کہ ہم تین ہزار ملائکہ سے تمہاری مدد کریں؟ یعنی جب تم دشمن کے مقابلہ پر جاؤ۔ تو وہ تمہارا رعب ہر ایک کے دل میں ڈالنا شروع کر دیں۔ چنانچہ آگے فرماتا ہے:۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (۳-۱۴۴)

کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا۔

پس ہر انسان کے ساتھ جو ملک ہوتا ہے وہ نبی اور اس کی جماعت کا رعب ڈالتا رہتا ہے۔ رعب کی مثال اس زمانہ میں بھی ملتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے مخالفین کو بلایا۔ کہ مباہلہ کر لو۔ مگر کوئی سامنے کھڑا نہ ہو سکا۔ وجہ یہ کہ جب وہ سامنے کھڑے ہونے کا خیال کرتے۔ تو فرشتہ ان کے دل میں رعب ڈال دیتا کہ مارے جاؤ گے۔ اس لئے وہ ہٹ جاتے۔

جن دنوں میں شملہ گیا۔ وہاں مجھے ایک آریہ ملنے کے لئے آیا۔ ویدوں کے متعلق گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا۔ اگر تمہیں ویدوں کے سچے ہونے کا یقین ہے۔ تو قسم کھاؤ۔ کہنے لگا۔ ہاں میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔ میں نے کہا۔ اس طرح قسم کھاؤ۔ کہ اگر یہ سچے نہ ہوں۔ تو میری بیوی بچوں پر عذاب آ جائے۔ کہنے لگا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ یہ کہتے ہوئے دل ڈرتا ہے۔ میں نے کہا۔ میں قرآن کے متعلق اسی طرح قسم کھانے کو تیار ہوں۔ کہنے لگا یہ تو بڑی جرأت ہے۔ میں نے کہا۔ کہ جب مجھے یقین ہے۔ کہ قرآن سچا اور خدا کا کلام ہے۔ تو جرأت کیوں نہ ہو؟

بات یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں ملائکہ رعب ڈالتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ کہ بار بار چیلنج دیا گیا۔ مباہلہ کر لو۔ مگر کوئی سامنے کھڑا نہ ہو سکا۔ ابھی صوفیت کا دعوٰے کرنے والے ایک صاحب حسن نظامی نامی اُٹھے اور انہوں نے لکھا کہ آؤ میں ایک گھنٹہ میں جان نکال لوں گا۔ آخر اتنے ذلیل ہوئے کہ بالکل خاموش ہو گئے۔ پھر دیو بندیوں کو دیکھو۔ کتنے اشتہار لکھے اور شائع کئے مگر اب ہمارے اشتہار کا کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ جو کٹی ماہ[1] سے نکلا ہوا ہے تو مباہلہ کے خیال پر ان کے دل پر رعب چھا جاتا ہے ؏

حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ ایک شخص رسول کریمؐ کے پاس آیا۔ اور ذکر کیا۔ ابوجہل نے مجھ پر ظلم کر رکھا ہے۔ آپ انصاف کرائیں۔ اس نے میرا اتنا روپیہ دینا ہے۔ مگر دیتا نہیں۔ رسول کریمؐ اس کو ساتھ لے کر ابوجہل کے پاس گئے۔ اور جا کر پوچھا۔ کہ تم نے اس کا اتنا روپیہ دینا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں دینا ہے رسول کریمؐ نے فرمایا دے دو۔ اس نے جھٹ نکال کر دے دیا۔ اس پر لوگوں نے ابوجہل کو شرمندہ کیا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ تم تو ہمیں کہا کرتے تھے۔ کہ مسلمانوں کا مال کھا جانا جائز ہے۔ پھر تم نے کیوں دے دیا؟ اس نے کہا۔ تمہیں کیا معلوم ہے۔ مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ دو مست اونٹ میرے سامنے کھڑے ہیں۔ اگر میں نے ذرا انکار کیا۔ تو وہ مجھے چیر ڈالیں گے۔ در اصل یہ رعب تھا۔ جو فرشتہ اس کے قلب پر ڈال رہا تھا۔ غرض ملائکہ کا یہ کام بھی ہے کہ رعب ڈالتے ہیں ؏

پھر ملائکہ کا **چھٹا کام** یہ ہے۔ کہ توحید الٰہی قائم کرتے ہیں۔ یوں تو سارے ہی کام فرشتے کرتے ہیں۔ مگر یہ خاص کام ہے۔ جو ہر ایک فرشتہ

حاشیہ[1]

اس تقریر کے بعد مارچ میں انہوں نے ایک ٹریکٹ مباہلہ کے متعلق شائع کیا۔ مگر وہ بھی ہمارے اشتہار کے جواب میں نہیں بلکہ اپنی جھوٹی فتح کے اظہار میں

کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ (۳-۱۹)

خدا اپنی توحید پر گواہی دیتا ہے۔ اور ملائکہ بھی گواہی دیتے ہیں۔ تو ملائکہ توحید کے ثبوت کے لئے اسباب مہیا کرتے ہیں:۔

ساتواں کام ملائکہ کا یہ ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کی تصدیق ظاہر کرتے ہیں۔ لوگ انبیاء کو جھٹلاتے ہیں۔ مگر وہ دلوں میں خیال ڈالتے رہتے ہیں کہ یہ جھوٹا نبی نہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ (۴-۱۶۴)

فرمایا۔ خدا گواہی دیتا ہے۔ کہ جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا۔ یہ ہماری طرف سے ہے اور ملائکہ بھی گواہی دیتے ہیں:۔

ملائکہ کئی طرز سے گواہی دیتے ہیں۔ مثلاً خواب میں نبی کی سچائی ظاہر کر دیتے ہیں۔ ایک شخص نبی کا دشمن ہوتا ہے۔ اور اسے جھوٹا سمجھتا ہے۔ لیکن ملائکہ ایسی بات اس کے دل میں خواب کے ذریعہ ڈالتے ہیں۔ کہ وہ نبی کو مان لیتا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے۔ کہ ملک اس موقع کو تاڑتا رہتا ہے۔ کہ کب فلاں شخص کے دل میں نیکی آئے۔ اور ہر انسان پر ایسا وقت آتا ہے خواہ وہ ابوجہل ہو یا فرعون۔ اور جب نیکی کے آنے کا وقت ہوتا ہے تو اس سے ملک فائدہ اٹھا لیتا اور نبی کی سچائی دل میں ڈال دیتا ہے آگے یہ انسان کا کام ہوتا ہے۔ کہ اس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے:۔

تو ملائکہ کا ایک کام یہ ہے۔ کہ لوگوں کے دلوں میں انبیا کی تصدیق پیدا کرتے رہتے ہیں:۔

آٹھواں کام ملائکہ کا یہ ہوتا ہے۔ کہ خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

(۳۹-۷۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ ملائکہ خدا کی تسبیح اور تحمید کرتے رہتے ہیں :

نواں کام ملائکہ کا یہ ہوتا ہے۔کہ وہ مومنوں کے لئے استغفار کرتے ہیں یہ خاص ملائکہ ہوتے ہیں۔ ان کا خدا تعالےٰ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ مومنوں کے لئے دعا اور استغفار کرتے رہیں۔کہ اگر مومن سے کوئی کمزوری صادر ہو جائے تو اس پر خدا تعالےٰ پردہ ڈال دے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (۴۰-۷) :

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص الخاص ملائکہ کا یہ کام ہوتا ہے کہ خاص الخاص مومنوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔کہ خدا ان کی کمزوریوں کو معاف کر دے اور جو عام فرشتے ہوتے ہیں۔ان کا کام یہ ہوتا ہے۔کہ سب کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔عام مومنوں حتےٰ کہ کافروں کے لئے بھی دعا کرتے ہیں۔اور اس طرح مومنوں کو دوہرا فائدہ پہنچتا ہے۔کہ ایک تو خاص فرشتے ان کے لئے دعا کرتے تھے اور دوسرے عام فرشتے جو سب کے لئے دعا کرتے ہیں۔ان میں بھی مومن شامل ہوتے ہیں۔سب کے لئے دعا کرنے کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (۴۲-۳)

یعنی خدا کی رحمانیت کے مظہر فرشتے سب کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں کہ خدا سب کو معاف کر دے :

میرا خیال ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے دوزخ کو خالی کرنے کی یہ سبیل رکھی ہے۔ خدا تعالیٰ فرشتوں کی دعا کے نتیجہ میں آخر کہے گا۔ کہ جاؤ۔ میں سب کو چھوڑتا ہوں ؛

دسواں کام ملائکہ کا یہ ہے۔ کہ وہ قوانین نیچر کی آخری علت ہیں۔ اور دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ بسبب ملائکہ کے اثر کے ذریعہ سے ہو رہا ہے۔ مثلاً بارش برستی ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ سورج کی شعاعیں پہنچتی ہیں۔ زہر اثر کرتا ہے۔ تریاق اثر کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ ملائکہ کے اثر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں۔ جو ان کے اثر کے بغیر اثر کر سکتی ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ زہر بجائے خود زہر نہیں ہے۔ اور تریاق اپنی ذات میں تریاق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس ملک کے ماتحت زہر ہے۔ جب تک وہ زہر کو اجازت نہ دے وہ اثر نہیں کر سکتا ہے۔ اور جس کے ماتحت تریاق ہے۔ جب تک وہ حکم نہ دے تریاق اثر نہیں کر سکتا۔ اور ہر چیز کے متعلق یہی بات ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ذکر آتا ہے کہ بارشیں برسانا۔ آندھیاں لانا۔ اور دوسرے کئی کام ملائکہ کے سپرد ہیں۔ یہ ایک لمبا سلسلہ ہے اور بیسیوں مثالیں اس قسم کی مل سکتی ہیں اور کھلی کھلی پندرہ بیس مثالیں تو مل جاتی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملائکہ قانون قدرت کے مختلف شعبوں کو پورا کر رہے ہیں۔ اگرچہ چند ایک مثالیں جو کھلی ہیں۔ ان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی کہے۔ کہ ان کی وجہ سے سب باتوں کے متعلق کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ قیاس یحملون العرش سے ہو سکتا ہے۔ کہ ملائکہ ہی خدا کی سب صفات کو ظاہر کرتے ہیں ؛

گیارھواں کام ملائکہ کا یہ ہے۔ کہ وہ استغفار ہی نہیں کرتے کہ لوگوں کے گناہ معاف کیے جائیں۔ بلکہ دعائیں بھی کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں پر برکتیں نازل کرے۔ استغفار کرنے کے تو یہ معنے ہیں۔ کہ انسانوں سے جو غلطیاں ہوں ان کو ڈھانپ دیا جائے۔ مگر وہ دعائیں کرتے ہیں۔ کہ خدا اپنی رحمت نازل کرے۔ چنانچہ آتا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۳۳-۵۶)

یہ فرشتے خدا کی رحمت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص خدا کی راہ میں کام کرتا ہے۔ تو ملائکہ اس پر خدا کی برکت نازل ہونے کی دعائیں کرتے ہیں۔ وہ خود تو برکت نہیں دے سکتے۔ اس لئے خدا سے دعائیں کرتے ہیں۔ کہ فلاں پر برکت نازل کرے۔ ان کا درود ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ہمارا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہوتا ہے۔ کہ ہم خدا سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ رسولِ کریمؐ پر اپنی برکت نازل کرے۔ اسی طرح وہ بھی خدا سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ خدایا اپنے اس بندے پر رحم کر۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ تم بھی دعائیں کرو۔ کیوں کہ خدا اور ملائکہ بھی اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔

بارھواں کام ملائکہ میں سے بعض کا یہ ہے۔ کہ وہ سوائے عبادت کے کچھ نہیں کرتے۔ وہ محض عبادت ہی کر رہے ہیں۔ اور کرتے چلے جائینگے حتےٰ کہ اس دنیا کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر ایک قدم یا ایک بالشت یا ایک ہتھیلی کے برابر بھی جگہ خالی نہیں سب جگہ فرشتے کھڑے عبادت کر رہے ہیں۔ یا سجدہ میں ہیں۔ یا رکوع میں ہیں۔ جب قیامت کا دن آئے گا۔ سب کہیں گے۔ تو پاک ہے۔ ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی۔ جو حق تھا۔ ہاں بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے تیرا شریک کسی کو نہیں ٹھہرایا۔

فرشتوں کے اس قول سے مومنوں کو بھی سبق لینا چاہیئے۔ کہ اس قدر عبادت کرنے کے بعد فرشتے کہیں گے۔ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ مگر بعض لوگ تھوڑی سی عبادت کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اتنی عبادت کی ہے۔

تیرھواں کام ملائکہ کا یہ ہے۔ کہ لوگوں کے اعمال محفوظ رکھتے

ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۸۲-۱۱)

فرماتا ہے۔ تمہارے اوپر فرشتے محافظ مقرر کئے گئے ہیں۔ جن کا کام یہ ہے۔ کہ تمہارے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔ جو تم ظاہر میں کرتے ہو۔ باقی رہی نیت۔ یہ انہی کو معلوم ہوتی ہے جن کا محاسبۂ قلب کا کام سپرد ہے۔

چودھواں کام ملائکہ کا یہ ہے۔ جو خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔ ان کی محبت دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ اور لوگوں کو تحریک کرتے ہیں۔ کہ ان سے محبت کرو۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ:۔

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادٰى جِبْرِيْلَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ فَيُنَادِيْ جِبْرِيْلُ فِيْ اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ

یعنے جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے۔ تو جبرائیلؑ کو پکارتا ہے کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے۔ اس پر جبرائیلؑ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر جبرائیلؑ تمام آسمان والوں میں پکارتا ہے۔ کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے۔ پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس اس پر سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر اس کی قبولیت زمین میں پھیلا دی جاتی ہے۔

اس زمانہ میں یہ نظارہ دیکھ لو۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ لوگ حکومتوں کو کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم تمہیں کیوں مانیں؟ مگر اسی زمانہ میں لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی غلامی میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور جو بعد میں داخل ہوتے ہیں۔ انہیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے پہلے کیوں نہ آپ کو مان لیا؟ یہ ملائکہ ہی کی پھیلائی ہوئی محبت ہے۔

خدا تعالےٰ کے پیاروں کی صداقت کی یہ ایک لطیف دلیل ہے۔ جھوٹے بھی اُٹھتے ہیں۔ بڑا شور مچاتے ہیں لیکن کوئی انہیں پوچھتا تک نہیں۔ اسی زمانہ

ہیں ایک ظہیر الدین اروپی اور دوسرا عبد اللہ تیماپوری ہے۔ بارہا انہوں نے اپنے متعلق ٹریکٹ لکھ لکھ کر چھپوائے اور شائع کئے۔ مگر کوئی ان کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق دیکھو۔ کس طرح آپ کی محبت دنیا میں پھیلی؟ اور پھیل رہی ہے؟

پندرھواں کام ملائکہ کا یہ ہوتا ہے۔ کہ کبھی ملائکہ کو خدا کے پیاروں کی خدمت میں لگا دیا جاتا ہے۔ اور ماموروں کے خادم اور غلام بنا دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝ (۱۵ - ۲۷)

خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو کہا کہ میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔ جس وقت میں اس کو بنا چکوں۔ اور اس پر اپنا کلام نازل کردوں۔ یعنی اسے نبی بناؤں اس وقت تم اس کی غلامی میں جھک جانا۔ گویا ملائکہ کو نبی کی غلامی میں دیا جاتا ہے۔ اور وہ نبی کے مقام سے نیچے آجاتے ہیں۔

سولھواں کام ملائکہ کا یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو علم سکھاتے اور تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی ان کو مقرر کیا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو علم کی طرف توجہ کرنے والے ہوں۔ ان کے قلوب پر علم کی روشنی ڈالتے رہو۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے کہ جبرائیلؑ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس متمثل ہو کر آئے۔ اور سوال کیا۔ کہ یا رسولؐ اللہ ایمان کیا ہے؟ دین کیا ہے؟ اور رسول کریمؐ جواب دیتے رہے۔ جب چلے گئے۔ تو رسول کریمؐ نے صحابہؓ کو فرمایا۔ جانتے ہو۔ یہ کون تھا؟ انہوں نے کہا۔ یا رسولؐ اللہ ہم تو نہیں جانتے۔ آپ ہی بتائیے۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ جبرائیلؑ تھا۔ جو تمہیں دین سکھانے کے لئے آیا تھا۔

تو ملائکہ کا یہ بھی کام ہوتا ہے۔ کہ علوم سکھاتے ہیں۔ مگر دینی علوم ہی

نہیں۔ دنیا کے معاملات کے متعلق علوم بھی سکھاتے ہیں۔ حتے کہ کافروں کو بھی سکھاتے ہیں۔ میں نے ایڈیسن کی ایک کتاب پڑھی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو میں نے ایجاد کر کے نکالی ہو۔ ایک دم میرے دل میں آکر ایک بات پڑتی اور میں اس کو عمل میں لے آتا۔ اس کو چونکہ ایسے علوم کا شوق تھا۔ اس لئے اسے اسی قسم کی باتیں سکھائی گئیں۔ نبیوں اور ولیوں میں چونکہ دینی علوم کا شوق ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں دینی علوم سکھاتے ہیں۔

فرشتوں کے علوم سکھانے کا بھی عجیب طریق ہے۔ وہ جو بات سکھاتے ہیں اسے Objective Mind (قلب عامل) میں نہیں رکھتے۔ بلکہ Sub-Concious Mind (قلب غیر عامل) میں رکھتے ہیں۔ یعنی دماغ کے پچھلے حصہ میں رکھتے ہیں تاکہ سوچ کر انسان اسے نکال سکے۔ اس میں ظاہری دماغ سے حفاظت کی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ اور یہ ذخیرہ کے طور پر ہوتا ہے۔ ملائکہ جو کچھ سکھاتے ہیں۔ اسی حصہ دماغ میں ڈالتے ہیں۔ الا ما شاء اللہ۔ دماغ کے تین حصے ہوتے ہیں۔ ایک وہ حصہ جس کے ذریعہ ہم چیزوں کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ دوسرا وہ حصہ جو ذخیرہ کے طور پر ہوتا ہے۔ اس میں باتیں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ جو یاد کرتے پر یاد آجاتی ہیں۔ اور تیسرا وہ حصہ جس میں ذخیرہ تو ہوتا ہے۔ مگر یاد کرنے سے بھی اس میں جو کچھ ہو یاد نہیں آتا۔ بلکہ بہت کریدنے سے وہ بات سامنے آتی ہے۔ ملائکہ کبھی اس تیسرے حصے میں بھی علوم داخل کر جاتے ہیں۔ جب ان کی ضرورت ہو۔ اس وقت ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں۔ کہ وہ علوم سامنے آجاتے ہیں۔ یوں یاد کرنے سے نہیں آتے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ میری کوئی ۱۷-۱۸ سال کی عمر ہوگی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ تھا۔ اس وقت میں نے رسالہ تشحیذ نکالا تھا۔ خواب میں میں نے دیکھا۔ کہ ایک فرشتہ آیا ہے۔ جو مجھے کہتا ہے۔ کیا تمہیں کچھ سکھائیں؟ میں نے کہا۔ سکھاؤ۔ اس نے کہا۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر سکھائیں میں نے کہا۔ ہاں سکھائیے۔ اس رؤیاء کا بھی عجیب نظارہ تھا۔ یہ شروع اس طرح

ہوئی۔ کہ پہلے مجھے ٹن کی آواز آئی۔ اور پھر وہ پھیلنے لگی۔ اور پھیل کر ایک میدان بن گئی اس میں سے مجھے ایک شکل نظر آنے لگی۔ جو ہوتے ہوتے صاف ہوگئی۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ فرشتہ ہے۔ اس نے مجھے کہا۔ تمہیں علم سکھاؤں۔ میں نے کہا۔ سکھاؤ۔ اس نے کہا۔ لو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سیکھو۔ اس پر اس نے سکھانی شروع کی۔ اور إِيَّاكَ نَعْبُدُ پر پہنچ کر کہا۔ سب نے اسی حد تک تفسیریں لکھی ہیں۔ آگے نہیں لکھیں میں بھی اس وقت سمجھتا ہوں۔ کہ ایسا ہی ہے۔ پھر اس نے کہا۔ مگر میں تمہیں اس سے آگے سکھاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ساری سورۃ کی تفسیر سکھائی۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت مجھے اس کی ایک دو باتیں یاد تھیں۔ جن کی نسبت اتنا یاد ہے کہ نہایت لطیف تھیں۔ مگر دوبارہ سونے کے بعد جب میں اٹھا۔ تو میں وہ بھی بھول گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کو جب میں نے یہ رؤیا سنائی۔ تو آپ بہت ناراض ہوئے۔ کہ کیوں اسی وقت نہ لکھ لی؟ جو کچھ سکھایا گیا تھا۔ اُسے اسی وقت لکھ لینا چاہیئے تھا۔

اس دن کے بعد آج تک میں سورۂ فاتحہ پر کبھی نہیں بولا۔ کہ مجھے اس کے نئے نئے نکات نہ سمجھائے گئے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ یہ اسی علم کی وجہ سے ہے۔ جو مجھے سکھایا گیا۔

ایک دفعہ مجھے اس علم کا خاص طور پر تجربہ ہوا۔ ہمارے سکول کی ٹیم امرتسر کھیلنے کے لئے گئی۔ میں اس وقت اگرچہ سکول سے نکل آیا تھا۔ لیکن مدرسہ سے تعلق تھا۔ کیونکہ میں نیا نیا نکلا تھا۔ اس لئے میں بھی ساتھ گیا۔ وہاں ہمارے لڑکے جیت گئے۔ اس کے بعد وہاں مسلمانوں نے ایک جلسہ کیا۔ اور مجھے تقریر کرنے کے لئے کہا گیا۔ جب ہم اس جلسہ میں گئے۔ تو راستہ میں مَیں ساتھیوں کو سُناتا جارہا تھا کہ خدا تعالےٰ کا میرے ساتھ یہ معاملہ ہے۔ کہ جب بھی میں سورۂ فاتحہ پر تقریر کرونگا نئے نکات سمجھائے جائیں گے۔ جلسہ میں پہنچکر جب میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔ تو کوئی آیت سوائے سورۂ فاتحہ کے میری زبان پر ہی نہ آئے۔ آخر میں نے خیال کیا۔ کہ میرا

امتحان ہونے لگا ہے۔ اور مجھے مجبوراً سورۂ فاتحہ پڑھنی پڑی۔ اس کے متعلق کوئی بات میرے ذہن میں نہ تھی۔ میں نے یونہی پڑھی۔ لیکن پڑھنے کے بعد فوراً میرے دل میں ایک نیا نکتہ ڈالا گیا۔ اور وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب سورۂ فاتحہ اتری ہے۔ اس وقت آپ کے مخاطب کفار تھے۔ یہودی اور عیسائی نہ تھے۔ مگر دعا اس میں یہ سکھائی گئی ہے۔ کہ ہمیں یہودی اور عیسائی بننے سے بچا۔ کہ ہم ان کی طرح نہ بنیں۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا۔ کہ جو سامنے تھے ان کے متعلق دعا سکھائی جاتی۔ کہ ہم ان کی طرح نہ بنیں۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ مشرکین نے چونکہ تباہ و برباد ہو جانا تھا۔ اور بالکل مٹائے جانا تھا۔ اس لئے ان کے متعلق دعا کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن عیسائیوں اور یہودیوں نے چونکہ قیامت تک رہنا تھا۔ اس لئے ان کے متعلق دعا سکھائی گئی ؛

یہ نکتہ معاً مجھے سمجھایا گیا۔ اور میں نے خدا تعالٰے کا شکریہ کیا۔ کہ اس موقعہ پر اس نے میری آبرو رکھ لی ؛

تو یہ علم جو خدا تعالٰے کی طرف سے سکھایا جاتا ہے۔ ہمیشہ ضرورت کے وقت کام آتا ہے۔ اور اس کے یاد نہ رہنے میں یہ حکمت ہے۔ کہ اگر بات یاد رہتی۔ تو ایک ہی دفعہ کے لئے وہ ہوتی۔ مگر اس طرح یہ علم ہمیشہ کام آتا ہے۔ اب کبھی کوئی اعتراض کرے۔ اور کوئی حافظ نہ ہو۔ جس سے قرآن کی کوئی اور آیت پوچھی جا سکے تو خدا تعالٰی سورۂ فاتحہ سے ہی مجھے اس کا جواب سمجھا دیتا ہے۔ تو سماوی علوم میں یہ برکت ہوتی ہے۔ کہ جب ضرورت پڑے ان سے کام لیا جا سکتا ہے ؛

پس ملائکہ کے ذریعے علوم سکھائے جاتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ مجھے بہت سے علوم ملائکہ نے سکھائے ہیں۔ صوفیاء میں سے بھی ہیں۔ جنہوں نے ملائکہ کے متعلق بحث کی ہے۔ اگرچہ ان کی بحث حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں سواں حصہ بھی نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود ؑ فرمایا کرتے تھے۔ کہ کئی ہزار الفاظ

کا مادہ آپؐ کو سکھایا گیا۔ میں نے بھی اور بہت سی باتیں ملائکہ کے ذریعہ سیکھی ہیں ایک دفعہ گناہ کے مسئلہ کے متعلق اس وسعت کے ساتھ مجھے علم دیا گیا۔ کہ میں اس کا خیال کر کے حیران ہو جاتا ہوں۔ کہ کس عجیب طریق سے کوتاہیوں اور غلط کاریوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے ؛

سترھواں کام ملائکہ کا یہ ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص کے دل میں نیک تحریک اور نیک خیال پیدا کرتے ہیں۔ یہ اس فرشتہ کا کام ہوتا ہے۔ جو ہر ایک انسان کے لئے الگ الگ مقرر ہوتا ہے۔ اصل میں یہ انتظام جبرائیلی تسلط کے ماتحت ہی ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کے دل میں نیک تحریکیں کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :۔

فِی الْقَلْبِ لَمَّتَانِ لَمَّۃٌ مِّنَ الْمَلَکِ اِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ فَلْیَعْلَمْ اَنَّہٗ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ فَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ وَلَمَّۃٌ مِّنَ الْعَدُوِّ اِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ وَنَھْیٌ عَنِ الْخَیْرِ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

فرماتے ہیں۔ انسان کے دل میں دو تحریکیں ہوتی ہیں۔ ایک فرشتے کی طرف سے۔ اس میں نیک باتوں کی تحریک ہوتی اور سچائی کی تصدیق ہوتی ہے۔ پس جس کے دل میں ایسی تحریک ہو جائے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کا شکر کرے۔ اور ایک عدو کی طرف سے اس میں بری باتوں کی تحریک ہوتی ہے۔ اور سچائیوں کا انکار ہوتا ہے اور نیک باتوں سے روکا جاتا ہے۔ پس جس کے دل میں ایسی تحریک ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے شیطان سے ؛

یہ میں نے ملائکہ کی حقیقت اور ان کے کام بتائے ہیں۔ ان سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ملائکہ یونہی نہیں۔ بلکہ ان کا انسان کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے یہ معمولی مسئلہ نہ رہ گیا۔ جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ معلوم ہوا۔ کہ ملائکہ کا وجود بھی ایک نہایت کار آمد چیز ہے ؛

کیا انسان ملائکہ کو نفع پہنچا سکتا ہے؟

اب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ آیا ملائکہ کو انسان بھی کوئی فائدہ پہنچاتا ہے؟ یا نہیں؟ اس کے متعلق جہاں تک میری تحقیق ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور میرا قرآن اور حدیث سے استنباط ہے۔ کہ اور تو کسی رنگ میں انسان ملائکہ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ ان کے مدارج کی ترقی کے لئے دعا کر سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتے آئے۔ اور آکر سلام کہا۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے بھی آگے سے ان کو جواب دیا۔ اگر ملائکہ کو اس کا کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا۔ تو وہ سلام کا جواب نہ دیتے۔ کیونکہ سلام سلامتی کی دعا ہے۔ اور جس کے مدارج میں ترقی نہ ہو سکتی ہو اس کے حق میں دعا فضول ہے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا۔ کہ جبرائیلؑ نے تمہیں السلام علیکم کہا ہے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا وعلیکم السلام۔ اس سے رسول کریمؐ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

اسی طرح جب تک تشہد نہ اترا تھا صحابہؓ کہا کرتے تھے۔ خدا تعالےٰ پر سلام۔ جبرائیل پر سلام۔ فلاں پر سلام۔ اس پر رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خدا پر سلام کہنے سے منع فرمایا۔ لیکن جبرائیلؑ پر سلام کہنے سے منع نہ کیا۔ اگر جبرائیلؑ کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا تو آپ منع کر دیتے۔

اس سے زیادہ ملائکہ کو فائدہ پہنچانے کا اور کوئی پتہ نہیں لگتا۔

ملائکہ کے وجود کا ثبوت

اب میں اس امر کا ثبوت پیش کرتا ہوں۔ کہ ملائکہ واقعہ میں ہیں۔ پہلے تو قرآن سے یہ بتایا گیا ہے۔ کہ ہیں۔ اب میں دلائل سے ثابت کرتا ہوں کہ کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ ہیں؟

(۱) ہم دیکھتے ہیں - کہ تمام عالم میں ایک قانون جاری ہے - اور وہ ایسا زبردست قانون ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا - اور وہ قانون ایک ارادہ کے ماتحت ہے - مثلاً آسمان میں ہم ستاروں کی گردش دیکھتے ہیں - ان میں ایسی حکمت پائی جاتی ہے - کہ ان کا انتظام بلا وجہ اور بغیر کسی ارادہ کے نہیں ہو سکتا پھر یہی زمین ہے جو آباد ہے - مسٹر نومرز نے اس کو معمولی سیارہ ثابت کرنے کے لئے بڑا زور مارا ہے - اور انہوں نے بڑی کوشش کی ہے کہ اس کو چھوٹا سا سیارہ ثابت کریں - مگر کہتے ہیں کہ یہ مرکز میں ہے - ہم کہتے ہیں - اسے کیوں مرکز میں جگہ ملی ہے؟ بات اصل میں یہ ہے - کہ چونکہ بنی نوع انسان اسی پر بستے ہیں - اس لئے ضروری تھا - کہ سارے ستارے اس پر اثر ڈالتے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ یہ مرکز میں ہوتی - اس سے معلوم ہوا - کہ یہ ارادہ کے ماتحت بنائی گئی ہے - یونہی نہیں بنائی گئی -

اسی طرح باقی سارا انتظام ہے - کئی سال ہوئے - ایک ستارہ نمودار ہوا تھا جس کے متعلق خیال کیا گیا تھا - کہ وہ زمین سے ٹکرائے گا - اور ساری دنیا تباہ ہو جائے گی - مگر کچھ عرصہ کے بعد اس کا رُخ بدل گیا - اور کچھ بھی نہ ہوا - کئی دفعہ ایسا ہوا ہے - اور یہی خیال کیا جاتا رہا ہے - کہ ستارہ کے زمین کے ساتھ ٹکرانے سے زمین تباہ ہو جائے گی - جو ایسے ٹھوس ستارے ہیں کہ ان کے ٹکرانے سے زمین تباہ ہو جاتی ہے - وہ جب اس حد پر پہنچتے ہیں کہ زمین سے ٹکرائیں - تو اس وقت اپنا راستہ بدل لیتے ہیں - اور یہ عجیب بات ہے کہ دُمدار ستارے جن کے ٹکرانے سے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا - وہ زمین کے پاس آ جاتے ہیں - اور ان کی دُم زمین سے ٹکرا جاتی ہے - مگر وہ ایسے باریک ذروں سے بنی ہوتی ہے کہ دنیا کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا ؛

ایک دفعہ یورپ کے سائنسدانوں نے اعلان کیا تھا - کہ اب ایک ستارہ زمین کے پاس سے گزرے گا - جس سے دنیا تباہ ہو جائے گی -

اس پر کئی لوگ خود کشی کر کے مر گئے کہ نہ معلوم اس وقت کس قدر دُکھ اور تکلیف سے مریں۔ مگر وہ ستارہ آیا۔ اور گزر گیا۔ اس سے کچھ بھی نقصان نہ ہُوا۔ اس پر ہیئت دانوں نے بتایا۔ کہ اس کے ذرات اتنے باریک تھے کہ جب وہ سورج کے مقابلہ میں آیا۔ تو اس کی دم سورج کی شعاعوں کے دباؤ سے ہٹ کر دائیں سے بائیں طرف ہو گئی ؛

اس قسم کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مرتّب قانون ہے جس کے ماتحت سب کام ہو رہا ہے۔ اگر ایک بالارادہ ہستی پیچھے نہ ہوتی۔ تو پھر یہ کام کس طرح چلتا۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ وہ بالارادہ ہستی کون ہے۔ اس کا فیصلہ خدا تعالےٰ ہی کر سکتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے۔ کہ ملائکہ ہیں۔ پس ہر ایک چیز پر ملائکہ کا قبضہ ہے۔ اور ان کے ذریعہ یہ انتظام چل رہا ہے ؛

مجھے ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ ہے۔ کہ ہر چیز پر ملائکہ کا قبضہ ہے۔ اور ان کے ارادے کے ماتحت وہ چیز کام کرتی ہے۔ ایک دفعہ مجھے بخار ہُوا۔ ڈاکٹر نے دوائیں دیں۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہُوا۔ ایک دن چوہدری ظفراللہ خاں صاحب آئے۔ ان کے ساتھ ایک غیر احمدی بھی تھا۔ ان کو میں نے اپنے پاس بلا لیا۔ ان کے آنے سے پہلے مجھے غنودگی آئی۔ اور ایک مچھّر میرے سامنے آیا۔ اور کہا۔ آج تپ ٹوٹ جائے گا۔ جب ڈاکٹر صاحب اور چوہدری صاحب اور ان کا غیر احمدی دوست اور بعض اور احباب آئے۔ تو میں نے ان کو وہ کشف بتا دیا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جب ڈاکٹر صاحب نے تھرما میٹر لگا کر دیکھا۔ تو اس وقت تپ نہیں تھا ؛

در اصل وہ مچھّر نہیں بولا تھا۔ بلکہ اس کی طرف سے وہ فرشتہ بولا تھا۔ جس کا مچھّر پر قبضہ تھا۔ تو ہر ایک چیز جو انتظام اور ارادہ کے ماتحت

کام کر رہی ہے ۔ ملائکہ کی ہستی کا ثبوت ہے ؛

(۲) جسمانی بناوٹ سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ ملائکہ ہیں ۔ کیونکہ موجودہ تحقیقات سے یہ ثابت ہوگیا ہے ۔ کہ جو چیزیں دنیا میں ہمیں نظر آتی ہیں ۔ یہ اصل میں ایسی ہی نہیں ہیں مثلاً انسان جو ہمیں نظر آتا ہے ۔ یہ ایک ہی چیز سے بنا ہوا نہیں ہے ۔ بلکہ کروڑوں ذرات سے مل کر بنا ہوا ہے ۔ پھر وہ ذرے بھی آگے کئی کروڑ ذرّوں سے مل کر بنے ہیں ۔ پھر وہ بھی باریک درباریک ذرّوں کا مجموعہ ہیں ۔ جیسے کہ امریکہ کے ایک سائینسدان نے ایسا ذرہ دریافت کیا ہے ۔ کہ جو انسان کے جسم میں سے گزر جاتا ہے ۔ ہوا جسم میں سے نہیں گذر سکتی ۔ مگر وہ ذرہ جب جسم پر لگتا ہے تو دوسری طرف نکل جاتا ہے ؛

پس یہ مادی تحقیقات سے ثابت ہے ۔ کہ جو چیز بھی ہمیں نظر آتی ہے ۔ وہ باریک درباریک ہوتی جاتی ہے ۔ اور نہایت لطیف در لطیف ذرّوں کا مجموعہ ہوتی ہے ۔ جب ہر ایک چیز اپنی طاقت ایسے لطیف منبع سے حاصل کرتی ہے جو نظروں سے پوشیدہ ہے ۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ اس لطافت کی طرف جانے میں کوئی حکمت ہے اور وہ یہی ہے ۔ کہ اشیاء پر ملائکہ کا تصرف ہے ۔ جو خود نہایت لطیف ہیں ؛

غرض دنیا کی اشیاء کا سلسلہ ایک باریک در باریک ذرّات کی طرف جانا بتاتا ہے ۔ کہ باریک ہی ان کے منتظم ہوں ۔ اور اشیاء کی یہ لطافت دلالت کرتی ہے کہ ان پر لطیف ارواح ہی کام کر رہی ہیں ۔ اور وہی ملائکہ ہیں ؛

(۳) معتبر شہادت سے بھی کسی چیز کے ہونے کا ثبوت ملتا ہے ۔ مثلاً جب لوگ لنڈن سے آکر کہتے ہیں ۔ کہ لنڈن ایک شہر ہے ۔ تو لوگ ان کی اس بات پر اعتبار کر لیتے ہیں ۔ اسی طرح ملائکہ کے وجود کے متعلق جب اتنے معتبر آدمی کہتے چلے آئے ہیں ۔ کہ ہیں ۔ تو پھر ان کو کیوں نہ مانیں ؟ اگر شہادت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ۔ تو پھر لنڈن بھی انہی لوگوں کے نزدیک ہونا چاہیئے ۔ جو اسے دیکھ آئیں ۔ اور جو نہیں دیکھ آئے ۔ ان کے نزدیک لنڈن کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہونی چاہیئے ۔ کوئی کہے کہ لنڈن تو ہر شخص جا کر دیکھ سکتا ہے ۔ مگر ملائکہ کو تو ہر شخص نہیں دیکھ سکتا ۔

ہم کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ کہ ہر شخص لنڈن کو دیکھ سکتا ہے۔ لنڈن وہی شخص دیکھ سکتا ہے جس کے پاس روپیہ ہو۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ ملائکہ کو دیکھنے کی جس میں قوت ہوتی ہے وہ ملائکہ کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص روپیہ جمع کر کے لنڈن دیکھ سکتا ہے۔ تو ملائکہ کو دیکھنے کی قوت پیدا کرنے سے ملائکہ کو بھی دیکھ سکتا ہے ؞

پس ملائکہ کے متعلق سینکڑوں اور ہزاروں آدمیوں کی جو شہادت ملتی ہے۔ وہ بھی ان کی ہستی کا ثبوت ہے ؞

(۴) ثبوت یہ ہے جو روزانہ مشاہدوں میں آتا ہے۔ اور اگر روزانہ نہیں تو ایک عرصہ کے بعد ہر شخص کے مشاہدہ میں آتا ہے۔ کہ بارہا ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس کے قلب پر ایک ایسی بات اثر کرتی ہے۔ جس کا اس کے خیالات سے بالکل کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اس کے خیالات کے الٹ وہ تحریک ہوتی ہے۔ اور اس کے کرنے کیلئے انسان ایسا مجبور ہوتا ہے۔ کہ چھوڑ نہیں سکتا۔ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی ایسا وقت ضرور آتا ہے حتےٰ کہ کفار پر بھی آتا ہے۔ دہریوں پر بھی آتا ہے۔ چنانچہ دہریوں کے ایسے واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔ ہمارے دل میں ایسی تحریک پیدا ہوئی جو مجبور کر کے ایک جگہ لے گئی۔ اور وہاں دیکھا۔ کہ لاش پڑی ہے۔ اس قسم کی تحریک کے محرک کون ہوتے ہیں؟ ملائکہ ؞

تو اس قسم کی شہادت مادی لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور روحانی لوگوں کی تو بہت ہی شہادتیں اس کے متعلق ملتی ہیں۔ کہ یکلخت دل میں ایک تحریک ہوتی ہے۔ جس کا خیالات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور اس پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ یہ تحریک ملائکہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ اور یہ ان کی ہستی کا ثبوت ہے ؞

ملائکہ کی ضرورت

یہ تو میں نے ملائکہ کے ثبوت کے عقلی دلائل بتائے ہیں۔ اب یہ بتاتا ہوں کہ ملائکہ کی ضرورت کیا ہے؟ ضرورت بھی کسی چیز کا ثبوت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چیز کی ضرورت

ثابت ہوجائے ۔ قانون قدرت کے وسیع مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ وہ ہوتی بھی ضرور ہے ۔ پس کسی چیز کی ضرورت بھی اس کے ہونے کا ثبوت ہے ۔ مگر یہ ثبوت بالواسطہ ہوتا ہے ۔ بلاواسطہ نہیں ہوتا ۔ اس لئے میں ملائکہ کی ضرورت بتاتا ہوں ۔

پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ روحانی اور جسمانی نظام میں مشابہت ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے ۔ روحانی امور کو جسمانی پر قیاس کر لیا جاتا ہے ۔ کیونکہ یہ دونوں سلسلے ایک جیسے چلتے ہیں ۔ سوائے اس کے کہ جہاں ان کا ایک جیسا نہ چلنا ضروری ہوتا ہے ۔ اور جسمانی معاملات میں ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ اسباب کا ایک وسیع سلسلہ چلتا ہے ۔ اور مخفی در مخفی اسباب چلے جاتے ہیں ۔ یہاں تک کہ نہایت باریک گیسوں تک پہنچتا ہے ۔ بلکہ کہتے ہیں کہ ان سے بھی آگے چل کر مادہ طاقتوں میں منتقل ہوجاتا ہے اور انہی طاقتوں کے منبعوں کا نام ہم ملائکہ رکھتے ہیں ؛

غرض جسمانی سلسلہ اس طرز پر واقع ہوا ۔ کہ لطیف ہوتے ہوتے بالکل غائب ہو جاتا ہے ۔ اور کوئی ذریعہ اس کے دیکھنے کا نہیں ہوسکتا ۔ ایسا ہی روحانی سلسلہ کے لئے بھی ہونا ضروری ہے ۔ اور ہے ۔ اور اس سلسلہ کی آخری کڑی ملک ہیں ۔ یہ کہنا کہ روحانی امور میں سبب نہیں ہوتا ۔ صرف جسمانی امور میں ہوتا ہے ۔ غلطی ہے ۔ جسمانیات کے متعلق ایک فلاسفر نے یہاں تک لکھا ہے ۔ کہ کوئی بات یونہی نہیں ہوجاتی ۔ بلکہ ہر ایک بات کے اسباب دور سے چلے آتے ہیں ۔ پس جب جسمانیات میں کوئی بات بغیر سلسلہ اسباب کے نہیں ہوتی ۔ تو کیا روحانی امور ہی ایسے ہیں کہ ان میں اسباب کا سلسلہ نہ مانا جائے ۔ جب جسمانی امور کا سلسلہ چلتا ہے ۔ تو ضروری ہے کہ مشابہت کیلئے روحانی امور میں بھی چلے ۔ اور روحانی امور کے سلسلہ کی آخری کڑی ملائکہ ہیں ۔ پس روحانیات کے لئے ملائکہ کی ضرورت ہے ؛

(۲) ہم ہر چیز میں ارتقاء پاتے ہیں ۔ اور اسی مسئلہ ارتقاء کی عمومیت کو دیکھ کر سائنس دان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں ۔ کہ یہ جو انسان موجود ہے ۔ یہ پہلے سے

ہی ایسا نہ تھا۔ پہلے یہ ایک کیڑے کی شکل میں تھا۔ پھر ترقی کر کے بڑھا۔ پھر اور بڑھا حتٰے کہ موجودہ حالت کو پہنچ گیا۔ مسئلہ ارتقاء کا یہ استعمال تو غلط معلوم ہوتا ہے اور کئی طرح سے رد کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ اس مسئلہ پہ غور کرنے سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایک دوسرے سے متغائر حالات میں تبدیلی یا تو مختلف مدارج کو چاہتی ہے۔ یا وسائط کی محتاج ہے۔ یکدم بالکل متغائر حالات کی طرف انتقال بالکل محال ہے۔ پس ایک طرف انسان کے اندر اعلےٰ سے اعلےٰ ترقیات کے حصول کی خواہش اور خدا تعالےٰ سے وصال کی تڑپ کا ہونا۔ دوسری طرف اس کی موجودہ کثافت کا اس سے ملنے میں روک ہونا۔ دونو امر اس نتیجہ میں ہمیں پہنچاتے ہیں۔ کہ انسان اور خدا تعالےٰ کے درمیان ایک اور واسطہ ہونا چاہیئے جو ایک طرف تو مخلوق ہو اور دوسری طرف نیک اور روحانی ہو۔ اور اس واسطہ کو ملائکہ کہتے ہیں۔

کہتے ہیں۔ ایک شخص کسی بلند مینار پر چڑھا۔ مگر اُتر نہ سکتا تھا۔ کسی نے تیر کے ساتھ باریک تاگے کی ریل باندھ کر تیر اس کی طرف مارا۔ اور اس نے پکڑ لیا۔ اس باریک تاگے کو اس نے نیچے لٹکا دیا۔ اور نیچے والے نے اس کے ساتھ ذرا موٹا تاگہ باندھ دیا۔ جسے اس نے اوپر کھینچ لیا۔ پھر اس کے ساتھ اور زیادہ موٹا تاگہ باندھا گیا۔ حتٰے کہ ایک زنجیر باندھی گئی۔ اور وہ اس کے ذریعہ نیچے اُتر آیا۔

اسی طرح ملائکہ کے ذریعہ بندہ کا تعلق خدا سے ہوتا جاتا ہے۔ وہ درمیانی کڑی ہیں۔ جن کے ذریعہ بندہ کا خدا سے تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے فیوض کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ملائکہ کا وجود ضروری ہے۔

تیسری ضرورت ملائکہ کی یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ہم ظاہری عالم میں دیکھتے ہیں۔ کہ جسمانی تربیت کے لئے دو چیزیں ہیں۔ ایک وہ جو بغیر انسان کے علم اور اس کے دخل کے اس کا کام کر رہا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ

(۱۶-۱۲)

کہ خدا کے حکم کے ماتحت رات اور دن سورج اور چاند اور ستارے بغیر تمہاری کسی محنت کے تمہارے لئے کام کر رہے ہیں۔

مُسَخَّر عربی میں اس کو کہتے ہیں۔ جس پر کچھ خرچ نہ ہو۔ اور وہ کام دے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ہم نے تمہارے لئے رات اور دن۔ سورج اور چاند اور ستاروں کو کام میں لگا دیا ہے۔ تمہیں ان کے لئے کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی رات آتی ہے اور دن چڑھتا ہے۔ لیکن تم اس کے لئے کوئی محنت نہیں کرتے۔ اور تمہارا ان پر کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ اسی طرح سورج دھوپ نازل کرتا ہے۔ چاند روشنی کرتا ہے۔ ستارے طرح طرح کے اثرات ڈال رہے ہیں۔ لیکن تمہیں ان کیلئے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ یہ انتظام جس کی طرف اللہ تعالےٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ایک ایسا سلسلہ ہمارے فائدہ کیلئے رکھا ہوا ہے جو آپ ہی آپ کام کرتا رہتا ہے۔ ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج کی شعاعوں میں ایسی طاقت ہے۔ کہ پانی کو مختلف رنگ کی شیشیوں میں ڈال کر اگر اس کے سامنے رکھ دیا جائے۔ تو اس میں ایسی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ کہ اسی سے کئی بیماریوں کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چاند کی روشنی سے بعض سبزیاں بڑھتی اور پکتی ہیں۔ ککڑی کو تو میں نے خود دیکھا ہے۔ کہ چاندنی رات میں اس قدر جلدی بڑھتی ہے۔ کہ اس کے بڑھنے کی صرصر کی آواز آتی ہے۔ اور بھی نباتات ایسی ہیں۔ کہ چاند کی روشنی کا ان پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور یہ تو ایک دو مثالیں ہیں۔ ان چیزوں کے ہزاروں ہی اثرات ہیں۔ جو ہمیں معلوم نہیں۔ اور جو ہمیں معلوم نہیں وہ تو نہ معلوم کتنے ہوں گے۔

پس یہ چاند اور سورج۔ ستارے۔ سب اثر ڈال رہے ہیں۔ اور اب یہ بات دریافت کی گئی ہے۔ کہ سل کے کیڑوں کی قاتل دھوپ ہے۔ اس لئے دھوپ کو بھی علاج کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسی بات کو مدِ نظر رکھ کر دیکھو۔ کہ سورج کس طرح انسانوں کی خدمت کر رہا ہے۔ ایک شخص

سل کے بیمار کے پاس جاتا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ اس کے اندر سل کے کیڑے داخل ہو کر اس کی ہلاکت کا باعث ہوں۔ مگر جب وہ سورج کی تیز دھوپ میں سے گزرتا ہے۔ تو وہ کیڑے خود بخود مر جاتے ہیں۔ اور اس بات کا اسے پتہ بھی نہیں ہوتا۔ اور اس طرح وہ بچ جاتا ہے۔

پس ایک تو یہ سلسلہ ہے جو انسان کی محنت اور کوشش کے بغیر اس کے فائدہ کے لئے کام کر رہا ہے۔ اور دوسرا وہ سلسلہ ہے کہ انسان محنت اور کوشش کر کے کسی چیز سے فائدہ اٹھاتا اور اپنے لئے مفید بناتا ہے۔ جیسے غلہ سے روٹی پکانا۔ مٹی سے مکان بنانا۔ لوہے اور لکڑی سے گاڑی بگھی۔ ریل کا تیار کرنا۔ علم حاصل کرنا۔ اب غور کا مقام ہے۔ کہ کیا یہ ممکن ہے؟ انسان کی جسمانی تربیت اور انتظام کے لئے تو یہ دو سلسلے ہوں۔ لیکن اس کی روحانیت کیلئے خدا نے کچھ بھی نہ کیا ہو۔ ادھر روحانی اور جسمانی سلسلوں کی مشابہت بتاتی ہے۔ کہ جس طرح چاند سورج اور ستاروں کے اثرات خود بخود انسان کے جسمانی انتظام پر پڑ رہے ہیں اور فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ اسی طرح روحانیت کے لئے بھی کوئی سلسلہ ہونا چاہیئے۔ جس سے انسان کی روحانیت کو فائدہ پہنچے۔ اس کے لئے خدا تعالےٰ نے ملائکہ رکھے ہیں۔ جو انسان میں روحانیت پیدا کرتے اور اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ ہاں جب بیماری بڑھ جاتی ہے۔ تو جس طرح سورج کی دھوپ سل کے کیڑوں کو نہیں مار سکتی۔ بلکہ دوائی دینے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جب روحانیت کی بیماری بڑھ جاتی ہے۔ تو اس کے لئے بھی اور سامانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ملائکہ کے ہونے کی ضروریات ہیں۔

ملائکہ کے وجود پر اعتراض اور اُنکے جواب

اب میں ان اعتراضات کے جواب دیتا ہوں جو ملائکہ کے متعلق کئے جاتے ہیں:-

پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ اگر ملائکہ ہیں۔ تو وہ ہمیں نظر

کیوں نہیں آتے۔ یہ ایسا اعتراض ہے۔ جس کو سُن کر ہنسی آتی ہے۔ کیونکہ سینکڑوں چیزیں دنیا کی ایسی ہیں۔ کہ جو نظر نہیں آتیں۔ لیکن لوگ ان کو مانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کیا مٹھاس کسی کو نظر آتی ہے۔ اس کے متعلق یہی کہا جائے گا۔ کہ زبان سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ نظر نہیں آیا کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کیا آواز کسی کو نظر آتی ہے؟ کہا جائے گا۔ اس کا تعلق کان سے ہے۔ پھر میں کہتا ہوں۔ کہ سختی یا نرمی کسی کو نظر آتی ہے؟ یہی کہا جائے گا۔ کہ یہ چھونے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ پھر میں کہتا ہوں۔ خوشبو یا بدبو کسی کو نظر آتی ہے؟ یہی کہا جائے گا۔ کہ یہ ناک سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان جوابات سے معلوم ہُوا۔ کہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا یہی ذریعہ نہیں۔ کہ وہ نظر آئے۔ بلکہ اور حواس بھی ہیں۔ جن سے ان کا ہونا معلوم کیا جاتا ہے۔ پھر میں کہتا ہوں۔ ہوا کو کسی نے دیکھا ہے۔ جب ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ہوا ہل رہی ہے ورنہ نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اور بہت سی طاقتیں ہیں۔ مثلاً قوت حافظہ ہے۔ کون ہے جو اس کو چکھ کر یا سونگھ کر یا دیکھ کر مانتا ہے؟ اسکے اثرات سے ہی اس کا پتہ لگایا جاتا ہے۔

پس معلوم ہُوا۔ کہ ایسی چیزیں بھی ہیں۔ جن کو دیکھنے کے بغیر اور ذرائع سے مانا جاتا ہے اور ان کے اثرات کو دیکھ کر ان کو مانا جاتا ہے۔ اسی طرح ملائکہ بھی اثرات کے ذریعے مانے جاسکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ وہ نظر ہی آئیں۔ ان کے اثرات سے ان کا پتہ لگ جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض ایسا ہے۔ جسے علماء کا اعتراض کہا جاتا اور بڑا ایکا قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ یہ ایسا جاہلانہ اعتراض ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر جہالت اور نہیں ہوسکتی۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ کہا جاتا ہے۔ کیا خدا ملائکہ کا محتاج ہے؟ کہ ان کو اس نے بنایا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا ملائکہ کا خالق ہے۔ اور کسی چیز کا خالق اس کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ خدا تعالےٰ کو ملائکہ کا محتاج تب کہا جاتا۔ جب خدا ملائکہ کو کسی اور جگہ سے لاتا۔ لیکن خدا تو ملائکہ کو خود پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کا محتاج کیونکر ہوا؟ احتیاج علے الغیر ہوا کرتی ہے نہ کہ اپنے

قبضہ اور اختیار کی احتیاج ہوتی ہے۔ پس چونکہ خدا تعالےٰ نے ملائکہ کو خود پیدا کیا ہے۔ اس لئے وہ ان کا محتاج نہیں ہے۔ اور یہ جاہلانہ اعتراض ہے ۔

دوسرے اس اعتراض کا رد اس طرح بھی ہو جاتا ہے۔ کہ مادی دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں۔ ہر ایک چیز کے اسباب مقرر ہیں۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ ملائکہ کو ماننے سے خدا کو ان کا محتاج ماننا پڑے گا۔ وہ مانتے ہیں کہ کھانے کے ذریعے پیٹ کا بھرنا خدا کا قانون ہے۔ ہم کہتے ہیں کیا کھانے کے ذریعہ پیٹ بھرنے کا قانون بنانے سے خدا اس بات کا محتاج ہو گیا؟ کہ وہ بندہ کا پیٹ کھانے سے بھرے۔ اسی طرح بیماری ہے۔ خدا نے دوائی کے ذریعہ اس کا علاج مقرر کیا ہے۔ کیا خدا دوائی کا محتاج ہو گیا اسی طرح روشنی کے لئے خدا نے سورج بنایا ہے۔ کیا خدا سورج کا محتاج ہو گیا۔ وجہ کیا ہے۔ کہ جسمانی سلسلہ میں اسباب مقرر کرنے سے تو محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن اگر روحانی سلسلہ میں فرشتوں کو اسباب مقرر کرے۔ تو محتاج ہو جاتا ہے ۔

تیسرا رد اس اعتراض کا یہ ہے۔ کہ وہی اسباب دنیا میں کمزوری ظاہر کیا کرتے ہیں۔ جن کے بغیر کوئی کام نہ کر سکے۔ وہ اسباب کمزوری کا باعث نہیں ہوتے۔ جو اپنے قبضہ اور اختیار میں ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کسی سے ناراض ہے۔ اور اس سے بولتا نہیں۔ لیکن ایک اور شخص کو اس کے متعلق کہہ دیتا ہے۔ کہ فلاں شخص یہاں نہ آئے۔ تو کیا وہ کہے گا۔ کہ یہ گونگا ہے؟ بول ہی نہیں سکتا۔ کہ مجھ سے نہیں بولا۔ نہیں۔ یہ اعتراض غلط ہو گا۔ کیونکہ وہ دوسروں سے بولتا ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ خدا نے ملائکہ کو بلا اسباب کے پیدا کر لیا کہ نہیں۔ اگر ان کو پیدا کر لیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ بلا اسباب کے بھی خدا کام تو کر سکتا ہے۔ لیکن ملائکہ کو اس نے کسی حکمت کے ماتحت اسباب مقرر کیا ہے۔ پس ملائکہ کی پیدائش جب ایسی ہے۔ کہ خدا نے بلا اسباب کی ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان کا مقرر کرنا کسی حکمت کے ماتحت ہے۔ نہ کہ خدا ان کا محتاج ہے اور ان کے بغیر وہ کچھ کر نہیں سکتا ۔

چوتھا جواب اس کا یہ ہے۔ کہ تم ملائکہ کے مقرر کرنے کو احتیاج کہتے ہو۔ ہم اسے حکمت کہتے ہیں۔ اور ملائکہ کے مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے۔ کہ علوم کی وسعت ان کے مخفی اسباب اور پھر ان کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً کونین میں جو صفات تھیں۔ وہ اگر مخفی نہ ہوتیں۔ تو اس کے متعلق جو علم نے ترقی کی ہے۔ وہ نہ ہوتی۔ پس علوم کی وسعت کے لئے مخفی سامانوں کا ہونا ضروری ہے۔ جب تک اسباب مخفی نہ ہوں۔ وسعت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو بات ظاہر ہو۔ اس میں وسعت کہاں پیدا کی جا سکتی ہے؟ پس علوم کی وسعت کے لئے خدا تعالیٰ نے مخفی سامان رکھے ہیں۔ اور جوں جوں ان کو دریافت کیا جاتا ہے۔ علوم میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور جس قدر کوئی ان کے دریافت کرنے میں زیادہ محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اسی قدر زیادہ فائدہ اور ناموری حاصل کرتا ہے۔ اگر یونہی تپ اتر جایا کرتا۔ تو وہ ڈاکٹر جس نے اس کے اسباب پر غور و فکر کرتے کرتے اس کا علاج کونین دریافت کیا۔ اس میں اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق ہوتا۔ اور اس علم میں جو ترقی ہو رہی ہے۔ وہ کس طرح ہوتی؟ پس دنیا میں ترقی اور درجہ حاصل کرنے کا مخفی اسباب بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو نہ کوئی ترقی کر سکتا اور نہ اعلیٰ درجہ حاصل کر سکتا۔

یہی حالت روحانیت کی ہے۔ انسان اس لئے پیدا کیا گیا ہے۔ کہ روحانی ترقی حاصل کرے۔ اس کے لئے روحانی اسباب بھی مخفی رکھے گئے ہیں۔ جو ان سے کام لیتا ہے۔ وہ انعام اور درجہ حاصل کرتا ہے۔ پس ترقیات کیلئے اخفاء کی بہت سخت ضرورت ہے۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے۔ کہ اگر مخفی اسباب مانے جائیں۔ تو خدا کو ان کا محتاج قرار دینا پڑے گا۔ مخفی اسباب کا ہونا خدا تعالیٰ کی احتیاج نہیں ثابت کرتا۔ بلکہ بندہ کی احتیاج ثابت کرتا ہے کہ بندہ ان کے ذریعہ ترقی کرے۔ خدا نے اگر یہ قانون مقرر کیا ہے۔ کہ زمین کو ایک خاص حد تک کھودا جائے۔ تو اچھا پھل پیدا ہوگا۔ یہ اس لئے نہیں کہ خدا اس کا

محتاج ہے۔ بلکہ اس لئے کہ زمینداروں میں سے جو بڑا زمیندار بننا چاہتا اور اچھی کھیتی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کو اس کی احتیاج ہے۔ اگر زمین کا عمدہ پھل لانا کسی محنت یا علم پر نہ رکھا جاتا۔ تو کسی زمیندار کو دوسرے پر فضیلت نہ ہوتی اور مقابلہ کی جو رُوح اس وقت کام کر رہی ہے بالکل مفقود ہو جاتی۔ دوسرے یہ بھی بات ہے۔ کہ اگر مخفی اسباب نہ ہوتے تو خدا کا جلال لوگوں پر ظاہر نہ ہوتا۔ اور اسکی قدرت کی قدر وہ نہ کرتے۔ اگر سب باتیں پہلے سے ہی معلوم ہوتیں تو خدا کا جلال لوگوں پر ظاہر نہ ہوتا؟ یہ اسی طرح ظاہر ہوتا کہ انسان کسی بات کے متعلق جتنی تلاش اور جستجو کرتا ہے اتنا ہی اس کے متعلق نئی نئی باتیں دریافت کرتا جاتا ہے۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

اور یہ مخفی اسباب جن کے دریافت کرنے سے درجہ اور ترقی اور عزت حاصل ہو سکتی ہے ان کی آخری کڑی ملائکہ ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ اسباب اس وسعت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ کہ آپ کو جو ترقی اور درجہ حاصل ہوا۔ وہ اور کسی کو حاصل نہ ہو سکا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود پر یہ اسباب ظاہر ہوئے۔ اور آپ کو بھی اعلیٰ عزت اور رتبہ نصیب ہو گیا۔ پھر ان کے ذریعہ مجھ پر بھی یہ اسباب ظاہر ہوئے۔ اور مجھے بھی خدا تعالیٰ نے عزت اور رتبہ عطا کیا۔ تو یہ مدارج کا تفاوت بھی نہ ہوتا۔ اور سب ایک ہی جیسے ہوتے۔ لیکن مخفی اسباب کی وجہ سے جتنے جتنے اسباب کسی پر ظاہر ہوئے انہی کے مطابق اس کو درجہ بھی ملا۔

اس امر میں کیا شبہ ہے۔ کہ بالعموم سبب ظاہر ہوتا ہے اور سبب مخفی اور مخفی کے دریافت کرنے کے لئے انسان کو محنت برداشت کرنی پڑتی ہے جو اس کے لئے موجب ثواب اور زیادت علم ہوتی ہے۔ اور اس کی دلچسپی کو بڑھاتی ہے یہ ایک طبعی قاعدہ ہے۔ کہ مخفی شے انسان کی دلچسپی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ دوائیوں کی تاثیرات اور ایجادات اس قبیل سے ہیں اور ان اسباب

کا دریافت کرنا ہی مدارج انسانی قائم کرتا ہے.........

پس روحانی اسباب مخفیہ بھی ضروری تھے تا انسان کے علم باطن میں بھی زیادتی ہو اور کوشش اور سعی میں بھی تفاوت ہو۔ اور روحانی آدمی ایک دوسرے کے مقابلہ میں فضیلت حاصل کریں اور مسابقت کا موقعہ ملے۔ اور مخفی در مخفی علوم کی واقفیت حاصل کرکے اس کے یقین میں ترقی اور حوصلہ میں زیادتی ہو۔ اور خدا تعالےٰ کی غیر محدود طاقتیں اس کے سامنے ظاہر ہوں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ اس سلسلہ کو جو اس کا وجود مخفی کرتا تھا۔ اس قدر شاندار بناتا۔ اور اس سلسلہ کو جو اس کا وجود ظاہر کرتا ہے۔ بالکل محدود کر دیتا۔ پس اسباب کی احتیاج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ؎

تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ ہر چیز کا دنیا میں ہمیں سبب نظر آتا ہے۔ پھر اس بات کو کس طرح مان لیں؟ کہ وہ فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہیں۔ مثلاً آندھی آتی ہے۔ اس کے متعلق ہمیں معلوم ہے۔ کہ جب جو میں بعض خاص قسم کے تغیرات ہوں تو آتی ہے۔ بادل آتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سورج کے ذریعہ پانی کے ابخرات اٹھتے ہیں۔ اور وہی برستے ہیں۔ یہ کس طرح مان لیں؟ کہ فرشتوں کے ذریعہ ایسا ہوتا ہے۔ یہ جہالت کی باتیں ہیں۔ اور اس زمانہ کی ہیں۔ جب کہا جاتا تھا کہ فرشتہ سمندر سے پانی پی کر آتا ہے۔ اور پھر آکر بارش برساتا ہے۔ اس قسم کی باتیں اب علم اور تحقیقات کے زمانہ میں کون مان سکتا ہے؟

مگر اس اعتراض کے پیش کرنے والوں نے فرشتوں کے متعلق جو صحیح عقیدہ ہے۔ اس کو سمجھا نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بارش برسنے کا قریبی سبب فرشتہ ہے۔ اور فرشتہ سمندر سے پانی لاکر برساتا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ ان ابخرات کو قائم کرنے والا فرشتہ ہے جن سے بارش بنتی ہے ہم تو آخری سبب کو فرشتہ کہتے ہیں۔ نہ یہ کہ کوئی اور سبب ہی نہیں ہوتا۔ ہر چیز کے سبب ہیں۔ مگر سب اسباب کے آخر میں فرشتہ کام کر رہا ہے یہ ٹھیک ہے کہ مختلف تغیرات اسباب کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اور ایک

سبب کے پیچھے دوسرا۔ دوسرے کے پیچھے تیسرا حتّٰے سینکڑوں ایسے سبب بھی ہوں گے جن کو دنیا جانتی بھی نہیں۔ مگر سب کے پیچھے فرشتہ ہوگا۔ درمیانی اسباب خواہ کروڑوں ہوں۔ ہم ان کا انکار نہیں کرتے۔ لیکن سب کے آخر میں فرشتہ مانتے ہیں

چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ جو تغیرات ہوتے ہیں۔ وہ مقررہ قانون کے ماتحت ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کو تپ چڑھتا ہے۔ اگر تپ چڑھانے والا فرشتہ ہے۔ تو کونین دینے سے کیوں اتر جاتا ہے۔ اور جب علاج سے مرض دور ہو جاتی ہے تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے نے تپ چڑھایا تھا؟ اسی طرح اگر کھانسی فرشتہ لگاتا ہے۔ تو دوائی دینے سے کیوں دور ہو جاتی ہے؟ کیا اس وقت فرشتہ بھاگ جاتا ہے؟

یہ اعتراض بھی جاہلانہ ہے۔ کیونکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ فرشتے کوئی قادر مطلق ہستی ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ کہ فرشتے خواص الاشیاء کو ظاہر کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان اشیاء کو استعمال کرتا ہے جن کے نتیجہ میں تپ چڑھایا جانا مقدر ہے تو جو فرشتہ ان اشیاء کے خواص کے ظہور کے ابتدائی اسباب کا موکل ہے۔ اس کا نتیجہ بخار پیدا کرتا ہے۔ لیکن جب انسان ان اشیاء کو استعمال کرتا ہے۔ جن کے خواص مخفی در مخفی سلسلہء اسباب کے نتیجہ میں بخار کو اتارنے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تو اس وقت ان اشیاء کا آخری موکل فرشتہ اپنا اثر ظاہر کرنا شروع کرتا ہے اور پہلا فرشتہ بموجب مقررہ قواعد کے اپنے اثر کو ہٹانا شروع کر دیتا ہے۔

پس یہ کہنا درست نہیں کہ دوا سے بیماری کا اثر ظاہر کرنے والا فرشتہ بھاگ جاتا ہے۔ بلکہ امر واقع یہ ہے کہ جب دوا کے فرشتہ کا اثر ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے تو بیماری کے آثار ظاہر کرنے والا فرشتہ اپنے اثر کو ہٹانا شروع کر دیتا ہے۔

ملائکہ پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

اب میں اس بات کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ملائکہ پر ایمان

لانے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ مانا کہ ملائکہ اچھی چیز ہیں۔ اور ان کے ذریعہ چیزوں کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن کونین بھی تو مفید چیز ہے۔ اس سے تپ اتر جاتا ہے۔ اس پر ایمان لانے کا کیوں حکم نہیں دیا گیا؟ اسی طرح تم کہتے ہو۔ ملائکہ بارشیں برساتے ہیں۔ مگر سورج بھی تو بارشیں برسنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس پر ایمان لانے کا کیوں نہیں حکم دیا گیا؟ ملائکہ پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

اس کے متعلق غور کرنے کے لئے آؤ یہ معلوم کریں۔ کہ رسولوں۔ کتابوں پر ایمان لانے کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟ جب یہ معلوم ہو جائے گا۔ تو ہمیں اس اصل کا پتہ لگ جائیگا جس کی وجہ سے کسی شے پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کو ملائکہ کے متعلق بھی چسپاں کر کے دیکھیں گے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ ہستی جو بالذات ایمان کی مستحق ہے۔ وہ صرف اللہ تعالےٰ کی ہی ہے۔ رسول اور کتابیں وہ ذرائع ہیں۔ جن سے خدا پر ایمان لایا جاتا ہے۔ ورنہ اصل میں وہ مقصود بالذات نہیں ہیں۔ آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا اس لئے حکم دیا گیا ہے۔ کہ ان کے ذریعہ خدا کی شناخت ہوتی ہے۔ اور خدا تعالےٰ سے ملاقات ہوتی ہے۔ چونکہ وہ خدا کا کلام ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے ذریعہ انسان خدا کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسولوں پر ایمان لانے کی یہ وجہ ہے۔ کہ رسول خدا تعالےٰ کی ہستی کا نشانات کے ذریعہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ تو رسول پر ایمان لانا اس کی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس لئے ہوتا ہے کہ رسول خدا پر ایمان لانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس رسولوں پر کتب پر قیامت پر ایمان لانا خدا تعالےٰ پر ایمان لانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے سوا پانچ اور امر ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے:۔

۱۔ ملائکہ ۲۔ کتب ۳۔ رسل ۴۔ تقدیر ۵۔ قیامت

ان پر ایمان لانا خدا ہی کی ہستی پر ایمان لانے کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ خدا پر ایمان کے حاصل ہونے کے ذرائع ہیں۔ ملائکہ کے متعلق تو اس وقت بحث ہی ہے باقی جتنے امور ہیں۔ ان کو دیکھ لو۔ ان پر ایمان لانے کی یہی غرض ہے۔ کہ وہ خدا کی طرف توجہ

کرنے کے محرک ہیں۔ اس اصل کے مطابق ہم کہتے ہیں کہ اگر ملائکہ کے ذریعہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف توجہ پھرتی ہے۔ تو ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

دنیا میں عام طور پر جو لوگ خدا کو چھوڑتے ہیں۔ وہ اسی دھوکہ کی وجہ سے چھوڑتے ہیں۔ کہ ان کی نظر ظاہری اسباب پر ہوتی ہے۔ مثلاً کونین کے متعلق جب دیکھتے ہیں کہ اس سے تپ اترتا ہے۔ تو کہتے ہیں خدا کیا ہوتا ہے۔ یہی ہے جس سے تپ اترتا ہے اسی طرح اور امور کے متعلق کہتے ہیں۔ اور ظاہری اسباب کو دیکھ کر خدا کا انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن فرشتوں پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک چیز کا آخری سبب فرشتہ ہے۔ اور یہ ایسا حکم ہے کہ ساری سائنس اسی سے نکل آتی ہے۔ کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ نے بتایا ہے۔ کہ ہر چیز کی اگر حقیقت تم تلاش کرنے لگو گے۔ تو اس کے مخفی در مخفی اسباب نکلتے آئیں گے۔ اس وقت جب دنیا چیزوں کے قریب قریب اور ظاہری اسباب سمجھ رہی تھی۔ اس وقت اسلام یہ بتا رہا تھا۔ کہ ہر چیز کے باریک در باریک اسباب ہیں۔ خوردبین نے اب بتایا ہے۔ کہ طاعون کی گلٹی یونہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا باعث کیڑے ہوتے ہیں۔ وہ ان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر ان کیڑوں کے پیدا ہونے کے اور اسباب ہیں۔ پھر ان کے اور اسباب ہیں اسی طرح اسباب در اسباب ہیں۔ انہی اسباب کا آخری اور انتہائی سبب ملائکہ ہیں۔ اور ان کے اوپر خدا ہے۔ تو ملائکہ پر ایمان لانے سے اسباب کی آخری کڑی پر ایمان حاصل ہوتا ہے اور اس سے خدا پر ایمان حاصل ہوتا ہے۔ اور ملائکہ پر ایمان لانے کی یہی وجہ ہے۔

پھر ایمان قرآن کریم میں اور معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ماننے کو بھی ایمان کہا جاتا ہے۔ لیکن صرف کسی وجود کا ماننا ہی نہیں۔ اس کی تحریکات کو ماننا بھی ایمان کہلاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲-۲۵۷)

جو شخص طاغوت کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ وہ ایسے مضبوط کڑے کو پکڑ لیتا ہے کہ جو ٹوٹتا ہی نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔

طاغوت شیطان کو کہتے ہیں۔ اب اگر انکار کے معنے کسی شئے کی ذات کے انکار ہی لئے جاویں تو اس آیت کے یہ معنے ہونگے کہ ہلاکت سے وہی شخص بچتا ہے جو شیطان کے وجود کا انکار کرے اور اللہ تعالےٰ کے وجود کا اقرار۔ حالانکہ یہ معنی سراسر غلط ہیں کیونکہ قرآن کریم صاف صاف طور پر خدا تعالےٰ کے وجود کا بھی اقرار کرتا ہے اور شیطان کے وجود کا بھی اقرار کرتا ہے۔ پس اقرار اور ایمان سے اس آیت میں یہی مراد ہے کہ شیطان کی باتوں کو رد کرتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی باتوں کو مانتا ہے۔ اب اگر یہی معنے ایمان کے ملائکہ کے متعلق کئے جائیں۔ تو ان پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ ان کی تحریکات کو مانا کرو۔ اسی طرح کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کے یہ معنے ہوں گے۔ کہ جو احکام الٰہی کتابوں میں ہوں۔ ان کو مانو۔ جو کچھ رسول تم کو حکم دیں ان کو مانو۔ اور قیامت پر ایمان لانے کے یہ معنے ہوئے کہ اس سے خیال کر کے بری باتوں سے بچو۔ تو خدا۔ ملائکہ کتب اور رسول پر ایمان لانے سے مراد ان کے احکام ماننا ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے۔ تو پھر ان چاروں پر ایمان لانے کا کیوں حکم دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ محبدد بھی ہوتے ہیں۔ اور انبیاءؑ کے خلفاءؓ بھی ہوتے ہیں ان کے احکام ماننا بھی ایمان میں داخل ہونا چاہیئے۔ اور ان کا انکار کفر ہونا چاہیئے۔ لیکن جب ان کا انکار کفر نہیں تو پھر باقیوں کا انکار کیوں کفر ہے ؟

یہ ٹھیک ہے۔ کہ خلفاء اور محبدد دین کی اچھی باتیں بتاتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نبیوں۔ ملائکہ اور کتب کی باتوں اور انکی باتوں میں ایک فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ ایمانیات میں وہ داخل ہیں۔ جن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی بات سے اختلاف کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہی کہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کرتے وقت پاؤں دھونے کا جو حکم دیا ہے۔ وہ ٹھیک نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ مگر خلیفہ سے تفصیلات میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ مثلاً خلیفہ ایک آیت کے جو معنے سمجھتا ہے

نہ دوسرے شخص کی سمجھ میں نہ آئیں اور وہ ان کو نہ مانے۔ تو اس کے لئے جائز ہے۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق جو کہے کہ فلاں آیت کے آپ نے جو معنے کئے ہیں۔ میں ان کو نہیں مانتا۔ تو کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمودہ میں سے ایک شوشہ بھی رد کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے تو خلفاء کے احکام ماننا ضروری ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ خلیفہ کسی امر کے متعلق جو رائے دے اس سے کسی کو اتفاق نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ کہا تھا کہ انکو غلام بنا لینا جائز ہے کیونکہ وہ مرتد اور کافر ہیں۔ مگر اس کے متعلق حضرت عمرؓ اخیر تک کہتے رہے کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ لیکن اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ فرماتے۔ تو اس سے اختلاف کرنا ان کے لئے جائز نہ تھا۔ انبیاء سے چونکہ اصول کا تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے ان سے اختلاف کرنا ہرگز جائز نہیں ہوتا۔ ہاں تفصیلات میں خلفاء سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اب بھی کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا ہے اور پہلے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ خلفاء کو دوسروں کی بات ماننی پڑی ہے۔ اور بعض دفعہ خلفاء کی بات دوسروں کو ماننی پڑی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ میں یہ مسئلہ اختلافی رہا۔ کہ جنبی خروجِ ماء سے ہوتا ہے یا محض صحبت سے ؏

غرض خلفاء سے اس قسم کی باتوں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن انبیاء سے نہیں کیا جا سکتا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اگر کوئی التحیات میں انگلی اٹھانے کے متعلق اختلاف کرے گا۔ تو بھی کافر ہو جائے گا۔ لیکن مجددین اور خلفاء ایسے نہیں ہوتے کہ مسائل میں بھی اگر ان سے اختلاف ہو جائے تو انسان کافر ہو جائے۔ مگر انبیاء کی چھوٹی سے چھوٹی بات سے اختلاف کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ ان کی کوئی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ یہی کہنا فرض ہے کہ جو نبی کہتا ہے وہی سچ ہے ؏

غرض ملائکہ پر ایمان لانے کے یہ معنے ہیں کہ ملائکہ جو کہتے ہیں وہ صحیح ہے۔ اس لئے یہی حکم دیا۔ کہ ملائکہ جو کہیں اس کو مانو۔ یعنی ایمان لاؤ۔ اور اس کا ثبوت

قرآن سے ملتا ہے کہ ملائکہ جو کہتے ہیں وہ صحیح ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں مثال کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔ کہ ملائکہ کو نہ ماننے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ط

اللہ نے جب ملائکہ کو حکم دیا۔ کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے انکار کر دیا اور کافر ہوگیا۔

اب یہ قرآن سے پتہ لگتا ہے کہ ابلیس مَلک نہ تھا۔ بلکہ جنّ تھا اور ملائکہ کا غیر تھا اور غیر کو کس طرح معلوم ہوگیا۔ کہ آدمؑ کو سجدہ کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ حکم تو ملائکہ کو ہی دیا گیا اسے اسی طرح معلوم ہو سکتا تھا کہ ملائکہ نے اس کو سجدہ کرنے کی تحریک کی ہو۔ مگر اس نے اس کو نہ مانا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ کافر ہو گیا۔ تو ملائکہ کی تحریکیں ماننا بھی فرض ہیں اور وہ نیک ہی ہوتی ہیں ؂

اب میں یہ بتا چکا ہوں کہ ملائکہ کیا چیز ہیں۔ ان کا کیا کام ہے؟ اور یہ بھی کہ ان پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ ان کی کیا ضرورت ہے؟ پھر ان پر جو اعتراض پڑتے ہیں۔ ان کے جواب بھی دے چکا ہوں۔ مگر ان کے متعلق اور بھی سوال پیدا ہوتے ہیں اور میں اب ان سوالوں کا جواب دیتا ہوں ؂

ملائکہ اور اُن کا تعلّق کتنی اقسام کا ہوتا ہے؟

اب میں یہ بیان کرتا ہوں۔ کہ ملائکہ کا فیضان کتنی اقسام کا ہے؟ لیکن چونکہ ملائکہ کے فیضان کے ساتھ ہی یہ سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ شیطان کا انسان کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ہستیاں بالمقابل ہیں۔ اس لئے میں ساتھ ہی ان کا بھی ذکر کروں گا ؂

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ملائکہ کے اثرات تین اقسام کے ہیں۔ اور شیطان کے اثرات بھی تین قسم کے ہیں۔ ملائک کا پہلا تعلق انسان سے وہ ہوتا ہے جسے لمۂ ملکیہ کہتے ہیں۔ یعنے فرشتے کی تحریک۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے کہ رستہ چلتے چلتے انسان بھولنے لگ جاتا ہے۔ کہ ایک آدمی اسے کہہ دیتا ہے۔ یہ سڑک نہیں وہ ہے جس پر تمہیں جانا چاہیئے۔ اسی طرح ملائکہ کی طرف سے تحریک ہو جاتی ہے اور یہ تعلق ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ایک اجنبی کا اجنبی سے ہوتا ہے ؃

اس سے اوپر جب تعلق بڑھتا ہے۔ تو ایسا ہوتا ہے۔ جیسا سفر میں دوست کا دوست سے ہوتا ہے۔ جو دوست کسی رستے کا واقف ہوتا ہے جدھر وہ جاتا ہے ادھر ہی اس کا ساتھی بھی جاتا ہے۔ یہ نہیں۔ کہ ہر قدم پہ اس سے پوچھتا ہے کہ کدھر جا رہے ہو؟ اسی طرح اس مرتبہ میں جب فرشتہ ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان اور فرشتہ دونو ایک ہی طرف چلتے ہیں۔ اس کو تائید روح القدس کہتے ہیں اور یہ تائید نزول کے لفظ کے ساتھ تعبیر کی جاتی ہے۔ جب کسی کو روح القدس کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ تو یہ تعلق دائمی ہوتا ہے۔ مگر پہلا یعنے لمۂ ملکی کا تعلق عارضی ہوتا ہے ؃

اس سے بڑھ کر تیسرا درجہ ہوتا ہے۔ جس میں فرشتہ اور انسان کا تعلق غلام و آقا کا ہو جاتا ہے۔ یعنی فرشتہ محض ساتھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے انسان کی اطاعت اور خدمت کا بھی حکم مل جاتا ہے۔ اور وہ دوست کی طرح نہیں خادموں کی طرح ساتھ رہتا ہے۔ یہی وہ مرتبہ ہے جس کی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا۔ کہ آگ تمہاری غلام بلکہ تمہارے غلاموں کی غلام ہے۔ آگ کے غلام ہونے کا یہی مطلب ہے کہ آگ کا فرشتہ آپؑ کا غلام تھا۔ اور فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (۱۵-۲۹) کے بھی یہی معنے ہیں کہ آدمؑ اول کے متعلق فرشتوں کو حکم ہوا۔ کہ اس کے فرمانبردار اور غلام ہو جاؤ۔ جب آدمؑ اول کے متعلق فرشتوں کو یہ حکم ہوا۔ تو آدمؑ ثانی (حضرت مسیح موعودؑ) جو آدمؑ اول سے شان میں بڑھا ہوا تھا۔ اس کے لئے کیوں یہ نہ کہا جاتا کہ آگ تمہاری غلام بلکہ تمہارے غلاموں کی غلام ہے ؃

اس مرتبہ کے انسان کے لئے فرشتہ کی حالت عبد کی سی ہوتی ہے۔ اور اس کو اس سے علیحدہ ہونے اور اسے چھوڑنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ ایک نوکر نوکری چھوڑ کر علیحدہ ہوسکتا ہے مگر فرشتہ علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ یہ انبیاء کا درجہ ہوتا ہے۔

انہی درجوں کے مشابہ شیطان اور انسان کے تعلقات ہوتے ہیں۔ شیطان سے تعلق رکھنے والوں کا پہلا درجہ شیطانی کا ہوتا ہے۔ جیسے کوئی سیدھے رستہ پر جا رہا ہوتا ہے اور شریر آدمی اُسے کہہ دیتے ہیں کہ ادھر نہ جاؤ۔ بلکہ ادھر جاؤ۔ یونہی تمسخر سے کہتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی بات مان لیتا ہے تو گمراہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شیطان ابتدا میں اسی طرح کا دھوکہ دیتا ہے۔ اور جب کوئی اس کے دھوکہ میں آجاتا ہے تو اُسے گمراہ کر دیتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کے ساتھ ملائکہ موجود ہوتے ہیں۔ وہ سیدھے رستہ پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مگر جب کوئی بار بار شیطان کی بات ماننے لگتا ہے۔ تو اس حالت سے اور زیادہ بُری حالت میں چلا جاتا ہے۔ اور شیطان کے ساتھ بار بار ملنے کی وجہ سے ان کا آپس میں دوستانہ تعلق ہو جاتا ہے۔ جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ط (۴-۳۹)

کہ شیطان ان کا قرین بن جاتا ہے۔ اور یہ بہت بُرا دوست ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہوتا ہے۔ پھر تیسرا درجہ شروع ہوتا ہے۔ یعنی شیطان آقا بن جاتا ہے۔ اور انسان اس کا غلام۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عَبَدَ الطَّاغُوتَ ہیں۔ یعنی وہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس کے غلام ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ جو نیکی کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔ وہ تو آخر ملک پر سوار ہو جاتا ہے اور یہ جو بدی کی طرف جا رہا ہوتا ہے اس پر آخر شیطان سوار ہو جاتا ہے۔

یہ تین سلسلے ہیں نیکی بدی کے جو بندوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر انسان کی ان حالتوں میں سے کوئی

حالت ہوتی ہے تو کیا ہر انسان کے ساتھ علیحدہ علیحدہ فرشتے ہوتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہاں ہر انسان کے ساتھ علیحدہ علیحدہ فرشتے ہوتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ فرشتے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ کہ ہر انسان کے ساتھ ان میں سے ایک ایک دو مقرر ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (۸۶-۴)

کوئی نفس نہیں جس پر ایک نگران مقرر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے۔ دوسرے فرشتے وہ ہوتے ہیں۔ کہ ان میں سے ہر ایک کا ہر انسان سے تعلق ہوتا ہے۔ اور ہر انسان پر ان کا اثر کم و بیش پڑ رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ جبرائیلؑ سب پر اثر ڈالتا ہے۔ ایسے فرشتوں کے آگے خادم ہوتے ہیں وہ ان کے اثرات دیگر اشیاء تک پہنچاتے ہیں۔

اب سوال ہوتا ہے۔ کہ اگر ایک ہی فرشتہ سب انسانوں پر اثر ڈالتا ہے۔ تو پھر فرشتے نازل کس طرح ہوتے ہیں۔ اس کے لئے یاد رکھو۔ ملائکہ کا نزول قرآن کریم کی اصطلاح ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں۔ کہ ضرور فرشتہ آتا ہے۔ بلکہ ذاتی طور پر اثر ڈالتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ کے لئے بھی نزول کا لفظ آتا ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ لیلۃ القدر کے آخری حصہ میں خدا نیچے اترتا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اس وقت خدا تعالےٰ اپنا بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ یہی معنے جبرائیل کے نزول کے ہونگے کہ جبرائیلؑ بھی بذات خود نہیں اترتا۔ کیونکہ وہ تو مقام معلوم پر ہوتا ہے۔ اور اس سے نہیں ہلتا۔ اسی اپنے مقام پر بیٹھا اثر ڈالتا ہے۔ دیکھو جب سورج شیشے میں اثر ڈالتا ہے۔ تو یہ نہیں ہوتا۔ کہ اس میں اتر آتا ہے۔ اسی طرح جبرائیلؑ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آتا تھا۔ بلکہ اس کا عکس آتا تھا۔ انسان کی شکل میں جو رسول کریمؐ کے پاس آیا تو وہ خود نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس نے اپنے اثر سے انسان کی ایک شکل پیدا کی تھی۔ وہ آئی تھی۔ ورنہ وہ تو جہاں ہے وہیں موجود رہتا ہے۔

پس اس کے نزول کے معنے صرف یہ ہیں۔ کہ جس طرح شیشے میں سورج عکس ڈالتا

ہے۔ اسی طرح جبرائیلؑ ایسے دل میں جو اس کا اثر قبول کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اپنا اثر ڈالتا ہے۔ اور یہی اس کا نزول ہے۔ جب یہ نزول ہوتا ہے۔ تب روح القدس انسان کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر کام اسی کے ذریعہ کرتا ہے۔ یہی بات حضرت عیسےٰؑ کے متعلق آئی۔ عیسائی کہتے ہیں۔ شیطان ان کو دھوکہ دیتا تھا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے شیطان ان کو کس طرح دھوکہ دے سکتا تھا۔ ان کے ساتھ جبرائیلؑ تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جبرائیلؑ کے نازل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنا عکس ڈالتا ہے۔ تو جس قدر انسان ایسے ہوئے ہیں۔ کہ ان پر جبرائیلؑ کا عکس پڑتا تھا وہ سب ایک جیسے ہونے چاہئیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت موسےٰؑ حضرت عیسےٰؑ۔ ان سب کا ایک ہی درجہ ہونا چاہیئے۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ عکس مختلف ہوتے ہیں۔ اور اس کیلئے یہی نہیں دیکھا جاتا۔ کہ عکس کس کا ہے؟ بلکہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ عکس کس پر پڑا ہے۔ لوہے کی چادر پر سورج کا جو عکس پڑے گا وہ اور شان کا ہوگا۔ اور شیشے پہ جو عکس پڑے گا وہ اور شان کا۔ بے شک جبرائیلؑ ایک ہی تھا۔ اور اس کا عکس بھی ایک ہی ہے۔ مگر آگے جتنے جتنے قلب مصفےٰ تھے۔ اتنی ہی اس کی شکل اعلیٰ درجہ کی دکھائی دی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ جبرائیلؑ ایک ہی تھا۔ آگے جن پر عکس پڑا۔ وہ الگ الگ درجہ کے تھے۔ موسےٰؑ موسےٰؑ ہی تھا۔ اور محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) محمدؐ ہی۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول کریمؐ سب انبیاءؑ سے اعلےٰ رتبہ اور درجہ والے قرار پائے کہ ایک ہی نے سب نبیوں پر عکس ڈالا۔ ورنہ اگر عکس ڈالنے والے الگ الگ ہوتے۔ تو کہا جاتا کہ رسول کریمؐ پر عکس ڈالنے والا چونکہ اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اس لئے آپ کو اعلیٰ درجہ حاصل ہوا۔ اور دوسرے انبیاءؑ پر عکس ڈالنے والے ایسے نہ تھے۔ اس لئے وہ رسول کریمؐ سے کم درجہ پر رہے۔ اگر ان پر بھی وہی عکس ڈالتا۔ جس نے رسول کریمؐ پر ڈالا۔ تو وہ اسی درجہ کو حاصل کر لیتے۔ جو رسول کریمؐ کو حاصل ہوا۔ لیکن اب چونکہ ایک ہی عکس ڈالنے والا ہے۔ اس لئے ان کے مدارج میں جو فرق ہے۔ وہ ان کے اپنے اپنے قلب کی صفائی سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی چیز جب مختلف چیزوں پر برابر اثر ڈالے۔ تو ان کے اپنے

اپنے ظرف کے مطابق نتیجہ مرتب ہوگا۔ جب کہ جن پر عکس پڑے ان کے اندر ونے میں فرق ہو۔ تو باوجود ایک شئے کا ہی عکس پڑنے کے پھر بھی نتیجہ میں فرق ہوگا اور یہی رسول کریم کی سب انبیاء پر فضیلت ہے۔ کہ آپ کا سینہ سب سے اعلیٰ اور مصفےٰ تھا۔ اور اس پر جو عکس پڑا۔ وہ سب سے بڑھ کر تھا۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ کبھی فیضان کی نوعیت کے لحاظ سے اس کے نام مختلف رکھ دیئے جاتے ہیں یوں وہ روح القدس کا ہی فیضان ہوتا ہے۔ اور فیضان کی نوعیت قلب کی صفائی کے مطابق ہوتی ہے۔ دیکھو جب سورج کا عکس لینا ہو۔ اور معلوم ہو کہ اس کے لئے شیشہ بہت بہتر ہے۔ تو اسی پر لیں گے۔ نہ کہ لوہے کے ٹکڑے پر لیں گے۔ چونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا قلب بہترین قلب تھا۔ اس لئے آپؐ پر فیضان کا جو عکس پڑا وہ چونکہ سب سے اعلیٰ اور بڑھ کر تھا۔ اس لئے وہی قیامت تک رہے گا۔ اور اس طرح فیضان کی نوعیت بدل گئی۔

دیکھو حضرت مسیحؑ کو جبرائیلؑ کے فیضان کی شکل کشف میں کبوتر کی دکھائی گئی۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کے پاس یہ فیض آدمی کی شکل میں آیا۔ جو بہت اعلےٰ اور اکمل فیضان تھا۔ تو فیضان کی نوعیت کا بھی فرق ہوتا ہے۔ اسی نوعیت کے فرق کی وجہ سے جبرائیلؑ کے کئی نام ہیں۔ روح القدس۔ روح الامین وغیرہ۔ روح القدس جبرائیل کا نام اس کلام پاک کی وجہ سے ہے جو وہ نازل کرتا ہے۔ اور روح الامین اس کا لقب اس کلام پاک کے نازل کرنے کی وجہ سے ہے جس کی ہمیشہ اس نے حفاظت بھی کرنی تھی۔ اور جس کلام کو ہر قسم کے نقص سے محفوظ رکھنا اس کا فرض تھا۔ یہ نام جبرائیلؑ کے لئے اسی فیضان کی وجہ سے ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر پڑا۔ گویا جبرائیلؑ رسول کریم صلعم کا ممنون احسان ہے کہ آپؐ کے سبب اسے ایک اور خطاب ملا۔

غرض دوسرے انبیاءؑ پر روح القدس کے رنگ میں جبرائیلی پرتو پڑا۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ آلہ وسلم پر روح الامین کے رنگ میں پرتو پڑا۔ جس کا یہی کام نہیں کہ پاکیزگی پیدا کرے۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ پاکیزگی ہمیشہ کے لئے قائم بھی

رکھی جائے۔ روح الامین میں قدوسیت بھی آگئی۔ اور اس کے ساتھ ہی ہمیشگی بھی پائی گئی۔ اس لئے یہ نام روح القدس کی نسبت اعلیٰ ہے۔

ملک افضل ہے یا انسان؟

اب میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ کہ ملک افضل ہے یا انسان؟ کیونکہ پیچھے جو اس بات پر زور دیا گیا ہے۔ کہ عیسیٰ۔ موسیٰ۔ رسول کریمؐ جبرائیل پر تو سے اس درجہ کو پہنچے۔ تو اس کے متعلق کسی کے دل میں خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ افضل ہؤا۔ جس نے ان پر پرتو ڈالا۔ نہ کہ وہ جو اس کے پرتو سے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ باوجود اس کے کہ حضرت عیسیٰ۔ حضرت موسیٰ اور رسول کریمؐ پر جبرائیل کا پرتو پڑا۔ یہ جبرائیلؑ سے اعلیٰ ہیں۔ اور اس کے کئی وجوہ ہیں۔

(۱) جبرائیلؑ بے شک پرتو ڈالنے والا ہے۔ مگر بطور واسطہ کے۔ ورنہ اصل عکس ڈالنے والا خدا ہی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیساکہ سورج کا عکس شیشے پر پڑے اور اس سے کسی اور چیز پر پڑے۔ جبرائیلؑ خدا تعالیٰ سے نور اخذ کر کے آگے ڈالتا ہے نہ کہ اپنی ذات سے۔ اور واسطہ کبھی اعلیٰ ہوتا ہے اور کبھی ادنیٰ۔ اعلیٰ کی مثال تو شیشے کی ہے۔ جس پر سورج کا عکس پڑنے۔ شیشہ اس چیز سے اعلیٰ ہوگا۔ جس پر اس کے واسطہ سے عکس پڑے گا۔ اور ادنیٰ کی مثال یہ ہے۔ کہ بادشاہ چٹھی لکھ کر چپڑاسی کو دے۔ کہ فلاں وزیر کو پہنچا دے۔ وہ نہیں جانتا۔ کہ چٹھی میں کیا ہے یا کیا نہیں؟ ان کا کام پہنچا دینا ہے۔ یا مثلاً اس کے ہاتھ زبانی پیغام بھی کہلا بھیجے۔ تب بھی وزیر جو کچھ اس سے کہے گا وہ پیغامبر سے اکمل مفہوم ہوگا۔ اس مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا پرتو جبرائیلؑ کے ذریعہ نبی پر پڑے۔ مگر جبرائیلؑ کو معلوم ہی نہ ہو کہ کیا ہے؟ اس کا پتہ حدیث سے بھی لگتا ہے۔ معراج کی حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک مقام پر جاکر جبرائیلؑ نے رسول کریمؐ کو کہا۔ آگے آپؐ ہی جائیے۔ میں نہیں جاسکتا۔ تو جبرائیلؑ کے ذریعہ جو کچھ پہنچایا

گیا۔ وہ ایسا ہے جیسا کہ کسی کو ایک پیغام دے کر کسی کے پاس بھیجا جائے۔ جس میں سے کچھ تو وہ سمجھ لے اور کچھ ایسے اشارے ہوں۔ جنہیں وہی سمجھ سکتا ہو۔ جس کے پاس پیغام بھیجا گیا۔ یا وہ سمجھ سکتا ہے۔ جس نے پیغام بھیجا۔ اسی طرح جبرائیلؑ کو جو کچھ دیا گیا۔ وہ لے تو گیا۔ مگر اس میں ایسی باتیں بھی ہیں۔ جنہیں خدا اور رسولؐ ہی سمجھ سکتے ہیں ۔

یہ مثال تو ایسی ہے۔ کہ جبرائیلؑ جو کچھ لے گیا۔ اسے وہ سمجھ نہ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ حصہ جو جبرائیلؑ سمجھ سکتا تھا۔ اس میں بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس کو میں مثال کے ذریعہ سمجھاتا ہوں۔ دو آدمی بخار میں مبتلا ہوں اور دونوں کو کونین دی جائے۔ تو بسا اوقات ایک کو تو جھٹ اثر ہو جائیگا اور ایک کو دیر میں ہوگا۔ ایسا کیوں ہوگا؟ ظاہر ہے۔ کہ یہ فرق ان دونوں کی ذاتی قوتوں کی وجہ سے پڑے گا۔ جس کے جسم میں ایسے مادے ہوں گے۔ کہ جو کونین پر غالب آجائیں۔ اس پر کم اور دیر سے ہوگا۔ اور جس کا جسم صاف ہوگا۔ اس پر فوراً اثر ہوگا اور بخار اتر جائے گا ۔

یہ مثال تو دفع شر کی قوتوں کے اختلاف کی ہے۔ جلب خیر میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ دو آدمی ایک ہی خوراک کھاتے ہیں۔ ایک بہت موٹا اور مضبوط ہو جاتا ہے دوسرا اس سے اس قدر فائدہ نہیں اٹھاتا۔ گو بسا اوقات وہ پہلے سے غذا مقدار میں بھی زیادہ کھا لیتا ہے۔ اسی طرح وہ تعلیم جس کو دونوں یعنی جبرائیلؑ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے تھے۔ اس میں بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل تھے۔ کیونکہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کے قویٰ کے مطابق اثر ڈالتی تھی۔ اور حضرت جبرائیلؑ پر ان کے قویٰ کے مطابق ۔

یہ بات اس طرح اور زیادہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ میں اس وقت یہ مضمون اردو میں بیان کر رہا ہوں اور ہر شخص اسے سمجھ سکتا ہے مگر ہر ایک ایک جیسا نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ ہر ایک پر ایک جیسا اثر ہوتا ہے۔ پھر قلب کا اثر

بھی بات پر جا پڑتا ہے۔ دیکھو سورۃ فاتحہ ہی ہے۔ کوئی شخص اسے پڑھتا ہے تو اس کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ اور کوئی پڑھتا ہے تو اس کے چہرہ پر بشاشت آجاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ جس کے قلب کے اندر رونے کا مادہ ہوتا ہے اور وہ مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ اسے پڑھ کر سمجھتا ہے۔ خدا ہی ہے جو میری مصیبت کو دور کرسکتا ہے۔ اور اس سے اس کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ لیکن دوسرا شخص جو کامیابیوں کو اپنے گردوپیش پاتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ خدا ہی میری حفاظت کرنے والا ہے کون ہے جو مجھے تباہ کرسکے۔ اس سے اس کے پڑھنے سے چہرہ پر بشاشت آجاتی ہے۔ تو ایک ہی بات کا قلب کی حالت کے لحاظ سے مختلف اثر ہوتا ہے ؛

پس وہ کلام جو رسول کریمؐ پر نازل ہوا۔ وہ ان بشری قوٰی سے مل کر جو آپؐ کے اندر تھے اور نتیجہ اور مطلب پیدا کرتا اور جبرائیلؑ کے اندر چونکہ اور قوٰے تھے اس لئے ان کیساتھ مل کر اور نتیجہ پیدا ہوتا۔ اور یہ صاف بات ہے کہ مختلف چیزوں کی ترکیب سے مختلف نتائج پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً چونہ ہے۔ اس پر اینٹیں رکھ دی جائیں تو کچھ نہیں ہوگا لیکن اگر پانی ڈالا جائے تو آگ پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ چونہ اور پانی کے ملنے سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کرتا ہے۔ تو باوجود اس کے کہ جو کچھ رسول کریمؐ پر جبرائیلؑ کے ذریعہ اُترا۔ اسے جبرائیلؑ سمجھتے تھے۔ مگر جو قوٰے رسول کریمؐ کو حاصل تھے وہ ان کو حاصل نہ تھے اس لئے ایسا نہ سمجھ سکتے تھے جیسا رسول کریمؐ سمجھتے۔ اور اسی وجہ سے رسول کریمؐ کو اس بات میں بھی فضیلت حاصل ہے ؛

اس جگہ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ ہر انسان ملک سے افضل نہیں ہوتا۔ خاص انسان خاص ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں۔ اور جو عام مومن ہوتے ہیں وہ عام ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی ملائکہ کی نسبت وسیع ذمہ واریاں ہیں۔ اور انسان تو ایسا ہے۔ کہ اسے جہنم میں بھی ڈالا جاسکیگا۔ لیکن ملائکہ کیلئے یہ نہیں ہے۔ وہ مجبور ہیں کہ بدی نہ کریں۔ مگر انسان دونوں طرف جاسکتا ہے۔ بدی بھی کرسکتا ہے اور نیکی بھی۔ اس لئے وہ انسان جو نیکی کرتے ہیں۔ خواہ وہ معمولی درجہ کے مومن ہوں وہ عام ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں ؛

بقیہ تقریر

جو

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۲۹ دسمبر ۱۹۲۱ء

کو

مسجد نور میں ساڑھے نو بجے صبح فرمائی

اعوذ۔ تشہد اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

ایک صاحب نے سوال کیا ہے۔ کہ یہ کیوں نہ مانا جائے کہ اشیاء کے خواص اشیاء سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اور ملائکہ کے اثر کے نیچے نہیں ہیں۔ اس بات کے تسلیم کرنے کی کیا وجہ ہے کہ اشیاء کے خواص ملائکہ کے اثر کے نیچے ہوتے ہیں +

میں نے ملائکہ کا ثبوت دیتے ہوئے بعض دلائل بیان کئے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ ملائکہ کا وجود ثابت کیا ہے۔ اور جب ملائکہ کا وجود ثابت ہو گیا۔ تو خود بخود ان کی ضرورت ثابت ہو گئی۔ اور جب کوئی بات دلائل کے ساتھ ثابت ہو جائے۔ تو پھر یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ چونکہ اس کے امکان کی کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کیوں نہ اسی وجہ کو مانا جائے۔ مثلاً ہوا کاغذ کو اڑاتی اور کاغذ اس کے ذریعہ اڑ کر میز پر پڑ سکتا ہے لیکن اگر کسی شخص کو کاغذ لا کر میز پر رکھتے دیکھ لیں۔ تو یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ کیوں نہ مانا جائے کہ کاغذ ہوا ہی اڑا کر لائی ہے۔ پس جب ملائکہ کا وجود ثابت ہو گیا تو پھر یہ امکان کہ اشیاء کے خواص اشیاء سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ملائکہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ باطل ہو گیا۔ امکان اور ہوتا ہے۔ اور کسی واقع کا دلائل

سے ثابت ہونا اور ۔ مثلاً یہ جو کہا جاتا ہے ۔ کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر نہیں گئے ۔ تو اس لئے نہیں کہا جاتا کہ ان کا آسمان پر جانا ممکن نہیں ۔ بلکہ اس لئے کہ اس کے خلاف دلائل موجود ہیں ۔ اور جب دلائل موجود ہیں ۔ تو پھر قیاس نہیں چلایا جا سکتا ۔ قیاس اسی وقت چلتا ہے ۔ جب دلائل موجود نہ ہوں ۔ قیاس اور امکان کے یہ معنے ہوتے ہیں ۔ کہ اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہوتے ۔ کہ سارے امکان ایک بات میں پائے بھی جاتے ہیں ۔ پس ہو سکتا تھا کہ اشیاء کے خواص اشیاء سے ہی متعلق ہوں ۔ اور یہ امکان ہے ۔ مگر دوسرے شواہد سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ ایسا نہیں ہے ۔ بلکہ خواص کا تعلق ملائکہ سے ہے ؎

پھر ہم یہ نہیں کہتے کہ اشیاء میں خواص نہیں ۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ۔ بلکہ ہمارا دعوےٰ یہ ہے کہ اشیاء کی خواص کے ظہور کے ابتدائی محرک ملائکہ ہیں ۔ ملائکہ کو حکم ہوتا ہے ۔ اور وہ اپنے سے اگلے سبب پر اس کا اثر کرتے ہیں ۔ وہ اپنے سے اگلے پر اور اسی طرح ہوتے ہوتے ظاہری موجودات پر اس کا اثر ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے ؎

وہ لوگ جو خدا کو مانتے ہیں ۔ اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خدا نے مادہ پیدا کیا ہے انکو یہ بھی ماننا پڑیگا ۔ کہ جتنی چیزیں ہیں ۔ ان کی خاصیتیں خدا نے ہی رکھی ہیں ۔ ورنہ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مادہ غیر مخلوق ہے ۔ خدا نے پیدا نہیں کیا ۔ بلکہ اپنے آپ ہی ہے ۔ اور خدا کوئی ہستی نہیں ہے ۔ اگر کوئی یہ خیال رکھتا ہے ۔ تو اس کو ملائکہ کے متعلق کچھ بتلانے سے قبل خدا کی ہستی کا قائل کرانا ہوگا ۔ پھر اگر خدا کی ہستی کا کوئی قائل ہو جائے ۔ لیکن یہ کہے ۔ کہ ہر چیز اپنے آپ ہی پیدا ہو گئی ہے ۔ تو بھی ملائکہ کے متعلق اسے کچھ نہیں کہا جائے گا ۔ ہاں جب یہ بھی تسلیم کرلے ۔ کہ ہر ایک چیز کو پیدا کرنے والا خدا ہے ۔ تو پھر اس کے سامنے یہ سوال رکھا جائے گا ۔ کہ ملائکہ کا وجود بھی ثابت ہے ۔ پس یہ سوال جب اٹھایا جا سکتا ہے ۔ جب کوئی یہ تسلیم کرلے کہ خدا ہے ۔ اور اس نے مادہ پیدا کیا ہے ۔ ورنہ نہیں ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ وہ قومیں جو خدا کی ہستی کی قائل نہیں یا خدا کی تو قائل ہیں ۔ لیکن مادہ کو مخلوق نہیں مانتیں ۔ وہ فرشتوں کی قائل نہیں ہوتیں ۔ پس پہلے یہ امر فیصلہ کئے جائیں گے ۔ اور ان کے بعد ملائکہ پر

بحث ہو سکے گی۔ اور جب ملائکہ پر بحث ہوگی۔ تو اس کے ساتھ ہی یہ بات تسلیم شدہ قرار دی جائے گی۔ کہ خدا کی ہستی اور مادہ کا مخلوق ہونا تسلیم کیا جاتا ہے اور جب کوئی یہ باتیں تسلیم کرے گا۔ تو اسے یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ خدا نے چیزوں میں صفات رکھی ہیں اس کے متعلق ہمارا دعوےٰ صرف یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اشیاء میں صفات براہ راست نہیں رکھیں بلکہ ملائکہ کے توسط سے رکھی ہیں۔ کیونکہ چیزیں کثیف ہیں اور خدا تعالیٰ لطیف اور ہم تمام قوانین نیچر کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے کثیف اشیاء پر اثر ڈالنے کے لئے وسائط مقرر فرمائے ہیں۔ سب لطیف چیزوں کے متعلق ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کثیف کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے وسائط ہوتے ہیں۔ تو کثیف چیز لطیف سے تعلق نہیں رکھ سکتی۔ انسان کو ہی دیکھ لو۔ اس میں قلب۔ روح یا Mind کچھ کہہ لو۔ کوئی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے انسان سب کام کرتا ہے۔ اور جب وہ نہیں رہتی تو انسان بے جان ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ چیز جو اس کے اندر ہے۔ وہ اسے نہیں کہتی۔ کہ یہ کرو۔ اور یہ نہ کرو۔ بلکہ وہ نہایت باریک اعصاب پر اثر کرتی ہے وہ آگے باریک شاخوں پر اثر کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہوتے ہوتے کسی عضو میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور وہ کام کرتا ہے۔ مثلاً آنکھ کو براہ راست روح یا مائنڈ کوئی حکم نہیں دیتی بلکہ نہایت باریک اعصاب پر اثر کر کے تدریجی طور پر اس پر اپنے منشاء کا اظہار کرتی ہے۔ غرض جتنی لطیف اشیاء ہیں۔ وہ کثیف کے ساتھ وسائط کے ذریعہ تعلق پیدا کرتی ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں۔ جب خدا کا وجود ثابت ہے۔ اور اس کا ہر چیز کا خالق ہونا مسلم ہے۔ تو یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ اس کا تعلق اشیاء سے کسی ذریعہ سے ہے۔ اور اسی ذریعہ کو ہم ملائکہ کہتے ہیں لیکن جو یہ نہیں مانتا۔ کہ خدا ہے یا وہ سب اشیاء کا خالق ہے۔ اس کے سامنے ہم ملائکہ کی بحث نہیں پیش کریں گے۔ بلکہ اس سے پہلے یہ منوائیں گے۔ کہ خدا ہے۔ اور وہ دنیا کا خالق ہے۔ اور جو اس کو مان لے گا اسے قانون قدرت پر نگاہ کر کے لازماً یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ کوئی لطیف مگر مخلوق ہستیاں ایسی ہیں جو اللہ اور موجودات ظاہری کے درمیان بطور واسطہ ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جو سائنس کے رو سے ثابت ہے۔ سائنس کا مسئلہ ہے کہ ہر ایک چیز کے اسباب ہیں

لطیف سبب اپنے سے موٹے سبب پر اثر ڈالتا ہے۔ وہ اپنے سے موٹے پر۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح آگے چلتا ہے۔ پس ہم مانتے ہیں۔ کہ کونین میں جو خاصیت آئی ہے۔ وہ اور اسباب کے ذریعہ آئی ہے۔ اور کونین بھی کئی اجزا سے مرکب ہے۔ اور کوئی بھی چیز مفرد نہیں سب مرکب ہیں۔ کونین کے اندر ایک خاص جزو ہے۔ جس کا اثر بخار پر ہوتا ہے۔ اور اس جزو کا اثر بعض اور مخفی اسباب کی وجہ سے ہے۔ اور وہ مخفی اسباب بعض اور اسباب کی وجہ سے اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ باریک در باریک اسباب کی طرف منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخری ذریعہ ملائکہ ہیں۔ اور وہ خدا تعالےٰ سے براہ راست فیضان حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ اصل خالق وہی ہے۔ اگر یہ نہ مانا جائے۔ بلکہ یہ کہا جائے۔ کہ ہر چیز کی ذاتی خاصیت ہوتی ہے۔ تو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ خدا چیزوں کا خالق نہیں ہے۔ اور اگر خدا کو چیزوں کا خالق مانا جائے گا۔ تو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ ہر چیز میں خاصیت خدا کی طرف سے ہے۔ اور خواص اشیاء کو مختلف اسباب مخفیہ کا نتیجہ دیکھ کر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ انہی اسباب مخفیہ کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کا حکم ان تک پہنچتا ہے۔ اور انہی کی آخری کڑی کا نام ملک ہے ؂

لمہ ملکی ترقی کرتا ہے۔

اب میں یہ بتاتا ہوں۔ کہ لمۂ ملکیہ ترقی کرتا ہے۔ اور ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ ایک لمہ سے دو ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کسی نے نہ سمجھے ہوں تو پھر بتائے دیتا ہوں کہ اس کے معنی تحریک کے ہیں۔ اور اس کے ترقی کرنے کا یہ مطلب ہے کہ فرشتے جو تحریکیں کرتے ہیں۔ وہ بڑھتی جاتی ہیں۔ ایک سے دو۔ دو سے تین۔ تین سے چار۔ حتیٰ کہ کئی ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی شخص ایک تحریک کو قبول کرتے کرتے اس مقام پر آ جاتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ دیکھتا ہے۔ وہ زیادہ کا مستحق ہے۔ تو اُسے اور زیادہ طاقت دے دی جاتی ہے۔ پھر گویا دو فرشتے

اس کے اندر تحریک کرتے ہیں۔ اس کے دو محافظ ہو جاتے ہیں۔ پھر تین۔ اور اسی طرح بڑھتے جاتے ہیں۔ اور یہ بات ہم قانون قدرت میں بھی دیکھتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کا صحیح طور پر استعمال کرتا ہے۔ اس کی اس کے متعلق طاقتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ مثلاً جو لوگ علوم پڑھتے ہیں۔ ان پر نئی نئی باتیں منکشف ہوتی رہتی ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے بھی اس اصل کے تعلق فرمایا ہے:۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۲۹-۶۹) کہ جو لوگ ہمارے رستہ پر چلتے ہیں۔ ان کو ہم کئی رستے بتا دیتے ہیں۔ جب خدا تعالےٰ تک پہنچانے والے ایک رستہ پر چلتے ہیں۔ تو انہیں قرب کے اور رستے بتا دیئے جاتے ہیں۔ یعنی جب وہ ایک نیکی پر عمل کرتے ہیں۔ تو اور نئی نئی نیکیوں کا انہیں علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہ ان کو عمل میں لاتے ہیں۔ اور ایسی نیکیاں جو پہلے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتیں۔ خدا کے رستہ میں کوشش کرنے والے کو بتائی جاتی ہیں چنانچہ اس کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے۔ ایک جگہ تو خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (۸۶-۴) کہ ہر ایک انسان پر فرشتہ مقرر ہے۔ جو اسے شیطانی تحریکوں سے بچاتا ہے۔ اور نیکی کی تحریکیں کرتا ہے۔ مگر ایک دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اس فرشتہ کی تحریکوں کو مان لیتا ہے تو ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے۔ اب شیطان اس کے ساتھ ہی نہ رہے۔ اور اسے بالکل محفوظ کر دیتا ہے۔ اور وہ اسطرح کہ انسان کے قلب پر اثر کئی ذرائع سے ہوتا ہے کبھی آنکھ کے ذریعہ کبھی ناک کے ذریعہ کبھی کان کے ذریعہ کبھی زبان کے ذریعہ۔ غرضیکہ کئی ذرائع ہیں۔ خدا تعالےٰ ان سب ذرائع کیلئے محافظ مقرر کر دیتا ہے۔ گویا جب کوئی انسان نیک تحریکوں کو مانتا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اور فرشتے اس کے محافظ مقرر کر دیتا ہے جو ان دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ جن کے ذریعہ شیطان داخل ہو کر قلب پر اثر ڈالتا ہے۔ پہلے تو سب دروازہ پر ایک فرشتہ تھا۔ کہ وہ چکر لگاتا اور دیکھتا رہے۔ کہ کسی دروازہ سے شیطان داخل نہ ہو سکے۔ پھر ترقی کرتے کرتے اسطرح ہوتا ہے کہ ہر سوراخ پر فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (۱۳-۱۲) لوگوں نے غلطی سے اس آیت کو ہر

انسان کے متعلق سمجھا ہے۔ مگر اس میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی ذکر ہے۔ اور لہٗ کی ضمیر آپ ہی کی طرف جاتی ہے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ ہمارا ایسا بندہ ہے۔ کہ اس کے آگے اور پیچھے محافظ مقرر ہیں۔ کوئی شیطانی تحریک نہیں۔ جو شیطانی ہو کر اسکے پاس پہنچے۔ ہر ایک شیطانی تحریک اس کے پاس آکر رُک جائے گی۔ اور اس تک نہیں پہنچ سکے گی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ ہر انسان کے لئے ایک ہی فرشتہ مقرر ہوتا ہے۔ لیکن جو خدا کے خاص مقرب ہوتے ہیں۔ ان کے لئے کئی کئی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کا لطیف ثبوت دوسری جگہ سے بھی ملتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کرتے کرتے مومن اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کے ہر سوراخ پر فرشتے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ خداتعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ (۱۳-۲۳)

فرمایا۔ جب انسان مرنے کے بعد جنت میں جائیں گے۔ تو ملائکہ ہر دروازے سے آکر اُن کو سلام کریں گے۔ اور کہیں گے کہ تمہارے صبر کے بدلہ میں تم پر سلامتی ہو۔ اس آیۃ کے یہ معنے نہیں۔ کہ بہت سارے فرشتے ہوں گے۔ اس لئے مختلف دروازوں سے آکر سلام کریں گے کیونکہ اگر بہت فرشتے ہوں۔ تو وہ بھی ایک ہی دروازہ سے آسکتے ہیں۔ اور اگر کہا جائے۔ کہ اتنا ہجوم ہوگا۔ کہ ایک دروازہ سے نہیں آسکیں گے۔ تو پھر اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت اور کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ ایک دروازہ سے آئیں یا مختلف دروازوں سے آئیں۔ ایک ہی بات ہوگی۔ اصل میں اس کے یہی معنی ہیں۔ کہ قیامت کے دن ہر دروازہ کا فرشتہ آئے گا۔ اور آکر مبارک باد دیگا کہ تم اس میں کامیاب ہو گئے۔ جسمیں مَیں اور تم دونوں مل کر شیطان کا مقابلہ کرتے رہے تھے۔ اس وقت فرشتہ کو بھی خوشی ہوگی۔ اور انسان کو بھی۔ تو ہر سوراخ کا فرشتہ اُسے سلامتی کی دُعا دیگا۔

رہی یہ بات کہ کیا کئی دروازے ہوتے ہیں یا نہیں۔ یہ موٹی بات ہے۔ اور ہر انسان جانتا ہے۔ کہ بیرونی چیزوں کے اثر کرنے کے کئی ذرائع ہیں۔ کبھی انسان آنکھ سے روپیہ دیکھتا ہے تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ چوری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اگر اس کی آنکھیں نہ دیکھتیں۔ تو یہ خیال اس کے دل میں نہ پیدا ہوتا۔ پھر کبھی انسان سُنتا ہے کہ فلاں کے پاس

بہت مال ہے۔ تو چوری کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ نہ سنتا۔ تو یہ خیال بھی اسے پیدا نہ ہوتا
اسی طرح بعض خیال چھونے کے ذریعہ سے۔ بعض سونگھنے کے۔ بعض چکھنے کے ذریعہ سے
پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو بدی یا نیکی کی تحریکیں انہی ذرائع سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور ان ہی راستوں
کے ذریعہ شیطان اس کے اندر داخل ہوتا ہے۔ ان پر ایک ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔
جو حفاظت کرتا رہتا ہے۔ اور کسی بری تحریک کو اندر نہیں جانے دیتا۔ لیکن خاص اور
عام لوگوں کے ان محافظ فرشتوں میں ایک فرق ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ عام کے محافظ تو صرف
بری تحریکوں کو اندر جانے سے روکتے ہیں۔ لیکن خاص کے محافظ بری تحریکوں کو بھی نیک
کر کے اندر جانے دیتے ہیں۔ مثلاً ایسا انسان جب سنتا ہے کہ فلاں دولت مند ہے۔
تو بجائے اس کے کہ اس کے دل میں یہ تحریک ہو کہ ڈاکہ مار کر اس کا مال حاصل کرے اس کے
دل میں یہ تحریک ہوتی ہے کہ خدا اسے اور بھی دے۔ اور یہ نیک کاموں میں صرف کرے
غرض اس طرح ان کے اندر ہر تحریک نیک ہو کر جاتی ہے۔ مگر خدا کے نبیوں کے ساتھ
ان فرشتوں کے یہی دو کام نہیں ہوتے۔ کہ اول کسی بری تحریک کو اندر نہیں جانے
دیتے۔ اور دوسرے اس کو نیک کر کے اندر جانے دیتے ہیں۔ بلکہ ان کے دل میں پیدا
ہونے والی تحریکوں کے باہر بھی نیک اثرات پیدا کرتے ہیں۔ خدا کے نبی کے بات
کرتے وقت۔ اس کے کسی کی طرف دیکھتے وقت کسی کو چھوتے وقت۔ غرضیکہ اس کی ہر حالت
میں فرشتے نیک اثر پیدا کرتے رہتے ہیں۔

شاید کوئی کہے کہ کسی کے مال کو دیکھ کر جب کسی کے دل میں چوری کا خیال پیدا ہوتا
ہے۔ تو یہ اس کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ باہر نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے فرشتے اس کے متعلق
کیا حفاظت کر سکتے ہیں۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ چوری کا جو خیال پیدا ہو گا۔ وہ کسی
محرک سے ہی پیدا ہو گا۔ اور محرک چیز باہر ہی ہو گی۔ مگر یہ بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کے
بد خیالات کا بھی اثر ہوتا ہے۔ ایک کے برے خیالات دوسرے کے دل پر اثر کر دیتے ہیں
اور یہ اثر چھونے۔ باتیں کرنے یا پاس بیٹھنے سے ہوتا ہے۔ یہ بات علمی طور پر بھی ثابت ہے۔
مسمریزم ایک علم ہے۔ اس میں ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے۔ سو گیا سو گیا۔ اور اپنے دل میں خیال

لاتا ہے کہ سو گیا۔ جب زور سے یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ تو وہ شخص فی الواقعہ سو جاتا ہے۔ پھر یہاں تک ہو جاتا ہے کہ اسے کہا جاتا ہے۔ لکڑی کی طرح سخت ہو جا۔ تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ اس وقت اگر اُسے ایسی طرز پر لٹا کر کہ اس کی کمر کے نیچے کوئی سہارا نہ ہو۔ اس پر بوجھ بھی رکھ دیا جائے۔ تو اس کی کمر ٹیڑھی نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر کہا جائے۔ تو بلی ہو گیا۔ تو وہ بلی کی طرح میاؤں میاؤں کرنے لگ جائیگا یا اگر کہا جائے کہ کُتّا ہو گیا۔ تو کُتّے کی طرح بھونکنے لگ جائیگا۔ تو ایک شخص کے خیال کا اثر دوسرے پر ہوتا ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن کا بُرا اثر اس ملک میں جہاں وہ رہتے ہیں۔ اس شہر میں جہاں وہ بستے ہیں۔ اس گاؤں میں جہاں وہ سکونت رکھتے ہیں۔ پڑتا ہے۔ اور ہر انسان اس کا تجربہ کر سکتا ہے۔ کہ ایک شخص کے خیال کا اثر دوسروں پر پڑ رہا ہے۔ حتیٰ کہ بچے بھی اس اثر کو محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بچہ کی آنکھیں بند کر کے کوئی چیز کہیں چھپا کر رکھ دیتے ہیں۔ اور پھر سب خیال کرنے لگتے ہیں۔ کہ وہ لڑکا اس طرف چلے۔ جہاں وہ چیز رکھی ہوئی ہے۔ تو وہ اُدھر ہی چلا جاتا ہے اور اس چیز کے پاس پہنچ کر اُسے اُٹھا لیتا ہے۔

ایک دفعہ ایک سکھ طالب علم نے جو گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ سے اخلاص رکھتا تھا۔ حضرت صاحب کو کہلا بھیجا کہ پہلے مجھے خدا پر یقین تھا۔ مگر اب میرے دل میں اس کے متعلق شکوک پڑنے لگ گئے ہیں۔ حضرت صاحب نے اسے کہلا بھیجا کہ جہاں تم کالج میں بیٹھتے ہو۔ اس جگہ کو بدل لو۔ چنانچہ اس نے جگہ بدل لی۔ اور پھر بتایا۔ کہ اب کوئی شک نہیں پیدا ہوتا۔ جب یہ بات حضرت صاحب کو سنائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس پر اس شخص کا اثر پڑ رہا تھا۔ جو اس کے پاس بیٹھتا تھا۔ اور وہ دہریہ تھا۔ جب جگہ بدل لی تو اس کا اثر پڑنا بند ہو گیا۔ اور شکوک بھی نہ رہے۔ تو بُرے آدمی کے پاس بیٹھنے سے بھی بلا اس کے کہ وہ کوئی لفظ کہے۔ اثر پڑتا ہے۔ اور اچھے آدمی کے پاس بیٹھنے سے بلا اس کے کہ وہ کچھ کہے۔ اچھا اثر پڑتا ہے پس دنیا میں خیالات ایک دوسرے پر اثر کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر ان کا پتہ نہیں لگتا۔ ایک شخص کسی مجلس میں جاتا ہے جہاں کسی شخص کے دل میں کوئی بُرا خیال ہوتا ہے۔ اور کسی کے دل میں کوئی ۔۔ وہ اس کے دل پر اثر کر رہے ہوتے ہیں اور اُسے پتہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر

جب ملائکہ اس کے ہر دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ۔ کان۔ ناک۔ منہ اور آنکھ وغیرہ دروازوں پر۔ تو ایسے لوگ جب کسی مجلس میں جاتے ہیں۔ اُن پر کوئی بُرا اثر نہیں ہو سکتا ان پر پاک ہی پاک اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تو پاک تھے مگر دوسروں کو سکھانے کے لئے جب آپ کسی مجلس میں بیٹھتے۔ تو ستر دفعہ استغفار کرتے اس سے آپ نے مسلمانوں کو سکھایا۔ کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کریں ؛

توخیالات کا اثر یقینی اور ثابت شدہ اثر ہے۔ جو لوگ زیادہ نیک اور متقی ہوتے ہیں۔ ان کے ہر دروازہ پر کہ جس سے خیالات کا اثر اندر آتا ہے۔ فرشتے متعین ہوتے ہیں۔ جو انہیں بُرے اثرات سے محفوظ کر دیتے ہیں ؛

شیطان سے کیا مُراد ہے

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ شریعت نے انسان کے ذاتی بُرے خیالات کو بھی شیطانی قرار دیا ہے۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں۔ کہ شیطان کا وجود ہی نہیں ہے۔ کیونکہ میرا یہ بھی یقین ہے کہ ہر نیک تحریک درحقیقت انسان کے قلب سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ میں ملائکہ اور ان کے اثرات کا قائل ہوں ؛

پس میرے قول کا یہ مطلب ہے۔ کہ شریعت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی خیالات کو بھی شریعت نے شیطانی قرار دیا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے۔ کہ جب انسان کے دل میں بدخیال آئے تو شیطان اس پر اپنا پرتو ڈال کر اُسے بڑھا دیتا ہے ؛

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ ایک وضو کا شیطان ہے۔ اس کا نام ولہان ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ پانی زیادہ گرتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا اس جگہ یہ مطلب نہیں کہ واقعہ میں کوئی وضو کا شیطان ہے۔ بلکہ آپ نے دل کے خطرہ کا نام شیطان رکھا ہے۔ شیطان کا کام تو خدا تعالیٰ سے دور کرنا ہے۔ پانی سے اس کا تعلق نہیں اور ولہان کے معنے ہیں۔ ایسا متفکر کہ جسے ایک خیال کے سوا اور کوئی خیال ہی نہ رہے

اور اسی حالت کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولھان نامی شیطان رکھا ہے۔ اس حالت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کو کچھ ہوش ہی نہیں رہتی۔ اور بجائے اس کے کہ وضو کے وقت اسے نماز کی طرف توجہ ہو۔ وہ اپنے خیالات میں محو ہو کر پانی بہاتا چلا جاتا ہے۔ ورنہ فی الواقعہ شیطان اس کو پانی گرانے کیلئے نہیں کہتا۔ کیونکہ شیطان کو زیادہ یا کم پانی گرانے سے کیا تعلق؟

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ نماز کا بھی ایک شیطان ہے جو نماز میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی۔ جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں۔ تو مختلف خیالات میرے دل میں آنے لگ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ شیطان ہے۔ اور اس کا نام خنزب ہے۔ درحقیقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے شیطان کا نام جو خنزب بتایا ہے یہ مرکب لفظ ہے خنیٰ سے اور اُزیب سے۔ خنیٰ کے معنے نوائب الدھر کے ہیں۔ اور اُزیب کے معنے داھیہ کے ہیں یعنی آفات اور بلائیں اور مصیبتیں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتایا ہے۔ کہ دنیا کے حوادث انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اگر انسان دنیا سے حتی المقدور علیحدگی اختیار کرے۔ تو وہ اس حالت سے بچ سکتا ہے؟

غرض دل کے بُرے خیالات کا نام بھی شیطان رکھا گیا ہے؟

لمہ ملکی اور شیطانی انسان کی قلبی حالت کا نتیجہ ہوتے ہیں

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ پہلے ملک یا شیطان کی تحریک نہیں ہوتی۔ پہلی تحریک خواہ بُری ہو یا اچھی انسان کے اپنے قلب سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ ہر انسان فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ہر انسان نیکی پر پیدا کیا گیا ہے۔ پھر حالات اور صحبتوں سے اس کے قلب میں خیال پیدا ہوتے ہیں۔ ان خیالات کو بڑھانے کے ... جو نیک ہوتے ہیں۔ ملائکہ آجاتے ہیں۔ اور بد کے لئے شیطان۔

چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- من کان لہٗ من قلبہ واعظ کان علیہ من اللہ حافظ جس کے اپنے دل میں نیک خیال پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ بھی اس کے لئے ایک نگران فرشتہ کو مقرر کر دیتا ہے۔ اور یہی حال بُری تحریکوں کا ہوتا ہے۔ جس کے دل میں بُرے خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس کے اوپر ایک شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔

پس معلوم ہُوا۔ کہ نیکی اور بدی پہلے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ گو اس کی تحریک بیرونی اسباب سے ہوتی ہو۔ اور پھر اگر نیک تحریک ہو۔ تو ملک اس کو بڑھاتا ہے۔ اور اگر بد ہو۔ تو شیطان ایسے آدمی کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ ورنہ اگر تحریک پہلے ہی سے باہر سے آتی اور قلب کا اس سے تعلق نہ ہوتا۔ اور اس کے قبول کرنے یا رد کرنے میں اس کا کوئی دخل نہ ہوتا۔ تو پھر انسان مجبور ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ کُند ہم جنس با ہم جنس پرواز کے ماتحت جب قلب میں نیکی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ تو ملائکہ سے تعلق ہو جاتا ہے۔ اور جب بُرائی کی تحریک ہوتی ہے۔ تو بدارواح تعلق پیدا کر لیتی ہیں۔

پس یہ جو دونوں تحریکیں ہیں۔ ان کے متعلق یہ بات مدِنظر رکھنی چاہیئے۔ بہت لوگ سوال کیا کرتے ہیں۔ کہ ہم روحانی ترقی کس طرح حاصل کریں۔ ان کا جواب یہ ہے کہ رُوحانی ترقی حاصل کرنے کا طریق یہ ہے۔ کہ انسان اپنے قلب کا مطالعہ کرتا رہے۔ روحانی ترقی یہی ہوتی ہے۔ کہ انسان کو اعلےٰ سے اعلےٰ مدارج اور مراتب کا حال معلوم ہوتا جائے۔ اور اس کا ذریعہ یہی ہے کہ انسان دیکھے کہ اس کے قلب میں نیک تحریکیں زیادہ ہوتی ہیں یا بد۔ اگر نیکی کی تحریکیں زیادہ ہوں۔ تو سمجھ لے کہ خدا تعالےٰ کی طرف ملائکہ اس کا قدم بڑھا رہے ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ انسان اپنی نمازوں کو۔ اپنے روزوں کو۔ اپنے چندہ کو دیکھے۔ کہ ان میں مَیں نے کس قدر ترقی کی ہے۔ اُسے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس کے قلب میں کیا تحریکیں ہوتی ہیں۔ اس کا قلب اسے زیادہ نماز۔ زیادہ روزے اور زیادہ نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے یا نہیں۔ اگر قلب حکم نہیں دیتا۔ تو سمجھ لے۔ کہ جو کچھ کر رہا ہے وہ صرف ایک ابتدائی کوشش ہے یا عادت ہے یا ریا ہے۔ اور خدائی کام نہیں۔ اگر نمازیں

پانچ چھوڑ دس بھی پڑھتا ہے۔ یعنی علاوہ فرائض کے پانچ وقت نوافل ادا کرتا ہے۔ مگر اس کا قلب نماز سے متنفر ہے۔ تو معلوم کرلے۔ کہ ابھی وہ ایسے مقام پر نہیں پہنچا کہ ملائکہ کا اس سے تعلق قائم ہوجائے۔ بلکہ ممکن ہے۔ کہ ابھی وہ ابتدائی کوشش کے مقام پر بھی نہیں پہنچا بلکہ اس کا نفس رسماً یا عادتاً بار بار اس سے نمازیں پڑھوا رہا ہے۔ اور اگر اسے ابھی عمل کی توفیق نہیں ملی۔ مگر اس کے دل میں نیک تحریکیں پیدا ہو رہی ہیں۔ تو سمجھے کہ فرشتے اس سے تعلق پیدا کر رہے ہیں۔ پس تم اپنی نمازوں اپنے روزوں وغیرہ سے اپنی حالت کا اندازہ نہ کرو۔ بلکہ تمہارے دل میں جو کچھ ہو اس کو دیکھو۔ جن قوموں کے دل خراب ہوجاتے ہیں وہ خواہ ظاہرہ طور پر کتنی ہی مضبوط ہوں۔ گر پڑتی ہیں۔ روس کو ہی دیکھ لو کتنی بڑی حکومت تھی۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ کی اس کے متعلق چونکہ پیشگوئی تھی۔ اس لئے ان لوگوں کے دل خراب ہوگئے۔ اور اس سے ساری سلطنت خراب ہوگئی۔ حالانکہ ظاہری خرابی سے مہینا پہلے وہ ایک زبردست حکومت سمجھی جا رہی تھی۔ تو کسی انسان کو اپنے متعلق نمازوں۔ روزوں اور زکوٰۃ سے فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے کہ میں نے نیکی اور تقویٰ میں کس قدر ترقی کی ہے بلکہ اپنے قلب کے اندر جو چیز ہے۔ اس سے اپنی نیکی اور تقویٰ کو دیکھے۔ اگر اس کے دل میں نیک تحریکیں بڑھ رہی ہوں۔ تو سمجھ لے۔ کہ ملائکہ کا پرتو جو اس پر پڑتا ہے۔ وہ بڑھ رہا ہے۔ خواہ ابھی تک بعض گناہ اس سے نہ چھوٹتے ہوں۔ اور اگر برائی کی تحریکیں اس کے قلب میں بڑھ رہی ہوں۔ تو خواہ اچھا کام کر رہا ہو۔ یہی خیال کرے کہ اس کا شیطان سے تعلق بڑھ رہا ہے پس نمازیں زیادہ پڑھنا یا روزے زیادہ رکھنا ایمان کی علامات نہیں۔ تمہیں اپنے قلوب کو دیکھنا اور ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ لوگوں کا کام تمہارے متعلق یہ ہے کہ تمہارے اعمال کا مطالعہ کریں۔ لیکن تمہارا کام اپنے متعلق یہ ہے کہ اپنے قلب کا مطالعہ کرو۔

لمۂ ملکی اور لمۂ شیطانی کا موازنہ کرنے کا طریق

اب [illegible]ا اصول بتاتا ہوں۔ کہ کس طرح معلوم ہو۔ کہ تمہاری تحریکوں میں شیطان

کا دخل زیادہ ہے یا ملائکہ کا۔

پہلے میں نے بتایا ہے کہ اصل تحریکیں خواہ بُری ہوں یا اچھی۔ تمہاری اپنی ہوتی ہیں۔ فرشتے یا شیطان کی نہیں ہوتیں۔ اس لیے تمہیں اپنے قلب کو دیکھنا چاہیئے۔ اور اس کو دیکھ کر معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ تمہارے ساتھ کس کا تعلق زیادہ ہے۔

اوّل۔ اگر تم دیکھو کہ پہلے دل میں نیک خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر بد۔ تو سمجھ لو کہ فرشتہ کا تعلق تم سے شیطان کی نسبت زیادہ ہے۔ فرشتہ اپنے تعلق کو بڑھانا چاہتا ہے۔ مگر شیطان ہمیں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ تو ہمیشہ جب کسی بدی کا خیال پیدا ہو یہ دیکھو کہ اس سے پہلے نیکی کا خیال تم میں پیدا ہوا تھا یا نہیں۔ اگر پیدا ہوا تھا تو ملک کا تعلق تم سے بہت زیادہ ہے بہ نسبت شیطان کے۔ مثلاً تم نماز پڑھنے کے لیے آئے ہو۔ مگر تمہارے دل میں وسوسے پڑتے ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ملائکہ کا تم سے زیادہ تعلق ہے۔ تم نیکی کرنے آتے ہو اور شیطان اسے خراب کرنے لگتا ہے۔

دوم۔ اگر تم دیکھو کہ جب کوئی بُرا خیال تمہارے دل میں پیدا ہوتا ہے تو جھٹ ساتھ ہی نیک خیال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ مسجد میں چلو لوگ دیکھیں گے کہ میں بھی نماز پڑھتا ہوں۔ اور بعد میں یہ خیال آجاتا ہے کہ نماز پڑھنی ہے تو پھر اللہ ہی کی پڑھونگا تو ایسی صورت میں سمجھ لو۔ کہ گو ملائکہ کا تعلق تم سے زیادہ نہیں۔ مگر پھر بھی ملائکہ نے تم کو بالکل چھوڑ بھی نہیں دیا۔ جب انہوں نے موقع دیکھا۔ جھٹ آجاتے ہیں تاکہ نیکی کی طرف لے آئیں۔ اس حد تک انسان محفوظ ہوتا ہے۔ کیونکہ ملائکہ نے اس سے محبت کا تعلق ترک نہیں کیا ہوتا۔ پہلا درجہ تو یہ تھا۔ کہ وہ اُسے اُوپر اُٹھاتے تھے اور شیطان نیچے کھینچتا تھا۔ دوسرا یہ کہ وہ ڈوبنے لگتا تھا۔ تو ملائکہ اُسے بچاتے تھے۔ جو انسان اس حالت میں ہو۔ وہ بھی سمجھ لے کہ وہ ایسے مقام پر ہے۔ کہ ترقی کر سکتا ہے۔ مایوسی کی حد تک نہیں پہنچا۔

سوم۔ تیسرا درجہ نہایت نازک ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ تم محسوس کرو۔ کہ بدی کی تحریک ہوتی ہے۔ مگر ساتھ اس کے نیکی کی تحریک نہیں ہوتی۔ گھنٹہ پر گھنٹہ اور دن پر دن گذرتا جاتا ہے۔ مگر دل میں اس تحریک کے خلاف جوش نہیں پیدا ہوتا۔ اگر یہ حالت ہو۔ تو سمجھ لو۔ کہ تم

کو ملائکہ بالکل چھوڑ گئے ہیں۔ اور تم بالکل شیطان کے قبضہ میں پڑ گئے ہو۔

یہ تین درجہ تو وہ ہیں۔ جنہیں بدی کی تحریک نیکی کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ایک درجہ پر قائم شخص کو بہت ہوشیار رہنا چاہیئے۔ ان سے اوپر دو اور درجہ ہیں جن میں لمۂ ملکی اور لمۂ شیطانی سے انسان کو واسطہ پڑتا ہے۔ مگر لمۂ ملکی غالب ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں:-

(۱) پہلے نیک خیال پیدا ہوتا ہو۔ اور اس کے بعد بد خیال پیدا ہوتا ہو۔ جب یہ حالت ہو۔ تو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ گو فرشتے پورے طور پر اس کے اردگرد نہیں ہیں۔ لیکن اصل تعلق فرشتوں کا ہے۔ شیطان صرف ترقی روکنے کے لئے زور لگا رہا ہے۔

(۲) دوسری حالت یہ ہے کہ نیک خیالات پہلے پیدا ہوں۔ اور بد بعد میں۔ مگر بد خیال بہت کم پیدا ہوں۔ یا یہ کہ مختلف قسم کی نیک تحریکوں میں سے بعض کے متعلق دل میں خیال پیدا ہوں۔ بعض کے متعلق نہیں۔ اس حالت کے متعلق جان لینا چاہیئے۔ کہ فرشتوں کا تعلق مضبوط ہو رہا ہے۔ اور شیطان کا کم۔ اور کوئی دروازہ ہی اس کے لئے کھلا رہ گیا ہے۔ جب اس سے اوپر انسان ترقی کرتا ہے۔ تو پھر شیطانی حملہ سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ ان پانچوں ذریعوں سے پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ انسان بدی میں بڑھ رہا ہے یا نیکی میں ترقی کر رہا ہے۔

اب یہ سوال ہوتا ہے۔ کہ انسان کے اندر کونسی تحریک زیادہ زبردست ہے۔ آیا ملکی تحریک یا شیطانی۔ اور انسان کے لئے کونسے راستے زیادہ کھلے ہیں۔ ملائکہ کے رستے یا شیطان کے۔ اس سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ خدا نے انسانی ترقی کے زیادہ سامان رکھے ہیں یا گمراہی کے۔ صوفیاء سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے۔ کہ ان سے ٹیکنیکل یعنی اصطلاحی غلطی ہوئی ہے۔ حقیقی غلطی نہیں۔ اور وہ یہ کہ ایک چیز کا مفہوم سمجھنے میں انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ عام طور پر بالکہ سارے کے سارے لکھتے ہیں۔ کہ فرشتہ کا ایک ہی رستہ ہے۔ اور شیطان کے انسان کے اندر داخل ہونے کے کئی دروازے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے۔ اوّل تو قانون قدرت سے

یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے۔ پھر قرآن کریم کے رُو سے بھی غلط ہے۔ قانون قدرت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کے اندر خیالات بیرونی اثرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے دل میں چوری کا خیال اسی وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ کوئی چیز باہر دیکھتا ہے۔ اسی طرح اور باتوں کے متعلق ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن ذرائع سے انسان کے اندر بُرے خیالات کی تحریک جاتی ہے۔ انہی ذرائع سے نیکی کے خیالات کی تحریک بھی جاتی ہے۔ مثلاً جہاں دیکھنے سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ فلاں مال چُرا لیا جائے۔ وہاں دیکھنے سے ہی یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ فلاں غریب ہے اس کی مدد کی جائے۔ اسی طرح جہاں کان کے ذریعہ ایک بات سُن کر بُرا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ وہاں کان ہی کے ذریعہ نیک خیال بھی پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح چھونے۔ دیکھنے اور چکھنے سے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ ہر چیز ایسی ہے کہ بد طور پر بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔ اور نیک طور پر بھی۔ اس لئے جن ذرائع سے شیطان اندر داخل ہو سکتا ہے۔ انہی ذرائع سے فرشتے داخل ہو کر نیکی کی تحریک بھی کرتے ہیں۔

پھر قرآن کریم سے بھی یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے کہ شیطان کے گمراہ کرنے کے تو بہت سے راستے ہیں۔ لیکن ملائکہ کا ایک ہی راستہ ہے۔ ان کو دھوکہ اس آیت سے لگا ہے کہ:-

وَهٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ (۶-۱۵۴)

خدا تعالےٰ فرماتا ہے یہ میرا سیدھا رستہ ہے اس کی اتباع کرو۔ اور مختلف رستوں کی اتباع نہ کرو۔ وہ تمہیں کہیں کا کہیں پہنچا دیں گے۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ خدا کا ایک ہی رستہ ہے اور شیطان کے کئی رستے ہیں۔ مگر اس آیت کے معنے سمجھنے میں انہیں غلطی لگی ہے۔ اوّل تو قرآن کریم میں ہی خدا تعالےٰ نے بتایا ہے۔ کہ:-

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۲۹-۶۹)

کہ جو لوگ ہمارے رستہ میں کوشش کرتے ہیں۔ انہیں ہم مختلف رستے دکھاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ نیکی کے بھی مختلف رستے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو ایک رستہ اور کئی رستے بتائے گئے ہیں۔ اس سے یہ بات بتاتی ہے۔ کہ خدا تک پہنچنے کے لئے

کسی مذہب قبول کرنے کی ضرورت نہیں - صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے قبول کرنے سے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے - ہاں آگے اسلام نے روحانی ترقیوں کے بے تعداد رستے بتائے ہیں - تو اس آیت میں نفی اس بات کی کی گئی ہے کہ جس طرح شیطان نے گمراہ کرنے کے کئی رستے رکھے ہوئے ہیں - کہیں عیسائی بننے کی تحریک کرتا ہے - کہیں آریہ بننے کی - کہیں کوئی اور جھوٹا مذہب قبول کرنے کی - اس طرح خدا نے نہیں کیا - بلکہ خدا نے ایک مذہب رکھا ہے - ہاں وہ مذہب ایسا ہے جو کئی رستوں پر حاوی ہے ؎

اسی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے صوفیا نے غلطی کھائی ہے - اصل میں خدا تعالےٰ کی رحمت بہت وسیع ہے - شیطان کے گمراہ کن طریقوں سے - چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:- وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ - کہ میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے ؎

اب میں اس سوال کی طرف آتا ہوں - کہ اگر نیکی کی تحریک کے بھی زیادہ ذرائع ہیں - تو پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا میں شیطانی انسان زیادہ ہوتے ہیں - اور دوسرے کم - اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیطانی اثر ملائکہ کے اثرات کی نسبت زیادہ ہیں ؎

اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے - کہ شیطانی اور ملائکہ کی تحریکات کا مقابلہ اس طرح نہیں کرنا چاہیئے - کہ بُرے لوگ زیادہ ہوتے ہیں یا نیک - بلکہ اس طرح کرنا چاہیئے کہ ہر انسان کے اندر نیکی کی تحریک زیادہ ہوتی ہے یا بُرائی کی - اس بات کو دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے - کہ لوگوں کے اکثر کام نیکی پر زیادہ مشتمل ہوتے ہیں بہ نسبت بدی کے - اور بدی صرف اس لئے زیادہ نظر آتی ہے - کہ وہ گھناؤنی شے ہونے کے سبب نمایاں نظر آتی ہے - اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے - کہ ایک وقت سب لوگ جہنم سے نکل آئیں گے ؎

ایک شخص جو چوری کرتا ہے - اُسے بڑا بدمعاش اور بُرا انسان کہا جائے گا - مگر اور کئی عیب ہونگے - جو اس میں نہیں ہونگے - اور کئی اچھی باتیں ہونگی - جو اس میں پائی جاتی ہونگی گویا اس میں کئی نیکیاں ہونگی - اور چوری کرنا ایک برائی ہوگی - اور کوئی شخص ایسا نہ ہوگا - جس میں برائیاں زیادہ ہوں - اور ان کے مقابلہ میں نیکیاں کم ہوں - تو نیکی دنیا میں زیادہ ہوتی ہے - اور برائی کم - مگر چونکہ برائی پر ہر ایک کی نظر پڑتی ہے - اس لئے وہ نمایاں طور پر

نظر آجاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو۔ جس کا صرف ناک کٹا ہو اور باقی اعضاء بالکل درست ہوں۔ تو اس کے ناک پر ہی نظر پڑے گی۔ اور باقی اعضا کی خوبصورتی کوئی نہ دیکھیگا۔ تو نیکیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ لیکن لوگوں کی نظر برائی پر پڑتی ہے اس لئے اسی کو زیادہ نمایاں سمجھا جاتا ہے ؛

اب میں یہ بتاتا ہوں۔ کہ فرشتہ دل میں تحریک کس طرح کرتا ہے۔ اور اس کے تحریک کرنے کا کیا ذریعہ ہے۔ اس کی تحریک کرنے کے متعلق اپنے تجربہ سے اور خدا کے ان مقرب لوگوں کے تجربہ سے جنہیں علم دیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کوئی نیک کام کرتا ہے۔ تو ملک اس کے دل میں اس کام کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ اور جب کوئی انسان ارادہ کر لیتا ہے کہ میں نیکی کے اس رستہ پر چلوں گا۔ تو ملک ہر موقع کے آنے پر اسے اطلاع دیتا رہتا ہے۔ کہ موقع آگیا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ ملک انسان کو مجبور کرکے وہ کام کراتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ اُسے اطلاع دیتا رہتا ہے ؛

دوسرا ذریعہ ملک کے تحریک کرنے کا یہ ہے۔ کہ علم کی زیادتی کرتا رہتا ہے۔ اس سے انسان کو نیکی کرنے کی تحریکیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ کہ یہ بھی نیکی ہے۔ اسے کروں۔ یہ بھی نیکی ہے۔ اس کو عمل میں لے آؤں۔ مگر اصل منبع نیکی کا قلب ہی ہوتا ہے۔ اسی پر ملک روشنی اور پرتو ڈالتا ہے۔ اور اس کا کام ان تحریکوں پر چلاتا ہوتا ہے۔ یعنی ملائکہ خود انسان سے نیکی نہیں کراتے بلکہ نیکی کرانے کے لئے آسانی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک معزز شخص بہت سے لوگوں میں سے گذرے۔ اور وہ لوگ اس کو آگے سے رستہ دیتے جائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ لوگ اسے چلاتے ہیں۔ چلتا تو وہ خود ہے ہاں اسکے چلنے میں وہ لوگ آسانی پیدا کر دیتے ہیں۔ فرشتے بھی انسان کے لئے ایسے ذرائع پیدا کرتے ہیں کہ وہ بآسانی نیکی کر سکے ؛

اسی طرح شیطان یہ نہیں کرتا۔ کہ کسی سے جبراً کوئی برائی کراتا ہے۔ بلکہ جب کوئی شخص ایک برائی کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ تو شیطان اس کے سامنے دوسری رکھ دیتا ہے۔ اور جب دوسری کر لیتا ہے۔ تو تیسری۔ اسی طرح آگے آگے چلاتا جاتا ہے۔ مثلاً چلتے چلتے کسی کو خیال پیدا ہوا۔ کہ چوری کروں۔ اس خیال کے آنے پر شیطان نے اس کی توجہ

اس طرف پھرا دی۔ کہ فلاں شخص مالدار ہے۔ گویا شیطان کا اتنا ہی کام ہے۔ کہ مشورہ دے یہ نہیں کہ قلب پر قبضہ پالے۔ اس لیے جو نیکی یا بدی انسان کرتا ہے۔ وہ اس کا اپنا ہی فعل ہوتا ہے۔ ملک یا شیطان صرف تحریک کر دیتا ہے ؛

تیسرا ذریعہ یہ ہوتا ہے۔ کہ فرشتہ انسان کو ایسی جگہ لے جاتا ہے۔ جہاں نیکی کی تحریک پیدا ہو سکے۔ آگے اس تحریک کا حاصل کرنا انسان کے دل کا کام ہوتا ہے ؛

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب انسان کو ملائکہ یا شیطان کی طرف سے مدد آتی ہے۔ نیک باتیں فرشتہ سمجھاتا ہے۔ اور بُری باتیں شیطان۔ تو پھر برائی کرنے میں انسان کا گناہ کیا ہوا۔ مان لیا کہ برائی انسان نے کی۔ مگر شیطان نے بھی تو ہمیں امداد دی۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ شیطان کی تحریک پیدا ہونے پر انسان کو گناہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے دبانے اور اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں اسے ثواب ہوتا ہے۔ ہاں اگر اس پر عمل کرے تو پھر گناہ ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور آکر کہا میرے دل میں ایسے ایسے بُرے خیال آتے ہیں۔ کہ زبان کٹ جائے۔ انہیں بیان کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ فرمایا۔ یہی بات ہے جو نور ایمان ہے ؛

تو شیطانی تحریک جو ہے۔ وہ خود گناہ نہیں ہوتی۔ اگر انسان کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو۔ اور وہ اسے ترک کر دے۔ تو گناہ گار نہ ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے خدا تعالےٰ فرماتا ہے :- وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ تمہارے دل میں جو کچھ ہو۔ اور تم اُسے چھپا رکھو گے یا ظاہر کرو گے تب خدا حساب لے گا۔ اس میں بتایا ہے۔ کہ یہ نہیں کہ کوئی خیال پیدا ہونے پر سزا دی جائے گی۔ بلکہ بلکہ اگر اسے دل میں محفوظ رکھ چھوڑو گے یا پھیلاؤ گے۔ تو تمہارا محاسبہ ہوگا پس شیطانی تحریک کو ظلم نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ ایسی تحریک ہزار بار ہو۔ اگر انسان اُسے نہیں مانتا۔ تو گنہگار نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کو ثواب ہوتا رہے گا ؛

اب سوال ہے۔ کہ تحریک شیطان کی ہوتی کس طرح ہے۔ اور کس رنگ میں شیطان

تحریک کرتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جو انسان نیک ہوتا ہے۔ اور جس نے اپنے آپکو شیطان کے قبضہ میں نہیں دیا ہوتا۔ بلکہ اس کا تعلق ملائکہ سے ہی ہوتا ہے۔ اس کو شیطان نیک تحریکات کے ذریعہ ہی گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہاں جب وہ شیطان کے قبضہ میں چلا جاتا ہے۔ تب بُری تحریکوں کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے۔ اس کی تشریح میں آگے چل کر کروں گا۔ اس وقت اتنا بتاتا ہوں۔ کہ شیطان کے تحریک کرنے کی دو شاخیں ہوتی ہیں۔ ایک نیکی کی اور دوسری بدی کی۔ اس کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب شیطان بھی نیکی کی تحریک کرتا ہے۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے۔ کہ انسان اس کی تحریکوں سے بچے۔ ممکن ہے۔ انسان ایک نیک کام کرے۔ مگر شیطان اس سے کرا رہا ہو۔ جب بڑا کام ہو۔ تب تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ شیطانی ہے۔ لیکن یہ کیونکر معلوم ہو کہ ایک نیک کام بھی شیطان کی تحریک کے ماتحت ہو سکتا ہے۔ اس کے لیئے میں موازنہ کر کے بتاتا ہوں۔ کہ فرشتے اور شیطان کی تحریک میں کیا امتیازات ہوتے ہیں۔

اوّل یہ بات یاد رکھو۔ کہ فرشتے کی طرف سے وہی تحریک ہو گی۔ جس کا نتیجہ نیک ہو گا۔ بعض دفعہ ایک تحریک بظاہر نیک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ بد ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ نیک تحریک ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ بھی نیک ہوتا ہے۔ پس جب کسی تحریک پر عمل کرنے لگو۔ تو سوچ لو۔ کہ اس کا نتیجہ تو بد نہیں ہو گا۔ مثلاً نیکی کی تحریک ہوئی۔ کہ فلاں بھائی نماز نہیں پڑھتا۔ اس کو سمجھائیں۔ مگر جب سمجھانے لگے۔ تو اس کا طریق یہ اختیار کیا کہ جہاں بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔ وہاں اُسے کہہ دیا کہ تو نماز نہیں پڑھتا اس لئے منافق ہے۔ اس منافقت کو چھوڑ دے۔ یہ تحریک تو نیک تھی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ اتنے آدمیوں کے سامنے جو اسے اس طرح کہا جائے گا۔ تو وہ نماز کا ہی انکار کر دے گا۔ حضرت خلیفہ اوّل سُناتے تھے۔ کہ آپ کا ایک داماد وہابی تھا۔ آپ سے ملنے کے لئے ایک رئیس آیا۔ جس کا پاجامہ ٹخنے سے نیچے تھا۔ اس نے اس کے ٹخنے پر مسواک ماری۔ اور کہا۔ تو جہنمی ہے۔ کہ اس طرح پاجامہ پہنے ہوئے ہے۔ اس پر رئیس نے گالی دے کر کہا۔ میں خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ وہ کیا ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے اپنے داماد کو کہا

تو نے اچھی نصیحت کی ہے کہ اُسے کافر بنا دیا ؛

غرض ایک تحریک بظاہر نیک معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کا نتیجہ بد نکلتا ہے۔ یہ تحریک ملک کی طرف سے نہیں ہوتی۔ ملک وہی تحریک کرے گا۔ کہ جس کا نتیجہ بھی نیک ہی ہوگا۔ فرشتہ کی تحریک چونکہ خدا تعالےٰ کی تحریک کے ماتحت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بد نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔ پس کسی تحریک کے پیدا ہونے پر جہاں یہ دیکھ لو۔ کہ نیک ہے۔ وہاں یہ بھی دیکھ لو۔ کہ اس کا نتیجہ بھی نیک ہے یا نہیں۔ اگر نتیجہ بد ہو۔ تو سمجھ لو۔ کہ شیطان کی طرف سے ہے ملک کی طرف سے نہیں۔ ہاں اگر نتیجہ نیک ہو تو ملک کی طرف سے ہوگی ؛

دوسرا طریق شیطان اور ملک کی تحریک میں موازنہ کرنے کا یہ ہے۔ کہ فرشتے کی تحریک میں موازنہ ہوتا ہے۔ لیکن شیطان کی تحریک ایسی نہیں ہوتی۔ شیطان ایک نیکی کراتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے اس سے بڑی نیکی کو چھڑانا اس کے مدِ نظر ہوتا ہے۔ مثلاً نماز کی جماعت ہو رہی ہے۔ ادھر خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ نفل پڑھیں۔ اب اگر جماعت کے چھوٹ جانے کی پرواہ نہ کی جائے۔ اور نفل پڑھے جائیں۔ تو یہ شیطانی تحریک ہوگی کیونکہ بڑی نیکی کو چھوٹی نیکی کے لئے ترک کر دیا گیا۔ سر سید احمد صاحب کو جب کہا گیا کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ یہ کام بھی دین ہی کا ہے۔ جو میں کرتا ہوں۔ اُن کے کام کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ اس میں فنا ہو گئے ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کہ وہ اس کام کو بدی سمجھ کر کرتے تھے۔ نیکی سمجھ کر ہی کرتے تھے مگر چھوٹی نیکی پر انہوں نے بڑی کو قربان کر دیا۔ اس لئے یہ کام ان کا فرشتے کی تحریک سے نہیں کہلا سکتا ؛

غرض بعض دفعہ شیطانی تحریک بھی نیک ہی ہوتی ہے۔ مگر بڑی نیکی کو چھڑا کر چھوٹی نیکی کرائی جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اُن کے خاندان کی ایک عورت بہت ذکر اللہ کیا کرتی تھیں۔ اور ان کے ایک بھائی ان کو اس امر سے روکتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ نماز زیادہ پڑھا کرو۔ وہ جواب دیتیں کہ مجھے اس میں بہت لطف آتا ہے۔ اس پر وہ کہتے تھے۔ کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے آخر بڑھتے بڑھتے سُنتیں

اور پھر فرض شیطان چھڑوائے گا۔ کچھ مدت کے بعد بہن نے بھائی کو بتایا۔ کہ واقع میں اب ایسا ہونے لگا ہے۔ کہ سنتوں میں بھی مزا جاتا رہا ہے۔ آپ علاج بتائیں۔ انہوں نے ایک لاحول پڑھنے کے لئے کہا۔ آخران کو کشف میں ایک چادر نظر آیا۔ جس نے کہا۔ کہ میں شیطان ہوں۔ اگر تم لاحول نہ پڑھتیں۔ اور تمہارے بھائی تم کو نہ سمجھاتے۔ تو میں نے فرض بھی چھڑوا دینے تھے۔

غرض شیطان کی تحریک کبھی نیکی کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ لیکن اس میں قدر مراتب کا خیال نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے ہر قانون میں موازنہ ہوتا ہے۔ اور ہر بڑی چیز کے مقابلہ میں چھوٹی قربان ہوتی ہے۔ لیکن جہاں بڑی چیز چھوٹی کے لئے قربان ہونے لگے۔ وہاں سمجھ لو کہ یہ شیطانی تحریک ہے۔ یہ طریق وسوسہ کا بہت عام ہے۔ چنانچہ بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ تعلیم کے بغیر کوئی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے پہلے تعلیم ہونی چاہیئے۔ اور پھر تبلیغ کا کام شروع کرنا چاہیئے۔ اس لئے جتنا روپیہ جمع ہو سکے۔ وہ سب تعلیم پر خرچ کرنا چاہیئے۔ اس سوال کا جواب دینے والا یہ تو کہہ نہیں سکتا۔ کہ تعلیم اچھی نہیں۔ اس لئے اس کا انتظام نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے وہ بالعموم اس سوال سے متاثر ہو جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ ایک وسوسہ ہے۔ کیونکہ تعلیم بطور تزئین کے ہے۔ جو دین کے لئے ایک زائد چیز ہے۔ بے شک اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ لیکن سب کچھ اسی پر خرچ کر دینا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ دس آدمیوں کو زندہ رکھنے کے لئے کھانا تیار کرنے کا جو سامان ہو۔ اس سے ایک ہی آدمی کے لئے پلاؤ پکا لیا جائے۔ اور باقی سب کو بھوکا مرجانے دیا جائے۔ دس آدمیوں کو زندہ رکھنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک کو مکلّف کھانا کھلا دیا جائے۔ پس تعلیم پر سارا روپیہ اور ساری محنت خرچ کرنے کی نسبت یہ بہت ضروری ہے۔ کہ لوگوں کو روحانی زندگی حاصل کرانے کی کوشش کی جائے۔ اور اس بڑے کام کو چھوٹے کام کے لئے نہ چھوڑا جائے ورنہ اعلیٰ اور ادنیٰ کام میں موازنہ نہیں رہے گا۔ موازنہ کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت لطیف پیرائے میں اشارہ فرمایا ہے۔ آپؐ سے پوچھا گیا۔ کہ حرام اور حلال چیز کا کس طرح پتہ لگے۔ فرمایا:۔ الاثم ما حاك فی صدرك

اپنے دل سے پوچھ لینا چاہیئے۔ اگر ساری دنیا کے مولوی کہتے رہیں۔ کہ فلاں بات ناجائز ہے لیکن دل فتویٰ دے کہ جائز ہے۔ تو جائز ہوگی۔ یہ بات ان امور کے متعلق نہیں۔ جن کے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ شریعت نے کر دیا ہے۔ بلکہ ان کے متعلق ہے۔ جن کا کرنا بعض لحاظ سے نیکی معلوم ہو۔ اور بعض لحاظ سے بدی۔ اگر ایسی بات کے کرنے کو دل نہ مانے۔ تو نہ کی جائے۔ مثلاً ذکر ہے۔ اس کے متعلق اگر کسی مولوی سے پوچھا جائے گا۔ تو وہ کہے گا کہ اچھا ہے۔ مگر یہ کہ نفل پڑھنے اس کے لئے چھوڑ دیئے جائیں۔ یہ اس کے اپنے دل کی بات ہوگی۔ اس کا فیصلہ اس کا دل ہی کر سکے گا۔ یا مثلاً کوئی کہے۔ کیوں جی! کسی کی خاطر داری یا کسی کو تحفہ دینا کیسا ہے۔ ایک عالم یہی جواب دیگا۔ کہ اچھی بات ہے۔ لیکن اگر اس تحفہ کا مطلب وہ اپنے دل میں کسی کو رشوت اور ڈالی رکھ لے۔ تو گو اس کو فتویٰ مل گیا کہ جائز ہے لیکن اس کی جو نیت اس فتویٰ کے حاصل کرنے کے وقت تھی۔ اس کو اس کا دل ہی جانیگا اس وقت اسے اپنے دل کی بات کو ہی ماننا چاہیئے۔ جو کہ کہہ رہا ہوگا کہ یہ ناجائز ہے۔ فتویٰ کو نہیں ماننا چاہیئے۔

تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خواہ کوئی فتویٰ دے دے کہ فلاں بات کر لو۔ لیکن اگر اپنے دل میں اس کا کوئی بد پہلو پیدا ہو۔ تو اسے نہیں کرنا چاہیئے اور چھوڑ دینا چاہیئے۔

ملکی اور شیطانی تحریک میں تیسرا فرق یہ ہے۔ کہ ملک کی تحریک میں ترتیب ہوتی ہے وہ درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے بچہ کو ماں پہلے اٹھا کر چلتی ہے۔ پھر اسے پکڑ کر چلاتی ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ بچہ چلنا سیکھ جاتا ہے لیکن شیطانی تحریک کی یہ مثال ہوگی۔ جس طرح دشمن بچہ کو اٹھا کر پھینک دے۔ یا پھر ملکی اور شیطانی تحریک کی مثال یہ ہے۔ کہ جو استاد لڑکے کا خیر خواہ ہوگا۔ وہ تو اسے پہلے الف۔ بے شروع کرائے گا اور پھر آہستہ آہستہ ترقی کراتا جائیگا۔ لیکن اگر دشمن استاد ہوگا۔ تو پہلے ہی ایسا مشکل سبق پڑھائے گا۔ کہ لڑکا اکتا کر بھاگ جائیگا۔ تو ملکی تحریک درجہ بدرجہ ہوگی۔ یکدم کسی بات کا بوجھ انسان پر نہیں آپڑے گا۔ اور کسی امر میں جلدی نہیں کرائی جائیگی۔

لیکن جب ایسا نہ ہو۔ یکلخت کوئی بوجھ پڑتا ہو۔ اور جلدی کی تحریک ہو۔ تو سمجھ لینا چاہئیے کہ یہ ملکی نہیں۔ بلکہ شیطانی تحریک ہے۔ مثلاً شیطان اس طرح تحریک کرے گا۔ کہ آج ہی ولی بن جاؤ۔ اور اس کے لئے سارا دن نماز پڑھو اور تمام سال روزے رکھو لیکن اگر کوئی اس پر عمل کریگا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ اُکتا ہو کر اور بددل ہو کر نماز اور روزہ کو بالکل ہی چھوڑ دیگا یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہُوا۔ کہ بعض لوگ ساری رات تہجد پڑھتے رہتے۔ اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ تو آپؐ نے اس کو پسند نہ کیا۔ اور فرمایا۔ یہ نیکی نہیں ہے۔ اس طرح تم دوسروں کے حقوق جو تم پر ہیں۔ مارتے ہو۔ نیکی یہی ہے کہ انسان تدریجی کام کرے۔ پہلے ایک قدم اٹھائے۔ پھر دوسرا اور پھر تیسرا۔ یہ ملکی تحریک کی علامت ہوتی ہے۔ اور شیطانی تحریک یکدم ایک کام کرانا چاہتی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو پہلے کچھ بھی دین کے لئے چندہ نہیں دیتا۔ اسے تحریک ہو کہ میں اگلے مہینے سارا مال چندہ میں دے دوں گا۔ تو چونکہ یہ اس کی حقیقی خواہش نہ ہوگی۔ اس لئے جب دیدیگا۔ تو پھر اس کو ملال پیدا ہوگا۔ اور جب ملال پیدا ہوگا۔ تو اس پر شیطان کا قبضہ ہو جائے گا۔ جو اُسے بالکل گمراہ کر دے گا۔

پس شیطانی تحریک کی یہ صورت ہوگی۔ کہ وہ عجلت کی طرف لے جائے گا۔ اور یکدم بہت زیادہ بوجھ رکھ دے گا۔ پہلے تو یہ تحریک کریگا کہ آج ہی تو خدا سے مل جا۔ جب یہ بات حاصل نہ ہوگی۔ تو انسان کے دل میں مایوسی پیدا کر دے گا۔ کئی لوگ ہوتے ہیں جو ہفتہ بھر نمازیں پڑھ کے کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہمیں تو خدا نہیں ملا۔ اور بہت ایسے ہوتے ہیں۔ جو چند دن نمازیں پڑھ کے خواہش کرتے ہیں۔ کہ رسول کریمؐ انہیں ملیں۔ حالانکہ یہ سب شیطانی وسوسے ہوتے ہیں۔ جب انسان خدا تعالےٰ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے قابل بن جائے گا۔ تب دیکھ سکے گا۔ ورنہ کس طرح دیکھ لے۔ تو اس قسم کی عجلت شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جب انسان کو وہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ جس کی اسے امید ہوتی ہے۔ تو مایوس ہو جاتا ہے۔ اور پھر بالکل چھوڑ چھاڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔

چوتھا فرق یہ ہوتا ہے۔ کہ کوئی ایسا امر جس میں مُشتبہ باتیں بھی ہوں۔ یعنی جن کے متعلق خیال ہو۔ کہ ممکن ہے اچھی ہوں۔ اور ممکن ہے بُری ہوں۔ اس کے متعلق جب ملائکہ کی طرف سے تحریک ہوگی۔ تو اس طرح ہوگی۔ کہ مشتبہ باتوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور ان کو عمل میں نہ لایا جائے۔ لیکن شیطانی تحریک اس طرح ہوگی۔ کہ ان کے کرنے میں حرج کیا ہے۔ کر لی جائیں۔ اس طرح اُن پر وہ عمل کرا لیتا ہے۔ اور جب ان پر عمل کرا لیتا ہے۔ تو اس کو مقام قرار دے دیتا ہے۔ اور اس سے اگلی باتوں کو حد ٹھہرا دیتا ہے۔ پھر اس سے آگے چلاتا ہے۔ اور حد پہ عمل کرا کر اُسے مقام بنا دیتا ہے۔ اسی طرح آگے ہی آگے چلاتا جاتا ہے۔ اور بڑی بڑی بدیاں کرا لیتا ہے ؛

پھر ایک اور بھی فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ ملکی تحریک وہ ہوتی ہے۔ کہ جس میں انسان جب مشغول ہو تو اس میں ترقی دی جاتی ہے۔ مثلاً نماز میں مشغول ہو۔ تو اور عمدگی سے پڑھنے کی تحریک ہوگی۔ مگر شیطانی تحریک یہ ہوگی۔ کہ جس میں انسان مشغول ہوگا۔ وہ چھڑا کر دوسری پہ عمل کرایا جائے گا۔ غرض اس سے شیطان کی یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ ایک شخص نیکی کا کام کر رہا ہے۔ یہ تو اس سے چھڑا دو۔ اور جب اس کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرے گا۔ تو پھر اس کو دیکھا جائے گا ؛

چھٹا فرق یہ ہوتا ہے۔ کہ شیطانی تحریک کبھی اس قسم کی ہوتی ہے۔ کہ انسان پر دوسرے کے عیبوں اور نقصوں کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ مگر ملک کی تحریک والا شخص دوسرے کے متعلق نیک ہی خیال کرے گا۔ کیونکہ ملائکہ کی طرف سے حُسن ظنی کا ہی خیال ڈالا جاتا ہے۔ مگر شیطانی تحریک میں لوگوں کے عیب ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور اس طرح یہ خیال پیدا کیا جاتا ہے۔ کہ فلاں میں یہ عیب ہے۔ فلاں میں یہ عیب ہے۔ لیکن میں بڑا ولی ہوں عیسائیوں کی طرح کہ وہ کہتے ہیں کہ ابراہیم۔ موسٰے۔ داؤد۔ غرضکہ سب نبی گنہگار تھے اس لئے مسیح کا درجہ ان سب سے بڑا ہے۔ مگر یہ ایسی ہی مثال ہے۔ جس طرح کوئی کہے کہ فلاں فلاں جو مُردہ پڑے ہیں۔ میں ان کی نسبت زیادہ طاقتور ہوں۔ ایسا ہی خیال شیطان پیدا کرتا ہے۔ کہ لوگوں کو حقارت سے انسان کی نظر میں گرا کر اُسے یہ خیال پیدا

کہہ دیتا ہے۔ کہ میں بہت بڑا ہوں اور اسطرح عُجب اور تکبر پیدا کرکے اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔
کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ نیکیوں میں موازنہ کا فرق نہیں ہوتا۔ یعنی کبھی تو یہ ہوتا ہے۔ کہ بڑی نیکی کو چھوٹی نیکی کے لئے قربان کرا دیتا ہے۔ مگر کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ نیکیاں تو ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ لیکن وہ ایک ہی کی طرف رکھتا ہے۔ اور دوسری نیکی کو بالکل چھڑا دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص جو تبلیغ کرتا ہے۔ اُسے شیطان تحریک کرے گا۔ کہ چندہ دینے کی تمہیں کیا ضرورت ہے ایک کام جو کرتے ہو۔ یا جو چندہ دے گا اُسے کہے گا۔ تبلیغ کرنا ضروری نہیں۔ چندہ جو دے دیتے ہو۔ مگر فرشتہ یہی کہتا ہے کہ تبلیغ کرنا بھی نیکی ہے اسے بھی کرو۔ اور چندہ دینا بھی نیکی ہے۔ اسے بھی بجا لاؤ۔

آٹھویں بات یہ ہوتی ہے۔ جو بڑی خطرناک ہے۔ کہ جب انسان کوئی نیکی کرنے لگتا ہے۔ اور ایسا انسان ادنیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا نہیں ہوتا۔ تو شیطان اس کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیتا ہے کہ لوگ کہیں گے۔ یہ ریا کے طور پر کرتا ہے۔ اس لئے کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ مثلاً ایسا شخص جب مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانے لگے گا۔ تو شیطان اس کے دل میں ڈال دیگا۔ کہ لوگ تجھے دیکھیں گے اور کہیں گے یہ بھی نمازی ہے۔ اور اس طرح ریا ہو جائے گا۔ اس لئے مسجد میں جانا ہی نہیں چاہیئے۔ اس طرح شیطان نماز باجماعت سے روک دیگا۔ لیکن ملائکہ کی طرف سے جو تحریک ہوتی ہے۔ اس میں شریعت کے ادب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ایسی شیطانی تحریکوں پر مومن کو چاہیئے۔ کہ اپنے نفس سے کہے۔ کہ چاہے لوگ کچھ کہیں۔ میں تو شریعت کے حکم کو ضرور بجا لاؤں گا۔ اور اس قسم کی باتوں کی کوئی پرواہ نہ کرے اور خدا تعالیٰ کا جو حکم ہو۔ اُسے بجا لائے۔

ان صورتوں میں یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ مومن کا طریق یہی ہے کہ وہ ایسی تمام صورتوں میں یہ احتیاط کر لیا کرے۔ کہ جس نیکی میں دیکھے۔ کہ اس کی توجہ نہیں پیدا ہوتی۔ اس کی وجہ شیطانی تحریک سمجھے۔ اور ایسی بات پر اور زیادہ زور دے۔ مثلاً چندہ دیتا ہے لیکن تبلیغ نہیں کرتا۔ اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ تبلیغ کرنا ضروری نہیں تو تبلیغ پر زیادہ زور دے۔ جس طرح لڑکے جس مضمون میں کمزور ہوتے ہیں۔ اسی پر زیادہ زور دیتے ہیں اسی طرح

تم بھی جس نیکی میں کمزوری پاؤ۔ اس پر زیادہ زور دو۔ اور جو کمی اس میں ہو۔ اس کو پورا کرو ٭

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ تحریک شیطانی سے بچنے کا کیا طریق ہے :۔

جب شیطان کسی نیکی کی تحریک کرے اور غرض اس کی یہ ہو کہ کسی بڑی نیکی کو چھڑا کر بدی کرائے۔ تو ایسے موقع پر موازنہ کر لینا چاہیئے۔ اور جس نیکی سے شیطان باز رکھنا چاہے۔ وہ بھی کر لی جائے۔ اور جو نیکی کرائے۔ وہ بھی کر لینی چاہیئے۔ مثلاً ذکر کرنے میں انسان کمزور ہے۔ اس کے متعلق شیطان نے تحریک کی۔ تو یہ بھی کرے۔ اور ساتھ ہی فرائض میں بھی کمی نہ آنے دے۔ ان کو بھی پورا کرے۔ اس طرح شیطان اس سے مایوس ہو جائے گا۔ اور پھر اس قسم کی تحریک کرنے کی جرأت نہیں کریگا ٭

حضرت مسیح موعود سنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ کی صبح کے وقت آنکھ نہ کھلی۔ اور جب کھلی۔ تو دیکھا۔ کہ نماز کا وقت گذر گیا ہے۔ اس پر وہ سارا دن روتے رہے۔ دوسرے دن انہوں نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک آدمی آیا ہے۔ اور نماز کے لئے اٹھاتا ہے انہوں نے پوچھا۔ تو کون ہے۔ اس نے کہا کہ میں شیطان ہوں۔ جو تمہیں نماز کے لئے اٹھانے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا تجھے نماز کے لئے اٹھانے سے کیا تعلق؟ یہ بات کیا ہے۔ اس نے کہا کل جو میں نے تمہیں سوتے رہنے کی تحریک کی۔ اور تم سوتے رہے۔ اور نماز نہ پڑھ سکے اس پر تم سارا دن روتے رہے۔ خدا نے کہا اسے نماز باجماعت پڑھنے سے کئی گنا بڑھ کر ثواب دیا دو مجھے اس بات کا صدمہ ہوا۔ کہ نماز سے محروم رکھنے پر تمہیں اور زیادہ ثواب مل گیا۔ آج میں اس لئے جگانے آیا ہوں۔ کہ آج کہیں تم زیادہ ثواب نہ حاصل کر لو ٭

تو شیطان تب پیچھا چھوڑتا ہے۔ جب کہ انسان اس کی بات کا توڑ کرتا رہے۔ اس سے وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ اور چلا جاتا ہے۔ اور یہ بات اسلام سے ثابت ہے کہ شیطان مایوس ہو جاتا ہے ٭

٭٭ شاید کسی کے دل میں یہ شبہ گذرے۔ کہ ملائکہ تو خدا تعالٰے سے فیضان حاصل کر کے انسان کو پہنچاتے ہیں۔ شیطان کس سے فیضان حاصل کرتا ہے اور پھر اس کا اثر لوگوں پر ڈالتا ہے۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ شیطان کی تحریک کو انسان نیکی کے رنگ میں استعمال کر سکتا ہے اور وہ نیکی کے رنگ میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ شیطان کے دو قسم کے اثر ہوتے ہیں ۔ ایک عام اثرات جیسے بدخیال پیدا کرنا جن کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے ۔ ایسے خیالات کے اثر ہم میں سے ہر شخص پر حتیٰ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی پڑیں گے ۔ یہ اور بات ہے کہ آگے کوئی انہیں قبول کرے یا رد کرے لیکن پڑیں گے ضرور ۔

دوسرے خاص اثرات ہوتے ہیں ۔ جو انہی لوگوں پر پڑتے ہیں ۔ جو شیطان سے محفوظ نہیں ہوتے ۔ یا اس کے زیر اثر ہو چکے ہوتے ہیں ۔

ان دونوں قسم کے اثرات کو جو شخص قبول کر لیتا ہے ۔ وہ محفوظ نہیں ہوتا ۔ اور جو قبول نہیں کرتا ۔ وہ ان سے فائدہ اٹھا لیتا ہے ۔ شیطان بد اثر ڈالتا ہے ۔ لیکن وہ اُسے نیک بنا لیتا ہے ۔ اور بجائے شیطان سے بدی کی تعلیم حاصل کرنے کے اس سے نیک کام لے لیتا ہے ۔ اس کا طریق یہ ہے کہ شیطان کا حملہ جذبات کے ذریعہ ہوتا ہے ۔ شیطان ان کو ابھار دیتا ہے ۔ اور وہ بدی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ لیکن اگر انسان ارادہ کی قوت کو بڑھا لے ۔ تو جتنی قوت ارادی بڑھ جائے گی ۔ اتنا ہی زیادہ وہ نیکی میں بڑھ جائے گا ۔ جب قوت ارادی کم ہو ۔ تب ہی انسان پر شیطانی تحریک کا اثر ہوتا ہے مثلاً نا جائز طور پر شہوت پیدا ہوتی ہے ۔ یا مال کی محبت پیدا ہوتی ہے ۔ اب اگر قوت ارادی کم ہو گی ۔ تو ان جذبات کو انسان غلط طور پر استعمال کرے گا ۔ لیکن اگر قوت ارادی زیادہ ہو گی ۔ تو ان کو اپنی جگہ اور محل پر عمدہ طریق سے

بقیہ حاشیہ :- سو اس کا جواب یہ ہے کہ ... ... دوسروں کو دینے والے کے لئے ذخیرہ اور خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ چھیننے والے کو کسی ذخیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ شیطان کا کام چونکہ کسی کو کچھ دینا نہیں ۔ بلکہ چھیننا ہے اس لئے اُسے ذخیرہ اور خزانہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور نہ وہ کسی سے فیضان حاصل کرتا ہے ۔

استعمال کرے گا ۔ تو قوت ارادی کے بڑھانے سے انسان شیطان کی بُری تحریکوں سے بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے ۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ۔ مَیں ایسا ہی کرتا ہوں ÷

ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ۔ تم میں سے ایک بھی ایسا نہیں ۔ جس کے لئے شیطان مقرر نہیں ۔ صحابہ نے پوچھا ۔ کیا آپ بھی ۔ آپ تو محفوظ ہونگے ۔ فرمایا ۔ ہاں میں بھی ایسا ہی ہوں ۔ مگر مجھے خدا نے طاقت دی ہے ۔ اور میں شیطان پر غالب آگیا ہوں ۔ جب مجھے وہ کوئی تعلیم دیتا ہے ۔ تو نیکی کی ہی دیتا ہے ۔ بُرائی کی نہیں دیتا ÷

اس حدیث کے یہ معنی نہیں ۔ کہ ایک ایک شیطان ہر انسان کے لئے مقرر ہے ۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا شیطان نیکی کی تحریک کرتا تھا ۔ اگر وہ الگ وجود تھا ۔ اور اس نے بدی کی تحریک چھوڑ کر نیکی کی تحریک شروع کر دی تھی ۔ تو پھر وہ شیطان کس طرح رہا ۔ پھر تو وہ فرشتہ ہوگیا ۔ اگر کہو کہ وہ پہلے شیطان تھا ۔ لیکن جب نیکی کی تحریک کرنے لگا ۔ تو فرشتہ ہوگیا ۔ تو یہ بھی درست نہیں ۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی نیکی کی تحریک کرنے کا ذکر کرتے وقت بھی اسے شیطان ہی کہا ہے اگر اس کا یہ جواب دیا جائے ۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام شیطان اس کی پہلی حالت کی وجہ سے رکھا ہے ۔ تو اس کا جواب یہ ہے ۔ کہ اگر اس نے شیطنت کو چھوڑ دیا تھا ۔ تو یہ عظیم الشان اثر تو اس کے اندر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہُوا ۔ چنانچہ آپؐ خود فرماتے ہیں ۔ کہ سلّطنی ۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے اس پر تسلط دے دیا ۔ پس اس کا اسلام تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا ۔ پھر اس کو یہ درجہ کہاں سے ملا ۔ کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں نیک تحریکیں کرنے لگا حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ مجھے نیک تحریکیں کرتا ہے ÷

پس یہ معنے اس کے بالبداہت غلط ہیں ۔ اور اس کے اور ہی معنے ہیں ۔ جو یہ ہیں ۔ کہ وہ عام اثرات شیطان کے جو ہر ایک انسان پر پڑ رہے ہیں ۔ اور جن سے کوئی بھی محفوظ

نہیں رہ سکتا۔ ان کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب شیطان کا کوئی ایسا اثر مجھ پر آکر پڑتا ہے۔ تو وہ نیکی ہوجاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے گندہ پانی جب فلٹر میں سے گذرتا ہے۔ تو صاف ہوجاتا ہے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر جو بُرا اثر پڑتا۔ وہ آپ کے ذریعہ نیک ہوجاتا۔ یا اس کی مثال گنے پیلنے والے بیلنے کی ہے۔ کہ جب اس میں گنا رکھا جاتا ہے۔ تو رس ایک طرف نکل آتی ہے۔ اور چھلکا دوسری طرف گر پڑتا ہے۔ اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی ایسی بات پڑتی۔ جو پاک نہ ہوتی۔ اس کی ناپاکی علیحدہ ہوجاتی۔ اور باقی پاک رہ جاتی۔ اور اسی کا نام آپؐ نے یہ رکھا ہے کہ میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے۔ غرض شیطانی تحریکوں کو بھی نیک استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اَب میں آخری بات بتاتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ فرشتہ کی تحریک کو بڑھایا کس طرح جاسکتا ہے۔ اس کے لئے دیکھنا چاہیئے۔ کہ قانون قدرت میں ہر ایک چیز کے بڑھانے کا اصل قاعدہ کیا ہے۔ ادنیٰ تدبر سے معلوم ہوگا۔ کہ وہ قاعدہ یہی ہے کہ اسے عمدگی سے استعمال کیا جائے۔ دیکھو جو لوگ ابتدا میں ذرا ذرا سنکھیا کھانا شروع کرتے ہیں۔ آخر تولہ تولہ کھا کر ہضم کر لیتے ہیں۔ کوئی دوسرا اگر تھوڑا سا بھی سنکھیا کھالے۔ تو اس کی جان نکل جائے مگر وہ چونکہ بڑھاتے بڑھاتے اپنی عادت بنا لیتے ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اسی طرح جسم کی طاقت ہے۔ جو لوگ ہاتھوں سے زور کا کام کرتے ہیں ان کے ہاتھ موٹے اور مضبوط ہوجاتے ہیں۔ جو لوگ زیادہ کھانے کی عادت ڈالتے ہیں وہ چار چار پانچ پانچ آدمیوں کی خوراک اکیلے کھا جاتے ہیں۔ تو جتنا کسی چیز کا زیادہ استعمال کیا جائے۔ اتنی ہی وہ زیادہ بڑھتی ہے۔ یہی حال فرشتے کی تحریک کا ہوتا ہے جتنی اس کی تحریک انسان زیادہ قبول کرتا جائے۔ اور اس کو استعمال میں لائے اتنی ہی زیادہ فرشتے کی تحریک زیادہ جذب کی جاسکتی ہے۔ . . . .

. . . .

. . . .

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جسمانی امور میں تو یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی آدمی زیادہ کھائے گا۔ تو چار پانچ یا زیادہ سے زیادہ آٹھ دس آدمیوں کی خوراک کھائے گا۔ سو یا ہزار آدمی کی خوراک نہیں کھائے گا۔ کیا اسی طرح فرشتوں کی تحریک کے متعلق بھی کوئی حد مقرر ہے۔ کہ اس سے زیادہ انسان قبول نہیں کر سکتا؟

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ مقابلہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کا جسم چند روز کے لئے ہے۔ اور جسم اور رُوح کا مقابلہ دلالت بالاولیٰ کے طور پر ہے۔ نہ کہ کلی طور پر۔ جسم چونکہ تھوڑے عرصہ کے لئے ہے۔ اس لئے اس کی قوتیں محدود ہیں۔ مگر رُوح چونکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس لئے اس کی طاقتیں بھی غیر محدود ہیں۔ اور رُوح کو خدا تعالےٰ نے ایسا بنایا ہے۔ کہ جتنا کوئی اُسے بڑھائے۔ بڑھتا جاتا ہے۔ اور جتنی انسان ترقی کرنا چاہے۔ اتنی ہی کر سکتا ہے؟

پس روحانی طاقت نے چونکہ ہمیشہ کام آنا ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اس کے بڑھانے کے غیر محدود ذرائع دیئے ہیں۔ اور جسمانی طاقت چونکہ ختم ہونے والی ہے کیونکہ جسم کے ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی طاقتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ اِسلئے اُن کے بڑھانے کے محدود ذرائع رکھے گئے ہیں؟

اس کا ثبوت ہم خدا تعالےٰ کی پیدائش سے دیتے ہیں۔ یہ ثابت شدہ بات ہے۔ کہ تمام جسمانی طاقتیں ایسی ہیں۔ جو محدود ہیں۔ ایک حد تک بڑھ سکتی ہیں۔ اور اس سے آگے نہیں جا سکتیں۔ مثلاً معدہ ہے۔ یہ ایک حد تک بڑھے گا۔ اس سے آگے نہیں۔ اسی طرح سینہ ہے۔ یہ بھی ایک حد تک بڑھے گا۔ اسی طرح سر ہے۔ اسکے بڑھنے کی بھی ایک حد ہے۔ یہ نہیں کہ بڑھتے بڑھتے مٹکے کے برابر ہو جائے۔ یا قد ہے۔ چھ یا سات یا زیادہ سے زیادہ نو فٹ تک ہو جائے گا۔ مگر بیس پچیس فٹ تک نہیں جا سکے گا۔ تو جس قدر جسمانی چیزیں ہیں۔ انکی حد مقرر ہے۔ لیکن وہ قوتیں جو روحانیات سے تعلق رکھتی ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ مثلاً دماغ میں باتوں کو محفوظ رکھنے کے ذرات ہیں ان کو جتنا

بڑھاؤ بڑھتے جاتے ہیں۔ اور خواہ کوئی کتنا بڑا عالم ہو جائے۔ اس کے یہ ذرات ختم نہیں ہو جائیں گے۔ اور یہ طاقت بڑھتی جائے گی۔ کیونکہ یہ روحانیت سے تعلق رکھتی ہے۔

اور جسم اور رُوح کا واسطہ دماغ ہی ہے۔ مگر معدہ وغیرہ کے لئے یہ بات نہیں ہے۔ تو فرشتوں کی تحریک سے انسان جتنا زیادہ کام لیگا۔ وہ اتنی ہی زیادہ بڑھتی جائیں گی ؛

دوسری بات جو قرآن کریم سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ ایک عام قاعدہ ہے۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ع کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ جو ہم جنس ہو جاتے ہیں۔ اُن کا آپس میں تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس قاعدہ کے ماتحت جو لوگ ملائکہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے ملائکہ کے فیوض بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ ملائکہ کی صفت خدا تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۶۶-۶) وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ جو حکم بھی انہیں ملتا ہے۔ اُسے بجا لاتے ہیں۔ جب کوئی شخص اسی صفت کو اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ ملائکہ کا تعلق ہو جاتا ہے ؛

کوئی کہے کہ یہ تو بڑے لوگوں کا کام ہے۔ چھوٹے درجہ کے لوگ کیا کریں۔ لیکن ایسے لوگوں کے لئے بھی کچھ ذرائع ہیں۔ ان ذرائع کو بیان کرتے ہوئے میں سب سے پہلے اس ذریعہ کو لیتا ہوں۔ جو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے :-

پہلا ذریعہ جو حضرت صاحب نے فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جس انسان پر جبرائیلؑ نازل ہو۔ اس کے پاس بیٹھنے سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی آنکھوں سے اس کے ہاتھوں سے۔ اس کے ناک سے۔ اس کے مُنہ سے۔ غرضکہ اس کے جسم کے ہر ذرے سے ایسی نورانی شعاعیں نکلتی ہیں۔ جو قلوب پر اثر کرتی ہیں۔ اور اس طرح ملک انسان پر بالواسطہ نازل ہوتا رہتا ہے۔ قرآن کریم سے اس کے متعلق اس طرح استدلال ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ صادقوں کے ساتھ مل جاؤ۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ صادقوں سے ایسا تعلق پیدا کرو۔ کہ جبرائیل کا جو اثر ان پر ہوتا ہے۔ اس سے تمہیں بھی سہارا مل جائے۔ ایک گرے ہوئے کے اٹھانے کا کیا ذریعہ ہے۔ یہی کہ وہ دوسرے کو پکڑ کر اور اس کا سہارا لے کر کھڑا

ہو جائے - ایسا ہی جبرائیلؑ جس پر نازل ہوتا ہو - اس کا سہارا لے کر ایسے لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں ؛

دوسرا ذریعہ یہ ہے - کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجے - اور یہ بھی قرآن سے معلوم ہوتا ہے - چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے :- اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥ (۳۳ - ۵۶) اللہ اور اس کے ملائکہ اس نبیؐ پر ہر وقت برکتیں بھیج رہے ہیں - اور جب وہ برکتیں بھیجتے ہیں - تو مومنو تمہارا بھی یہ کام ہے کہ تم بھی برکتیں بھیجو ؛

اس کے متعلق سوال ہو سکتا ہے - کہ یہ بات بیشک مانی کہ اس آیت میں رسول کریمؐ پر درود بھیجنے کا حکم ہے - مگر یہ کس طرح معلوم ہوا ہے - کہ اس کے نتیجہ میں ملائکہ سے تعلق ہو جاتا ہے - اس کا ثبوت قرآن سے ہی ملتا ہے - خدا تعالے فرماتا ہے :- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ٥ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۳۳ - ۴۱)

اے مومنو! اللہ کا کثرت سے ذکر کرو - اور صبح شام تسبیح کرو - وہ خدا ہی ہے - اور اس کے ملائکہ جو تم پر درود بھیجتے ہیں - تاکہ تم کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جاویں ایک جگہ تو یہ حکم دیا - کہ چونکہ خدا اور ملائکہ اس نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں - اس لئے تم بھی بھیجو - اور دوسری جگہ یہ فرمایا - کہ خدا اور ملائکہ تم پر درود بھیجتے ہیں - پہلی آیت کے مطابق یہاں بھی یہ چاہیئے تھا - کہ چونکہ خدا اور ملائکہ تم پر درود بھیجتے ہیں - اس لئے تم بھی ایک دوسرے پر درود بھیجو - لیکن یہ نہیں کہا گیا - اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ پہلی بات مستقل حکم کا رنگ رکھتی تھی - یعنے چونکہ خدا اور ملائکہ اس رسول پر درود بھیجتے ہیں - اس لئے تم بھی بھیجو - اور دوسری آیتہ میں اس فعل کی جزا بتائی - کہ چونکہ تم نے اس حکم کی تعمیل کی - اس لئے اس کی جزا میں خدا اور رسول ان پر بھیجنے لگ گئے - گویا وہاں تو رسول کریمؐ کے درجہ کی وجہ سے درود کا حکم دیا گیا تھا - اور یہاں اس کی جزا کا بیان کیا گیا ہے - اور چونکہ جزا کے بدلے میں پھر اور حکم نہیں دیا جاتا اس لئے آگے یہ نہیں فرمایا کہ تم دوسرے بندوں پر بھی درود بھیجو

مثلاً جب ہم روپیہ دے کر کپڑا خریدیں۔ تو کپڑا دینے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو کپڑا دیا ہے۔ اس کا تم نے کوئی بدلہ نہیں دیا۔ تو پہلی آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ چونکہ خدا اور ملائکہ اس رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ اس لئے تم بھی بھیجو۔ مگر مومنوں کے لئے یہی فرمایا کہ ہم اور ملائکہ ان پر درود بھیجتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ نہیں فرمایا۔ کہ تم بھی اپنے بھائیوں پر درود بھیجو *

غرض اس آیت سے ثابت ہوگیا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے ملائکہ کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے۔ پس جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں گے ان کی ملائکہ سے ایک نسبت ہو جائے گی۔ اور اس طرح ان سے تعلق ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صلحا نے رسول کریمؐ پر درود بھیجنے کو بڑا اعلیٰ عمل قرار دیا ہے اور رسول کریمؐ نے فرمایا ہے۔ کہ وہ دعا جس میں خدا کی حمد اور ... مجھ پر درود نہ ہو وہ دعا قبول نہیں ہوگی۔ اس کا یہی مطلب ہے۔ کہ جس دعا میں خدا تعالیٰ کی حمد اور رسول کریمؐ پر درود ہوگا۔ وہ زیادہ قبول ہوگی *

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ دنیا میں جو چیزیں ایک طرح کی ہوتی ہیں۔ ان کا آپس میں بہت تعلق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :- لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ٥ (١٧-٩٧) اگر دنیا میں ملائکہ ہوتے۔ تو ہم بھی فرشتے رسول بنا کر نازل کرتے۔ گویا خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر لوگ ترقی کرتے کرتے ملائکہ ہو جاتے۔ تو ہم ان پر ملائکہ ہی نازل کرتے۔ یعنی ملائکہ جیسے ہونے سے وہ نازل ہوتے ہیں *

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ انسان ملائکہ جیسا کس طرح ہوتا ہے :-

(تیسرا طریق) اول طریق ملائکہ سے مشابہت حاصل کرنے کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے نبیوں کا پیغام دنیا کو پہنچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے :- فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ٥ (١٥-٢٩) یعنی اے فرشتو جب میں انسان کو پیدا کروں۔ اور پھر وہ اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ اور میں اس پر اپنا کلام نازل کروں۔ تو تم اس کے کام میں ہر طرح مدد کرو۔ اور اسکی پوری طرح فرماں برداری کرو۔ گویا نبی کے ساتھ

ہونا اور اس کے مشن کی تبلیغ کرنا ملائکہ کا کام ہے۔ اب جو شخص نبی کے ساتھ ہو جائے گا۔ اور تبلیغ کرے گا۔ وہ چونکہ ملائکہ جیسا کام کرے گا۔ اس لئے انہی کی طرح کا ہو جائے گا۔ اور جب وہ ایسا ہو جائیگا۔ تو ملائکہ اس سے انس کرنے لگیں گے۔ اور اس سے تعلق پیدا کر لیں گے ؛

(چوتھا طریق)۔ کہ وہ بھی ملائکہ سے مشابہت پیدا کرنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ توحید کی اشاعت کی جائے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ملائکہ کے متعلق فرماتا ہے کہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۳ - ۱۶) اللہ کی توحید کی خدا بھی گواہی دیتا ہے اور ملائکہ بھی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ خدا کی توحید کی اشاعت کرنا بھی ملائکہ کا کام ہے اور جو اس کام کو کرتے ہیں وہ بھی ان سے برکت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ہم تو یہاں تک دیکھتے ہیں۔ کہ جو لوگ جھوٹے طور پر خدا کی وحدانیت کی اشاعت کرتے ہیں۔ وہ بھی فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ ہندوستان میں رام موہن رائے اور پنڈت دیانند کی قوموں کو جتنی ترقی ہوئی۔ اتنی دوسرے ہندوؤں کو نہیں ہوئی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں خدا کی توحید کے قائل ہیں۔ اور اس کی اشاعت کرتے ہیں۔ پس توحید الٰہی کے متعلق غیرت رکھنے والا انسان بہت بڑے برکات ملائکہ سے پا لیتا ہے ؛

(پانچواں طریق) اور ملائکہ سے مشابہت حاصل کرنے کی تیسری تدبیر یہ ہے۔ کہ انسان کے قلب میں یہ تحریک ہو کہ عفو اور درگزر کو قائم کرے۔ اور بدظنی کو ترک کرے جتنی یہ عادت زیادہ ہو گی۔ اتنی ہی ملائکہ کی تحریک زیادہ ہو گی۔ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنا اور عفو سے کام لینا ملائکہ کو اپنی کھینچتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ ملائکہ مومنوں کے گناہوں کے لئے معافی مانگتے ہیں جو انسان اپنے اندر اس صفت کو زیادہ پیدا کر لیتا ہے اس کا تعلق ملائکہ سے ہو جاتا ہے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے بھائی کے لئے دعا کرتا ہے۔ ملائکہ اس کیلئے دعا کرتے ہیں۔ پس لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنا اور غیظ و غضب کا پتلا نہ بننا فرشتوں سے تعلق پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے ؛

چھٹا طریق جو ملائکہ سے مشابہت پیدا کرنے کی چوتھی تدبیر ہے۔ یہ ہے کہ انسان تسبیح و تحمید کرے۔ خدا تعالےٰ نے ملائکہ کا یہ کام بتایا ہے۔ کہ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (۳۹-۷۶) کہ وہ خدا کی تسبیح اور حمد کرتے ہیں۔ پس تسبیح و تحمید کرنے والے کا بھی ملائکہ سے خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس کا ثبوت بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ملتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ جہاں کوئی خدا کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ وہاں ملائکہ نازل ہوتے ہیں ؛

اس کے متعلق یہ بھی یاد رکھو۔ کہ بالعموم میں قرآن سے استدلال کرتا ہوں۔ اور وہی بات حدیث میں مل جاتی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن سے اخذ کر کے یہ باتیں فرماتے تھے۔ ہاں آپ کا علم چونکہ بہت وسیع اور نہایت کامل تھا۔ اس لئے آپ زیادہ اعلیٰ طور پر ان باتوں کا اخراج کر لیتے تھے ؛

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ سے میں نے تسبیح کرنا ملائکہ کا کام بتایا تھا۔ اور حدیث سے یہ معلوم ہو گیا۔ کہ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ انہیں ملائکہ سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان سے تعلق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ جہاں خدا کا ذکر ہو رہا ہو۔ وہاں فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ یعنی اس جگہ اپنا فیضان نازل کرتے ہیں۔ چند سال ہوئے میں نے ذکر الٰہی پر تقریر کی تھی۔ اس کے متعلق ایک صاحب نے جو غیر احمدی تھے۔ اور ابھی احمدی نہیں ہوئے تھے۔ بتایا۔ کہ میں فرشتوں کے فیضان کی زندہ شہادت ہوں۔ ان دنوں میری آنکھیں بیمار تھیں۔ اور میں اس دن بڑی مشکل سے دوسروں کے ذریعہ جلسہ گاہ میں گیا تھا۔ لیکن تقریر سننے کے بعد میری آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ اور میں خود واپس آ گیا ؛

پھر ایک تو ذکر سری ہوتا ہے کہ انسان الگ بیٹھ کر خدا تعالےٰ کی تسبیح کرے اور ایک جہری ذکر ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ لوگوں کو جا کر سنائے۔ اور ان کو تبلیغ کرے۔ دونوں ذرائع ایسے ہیں۔ جن کو اختیار کر کے انسان ملائکہ سے تعلق پیدا کر سکتا ہے ؛

ساتواں طریق یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔ اس سے بھی ملائکہ سے

متعلق پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ جہاں قرآن پڑھا جائے۔ وہاں ملائکہ نازل ہوتے ہیں ؛

پس یہ بات یاد رکھو کہ جو کام بھی ملک کرتا ہے۔ جب وہی کام انسان کرے گا۔ تو اس سے ملائکہ کا تعلق پیدا ہو جائے گا ؛

آٹھواں طریق۔ جو کتابیں ایک ایسے شخص نے لکھی ہوں۔ جس پر فرشتے نازل ہوتے تھے ان کے پڑھنے سے بھی ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صاحب کی کتابیں جو شخص پڑھیگا۔ اس پر فرشتے نازل ہوں گے۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے کہ کیوں حضرت صاحب کی کتابیں پڑھتے ہوئے نکات اور معارف کھلتے ہیں۔ اور جب پڑھو۔ جب ہی خاص نکات اور برکات کا نزول ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ خاص فیضان الٰہی کے ماتحت لکھی گئی ہے۔ اس کے متعلق میں نے دیکھا ہے۔ کہ جب کبھی میں اس کو لے کر پڑھنے کیلئے بیٹھا ہوں۔ دس صفحے بھی نہیں پڑھ سکا۔ کیونکہ اس قدر نئی نئی باتیں اور معرفت کے نکتے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں کہ دماغ انہیں میں مشغول ہو جاتا ہے ؛

تو حضرت صاحب کی کتابیں بھی خاص فیضان رکھتی ہیں۔ ان کا پڑھنا بھی ملائکہ سے فیضان حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور ان کے ذریعہ نئے نئے علوم کھلتے ہیں۔ دوسری اگر کوئی کتاب پڑھو۔ تو اتنا ہی مضمون سمجھ میں آئیگا۔ جتنا الفاظ میں بیان کیا گیا ہوگا۔ مگر حضرت صاحب کی کتاب پڑھنے سے بہت زیادہ مضمون کھلتا ہے۔ بشرطیکہ خاص شرائط کے ماتحت پڑھی جائے۔ اس سے بھی بڑھ کر قرآن کریم کے پڑھنے سے معارف کھلتے ہیں۔ اگرچہ ان شرائط کا بتانا جن کے ساتھ حضرت مسیح موعود کی کتب پڑھنی چاہئیں اس مضمون سے بے تعلق ہے۔ جو میں بیان کر رہا ہوں۔ مگر پھر بھی ایک شرط کا ذکر کر دیتا ہوں ؛

اسی وقت دوسری چیز داخل ہو سکتی ہے۔ جب کہ پہلی نکال دی جائے۔ مثلاً ایک جگہ لوگ بیٹھے ہوں۔ تو جب تک وہ نہ نکلیں۔ تب تک اور نہیں آسکتے۔ اس کے سوا نہیں۔ پس حضرت صاحب کی کوئی کتاب پڑھنے سے پہلے چاہیئے۔ کہ اپنے اندر سے سب خیالات نکال دیئے جائیں۔ اور اپنے دماغ کو بالکل خالی کر کے پھر اس کو پڑھا جائے۔ اگر کوئی اس طرح

اس کو پڑھے گا۔ تو بہت زیادہ اور صحیح علم حاصل ہوگا۔ لیکن اگر اپنے کسی عقیدہ کے تحت رکھ کر ان کو پڑھے گا۔ تو یہ نتیجہ نہ نکلے گا ؀

پس حضرت صاحب کی کتابیں بالکل خالی الذہن ہو کر پڑھنی چاہئیں۔ اگر کوئی اس طرح کریگا۔ تو اسے بہت سی برکات نمایاں طور پر نظر آئیں گی ؀

نواں طریق ملائکہ سے فیضان حاصل کرنے کا یہ ہے کہ جس مقام پر ملائکہ کا خاص نزول ہوا ہو۔ انسان وہاں جائے۔ اس سے پہلے میں بتا چکا ہوں کہ جس انسان پر جبرائیل اور ملائکہ نازل ہوں۔ اس کے پاس بیٹھنے سے فیضان حاصل ہوتا ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس جگہ ملائکہ خاص طور پر نازل ہوں وہاں جانے سے بھی ملائکہ کا خاص نزول ہوتا ہے۔ چنانچہ اس قاعدہ کے ماتحت نماز جمعہ میں جانا بہت مفید ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے جو لوگ مسجد میں جاتے ہیں۔ ملائکہ ان کے نام لکھتے ہیں۔ اور جب خطبہ شروع ہو جاتا ہے تو پھر نہیں لکھتے۔ تو نماز جمعہ میں باقاعدہ اور بار بار جانے سے ملائکہ سے تعلق اور موانست پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان سے فیوض حاصل ہو سکتے ہیں ؀

دسواں طریق ملائکہ سے فیض حاصل کرنے کا یہ ہے کہ خلیفہ کے ساتھ تعلق ہو یہ بھی قرآن سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آتا ہے۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ (۲-۲۴۹) کہ ایک زمانہ میں ایک نبی سے لوگوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنا ایسا جانشین مقرر کر دیجئے۔ جس سے ہم دنیاوی معاملات میں مدد حاصل کریں۔ لیکن جب ان کے ایک شخص کو جانشین مقرر کیا گیا۔ تو انہوں نے کہہ دیا۔ اس میں وہ کونسی بات ہے جو ہمارے اندر نہیں ہے جیسا کہ اب بھی غیر مبائع کہتے ہیں۔ نبی نے کہا۔ آؤ بتائیں اس میں کونسی بات ہے جو تم میں نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس سے تعلق رکھیں گے انکو فرشتے تسکین دیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خلافت کے ساتھ وابستگی بھی ملائکہ سے تعلق پیدا کراتی ہے۔ کیونکہ بتایا گیا ہے۔ کہ انکے دل فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تابوت سے

معنے دل اور سینہ کے ہیں۔ فرمایا۔ خلافت سے تعلق رکھنے والوں کی یہ علامت ہوگی کہ ان کو تسلی حاصل ہوگی۔ اور پہلے صلحاء اور انبیاء کے علم ان پر ملائکہ نازل کریں گے۔ پس ملائکہ کا نزول خلافت سے وابستگی پر بھی ہوتا ہے ؎

ایک سوال کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر رسول کے ساتھ ہر وقت جبرائیل ہوتا ہے تو پھر وہ کوئی غلطی کیوں کرتے ہیں۔ اس کا جواب حضرت صاحب نے دیا ہے کہ جان کر نبی کی آنکھ بعض اوقات بند رکھی جاتی ہے۔ اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں ؎

یہ وہ ذرائع ہیں جن سے ملائکہ کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے۔ اور بعض ایسی باتیں جنکی وجہ سے تعلق کم بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ امور جو ان امور کے مخالف ہوں۔ جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ظاہری طہارت کا بھی فرشتوں کے تعلق سے بڑا تعلق ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی انسان اس حالت میں سوتا ہے کہ اسے غلاظت لگی ہوئی ہے اور شیطان اسے چھیڑے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ پھر فرمایا فرشتے بھی ان چیزوں سے نفرت رکھتے ہیں۔ جن سے انسان نفرت کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ کتوں سے کھیلنا بھی فرشتوں کی رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ اور تصویر کے متعلق فرمایا۔ کہ جو لوگ اپنے گھروں میں تصویریں لگاتے ہیں۔ انکے گھروں میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ پھر بدبودار چیزیں مثلاً پیاز وغیرہ کھانا یا کھانے کے بعد منہ صاف نہ کرنا اور کھانے کے ریزوں کا منہ میں سڑ جانا۔ اس قسم کی غلاظتوں میں ملوث ہونیوالوں کیساتھ بھی فرشتے تعلق نہیں رکھتے۔ اسی ذیل میں حقہ پینے والے بھی آگئے۔ حقہ پینے والے کو بھی صحیح الہام ہونا ناممکن ہے ؎

آخر میں میری یہ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو ملائکہ کے ذریعہ مدد دے اور اس میں کامیاب کرے۔ جس کے لئے ہم کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اسکی طرف سے جو تعلیم آئی ہے اس کو اپنے نفس پر قائم رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کی توفیق دے۔ ہماری تمام غلطیاں اور کمزوریاں معاف کرے۔ ہمیں نیکی اور تقویٰ کی راہوں پر چلائے۔ ہر میدان میں ہمیں غلبہ دے۔ ہر جگہ اور ہر موقعہ پر ہماری نصرت اور تائید فرمائے۔ اور ہر مقابلہ پر ہمارے دشمنوں کو ذلیل اور ناکام کرے۔ اور ہمیں دینی اور دنیوی آفتوں سے بچائے۔ آمین ؎

Khuda Bakhsh Library
Acc. No. 13657
AKHTAR ... VI COLLECTION

ضیاء الاسلام پریس ۔ ربوہ

Prof. Syed Akhtar Ahmad
AKHTAR OREVVI COLLECTION
Donated by
Mrs. Shakila Akhtar, Patna

ضیاء الاسلام پریس ربوہ